رُوح

تالیف

یاسر جواد

نگارشات ☆ میاں چیمبرز ☆ 3 ٹمپل روڈ ☆ لاہور

فون نمبر: 6362412 ,6312968

CamScanner

فہرست

1 - انسان اور تصور روح 5

پہلا حصہ

(عالمی مذاہب اور تہذیبوں میں تصور روح)

2 - پہلا باب ۔ اسلام کی "امر ربی" 9
3 - دوسرا باب ۔ عیسائیت کی "روح القدس" 31
4 - تیسرا باب ۔ ہندومت کی "آتما" 53
5 - چوتھا باب ۔ یہودیت "غیر روحانی مذہب" 71
6 - پانچواں باب ۔ بدھ مت بے روح مذہب؟ 79
7 - چھٹا باب ۔ جین مت کی "جیو" 85
8 - ساتواں باب ۔ زرتشت مت 91
9 - آٹھواں باب ۔ کنفیوشیت 93
10 - نواں باب ۔ مانی مت اور مزدیت 95
11 - دسواں باب ۔ سکھ مت کا "چراغ" 99
12 - گیارھواں باب ۔ تاؤ مت 101
13 - بارھواں باب ۔ شنتومت کی "کامی" 103
14 - تیرھواں باب ۔ مصری "با" اور "کا" 105
15 - چودھواں باب ۔ سومیر - قدیم داستانیں 115
16 - پندرھواں باب ۔ بابل کی "ذکشر" 123
17 - سولھواں باب ۔ یونان کی "مادی اور خیالی روح" 133

حصہ دوم
(رسوم، اقوام اور تصور روح)

18 - سترھواں باب۔ ارواح پرستی - قدیم ترین مذہب 143

19 - اٹھارواں باب۔ خارجی روح کا تصور 157

20 - انیسواں باب۔ شجری روحیں 177

21 - بیسواں باب۔ اناج کی روح 195

22 - اکیسواں باب۔ روح کے خطرات 219

23 - بائیسواں باب۔ روح کی وراثت 245

24 - تیئسواں باب۔ بدروحوں کا اخراج 251

CamScanner

انسان اور تصور روح

انسان نے کائنات میں سب سے پہلے جس منظر کا مشاہدہ کیا وہ بظاہر ٹھوس اور مادی نظر آنے والی چیزوں کی داخلی یا خارجی حرکت تھی۔ آسمان کے کالے غلاف پر چمکتے ہوئے ستارے ٹوٹ کر گر پڑتے' پہاڑ' زلزلوں کے باعث پھٹ جاتے' پرسکون دریاؤں کی سطح غیر محسوس طور پر گھٹتی بڑھتی' چاند کے مدارج بدلتے' سورج روزانہ آسمان ناپتا' پودے مرجھا جاتے یا پھل پھول لاتے۔ حرکت پیدائش و افزائش اور زندگی کا نام تھی اور آج بھی ہے۔ ابتدائے عہد کے انسان کا ذہن' ستاروں' پودوں' پہاڑوں اور دریاؤں وغیرہ میں اس تغیر و تبدل کی وجہ سے جاننے کا اہل نہیں تھا۔ مگر آہستہ آہستہ اسے یہ محسوس ہونے لگا کہ کوئی نہ کوئی "باطنی قوت" ہی اس حرکت کا باعث ہوگی۔ اس کے اپنے اندر یہ چیز سانس تھی۔ لہٰذا جب کوئی شخص مرنے لگتا تو اس کی ناک بند کر دیتے تاکہ وہ متحرک و زندہ رکھنے والی سانس باہر نہ نکل جائے۔ عربی کے لفظ "روح" عبرانی میں "روح" یونانی میں "سائکی"۔ سنسکرت میں "آتما"۔ لاطینی میں "اسپرٹ" کا مطلب ہوا کا جھونکا ہی ہے۔ لہٰذا انسان کو لگا کہ جیسے اس کے اندر اپنے روح یا ہوا کا جھونکا زندگی و حرکت کا باعث ہے اسی طرح ہر حرکت کرنے والی چیز میں روح موجود ہے۔ اس نتیجے میں تمام موجودات کے ساتھ روح کا تصور منسلک ہو گیا۔ ان ارواح کو خوش رکھنا ضروری تھا۔ انسان کو خود جن چیزوں سے خوشی ملتی تھی وہ ارواح کو بھی پیش کی جانے لگیں: کنواری لڑکیاں' پھل' پھول' گھی' جانور ——۔ یوں انسانی پسندیدگیوں کی مالک بن جانے پر ان روحوں کی شخصیت متشکل ہوئی اور بعد ازاں وہ دیوتا بن گئیں۔

دیوتاؤں یا ارواح کو خوش کرنے کی ذمہ داری چالاک انسانوں نے سنبھالی جو بعد ازاں ساحر بن گئے۔ شروع میں ہر شخص شکار میں کامیابی' بچے کی پیدائش' فصل کی پیداوار جیسے عوامل کو اپنے حق میں بہتر بنانے کے لیے متعلقہ دیوتاؤں کے حضور جادو کی کوئی نہ کوئی رسم

ادا کرتا تھا۔ قبیلوں کے باہمی ٹکراؤ اور جنگوں میں فتح کے لئے ایسے ساحر کی ضرورت محسوس ہوئی جو شکست کے خلاف ماورائی قوتوں کی مدد حاصل کر سکے۔ شکست کی صورت میں تو اس ساحر کی اہلیت پر شک کرنے والے زندہ ہی نہ رہتے البتہ جیت کی صورت میں وہ ماورائی قوتوں کو تحریک دلانے کا وسیلہ مان لیا جاتا۔ یوں اس ساحر کے لئے سرداری حاصل کرنا ممکن ہوگیا۔ جب تک وہ دیوتاؤں کو مائل کرنے کا دعویٰ کرتا اس کا اقتدار بھی قائم رہتا۔ اس نے اپنے تمام افعال کو ماورائی قوتوں سے ہدایت یافتہ قرار دیا۔ یہی مذہب کا نقطہ آغاز ہے اور سائنس کا بھی۔

انسان کے تمام قدیم اور موجودہ مذاہب میں روح یا دیوتاؤں کا تصور موجود ہے۔ عیسائیوں میں باپ' بیٹا اور روح القدس' ہندومت میں پیدا کرنے' قائم رکھنے اور مارنے والے تین دیوتا' اسلام میں اللہ' امر ربی (روح) اور ابلیس (شر) کی تثلیث میں روح کو برابر کی حیثیت حاصل ہے۔ دوبارہ جنم یا یوم حساب پر یقین رکھنے والے مذاہب تصور روح کے بغیر مکمل نہیں ہوتے۔ مگر ان کے یہ تصورات زردشتی اور قدیم مصری تصورات کی تبدیل شدہ صورت تھے۔ ان کا اثر اسلام پر بھی کافی پڑا۔ مثلاً کلام الٰہی میں روح کی حقیقت آشکار نہیں کی گئی اور اللہ نے اپنے پیارے نبیؐ سے کہا کہ یہ جو یہودی تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو تم ان سے کہہ دو کہ روح امر ربی ہے اور میرے رب کے سوا روح کے متعلق کوئی نہیں جانتا (مفہوم)۔ یوں اسلام میں روح پر بحث ختم کردی گئی مگر مسلمانوں میں جاری رہی۔ حتیٰ کہ روح کے حوالے سے کئی غیر اسلامی اعتقادات بھی اپنا لئے گئے۔ مثلاً قبر پر دیا جلانا۔ ہندو لوگ قبر پر دیا اس لئے رکھتے ہیں کہ روح کو اگلے جہان میں سفر کرتے ہوئے راستہ دکھائی دیتا رہے۔ یہ دستور مسلمانوں کے ہاں بھی رواج پا گیا ہے۔ اس کتاب کی تدوین کا مقصد یہی ظاہر کرنا ہے کہ روح سے وابستہ موجودہ مروج تصورات قدیم انسان کے خطرات و خدشات اور توہمات کا ہی عکس ہیں جو کسی نہ کسی طریقے ثقافت در ثقافت اور تہذیب در تہذیب منتقل ہو کر نئی صورتیں اختیار کرتے رہے۔ روح کی حقیقت کو بیان کرنا روح الارواح یعنی اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو منکشف کرنے کے مترادف ہے' اور اس سلسلے میں تمام کوششوں کے مقدر میں ناکامی لکھی ہے۔

آج ہم اپنے فلسفہ' ادب' محبت اور اخلاقیات میں روح کو منفی کر دیں تو یقیناً" ہمیں شدید دھچکا پہنچے گا۔ اور ذہن میں ایک خلاء سا پیدا ہو جائے گا۔ لیکن علم و جستجو کے نتائج

بیٹھا ہے۔ یہ خلاء پیدا کرتے رہے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ جب زمین کے گرد سورج کی گردش کے بجائے سورج کے گرد زمین کی گردش کا اصول دریافت ہوا تو خود کو پوری کائنات کا مرکز سمجھنے والا انسان اپنی نظر میں یکدم کیسے بے وقعت لگا ہوگا۔ بدھسٹ سمجھتے تھے کہ دنیا ایک کچھوے پر قائم ہے' ہندوؤں کے خیال میں اسے ایک بیل نے سر پر اٹھا رکھا تھا۔ آج زیادہ تر لوگ اس دلچسپ اور افسانوی عقیدے سے محروم ہو چکے ہیں۔ ایک مرتبہ کوئی معروف سائنسدان علم فلکیات پر لیکچر دے رہا تھا (کچھ کے خیال میں وہ برٹرینڈرسل تھا)۔ اس نے بیان کیا کہ کس طرح زمین سورج کے گرد گھومتی ہے اور کس طرح سورج ستاروں کے ایک وسیع مجموعے یعنی کہکشاں کے گرد گردش کرتا ہے۔ لیکچر کے اختتام پر ایک بوڑھی عورت ہال میں کھڑی ہو کر بولی: "تم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بکواس ہے۔ دنیا اصل میں ایک چپٹی طشتری ہے جو ایک بہت بڑے کچھوے پر دھری ہے۔" سائنسدان جواب دینے سے پہلے مسکرایا' "یہ کچھوا کس چیز پر کھڑا ہے۔" بڑھیا بولی' "تم بہت چالاک بنتے ہو' نوجوان۔ بہت چالاک' لیکن یہ سارے کچھوے ہی تو ہیں جو نیچے تک گئے ہوئے ہیں۔ یقیناً" ہم بہت سارے لوگ روح کے حوالے سے بھی اسی قسم کے جواب دیں گے۔

انسان اپنے داستانوی نظریات سے بہت آہستہ آہستہ نجات پاتا ہے۔ ارسطو نے زمین کے گول ہونے کا خیال پیش کیا تھا مگر اس کے پاس دوربین اور ریاضی کے کلیے نہیں تھے جن کی مدد سے اپنا مفروضہ ثابت کر سکے۔ سکندر کے ایراتوستھینز نے کرہ ارض کی پیمائش کی۔ مگر کہیں پندرھویں اور سولہویں صدیوں میں کاپر نیکس اور گیلیلو گیلیلی ہی اسے ثابت کر سکے۔ غالباً" بیسویں صدی کی ابتداء میں بھی بہت سے لوگ زمین کو گول ماننے سے انکار کرتے رہیں ہوں گے۔ کیا روح کے بارے میں ایسا ہونا ممکن نہیں؟ یقیناً" ہے' بلکہ کہیں زیادہ۔ زمین کی گولائی یا اس کا کچھوے پر قائم نہ ہونا تو سائنس کی مدد سے ثابت کیا جا سکتا تھا کیونکہ ان کا تعلق مادی دنیا سے ہے۔ جب کہ روح مادی نہیں' بلکہ مابعد الطبیعیاتی ہے۔ اس کے بارے میں تحقیق کے لئے مابعد الطبیعیات میدان میں ہی تگ و دو کی ضرورت ہے۔ انسان نے جو کچھ جانا اس سے آزاد ہو گیا۔ اس آزادی نے اسے بہت سی کہانیوں اور داستانوں سے محروم کر دیا۔ چاند پر انسانی قدم پڑنے کے بعد پیدا ہونے والے بچے چاند کی بڑھیا کی چرخے کاتنے والی کہانیاں نہیں سنتے۔ کسی اور ستارے اور سیارے سے مخلوق کی آمد انہیں زیادہ لبھاتی ہے۔ علم بڑھنے کے ساتھ ساتھ داستانیں ختم ہوتی جاتی ہیں' توہماتی عائد

منتشر ہونے لگتے ہیں۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ جن اقوام نے اپنے یہ توہمات ختم کئے وہ غالب آ گئیں۔

آج سائنس اور گردو پیش کی ترقی کے ساتھ جدید انسان کے عقائد بدل رہے ہیں۔ سائنس اسے توہمات سے باہر کھینچ کر لا رہی ہے۔ اب کالی بلی کے راستہ کاٹنے پر کوئی واپس نہیں مڑتا۔ ہر رات سڑکوں پر کتنی ہی بلیاں نکل جاتی ہیں اور مسافر بخیریت منزل پر پہنچ چکا ہوتا ہے۔ شائد وہ وقت بھی آئے گا کہ انسان کسی موقع پر روح سے متعلقہ توہمات کو بھی اسی طرح روند کر گزر جائے۔ لیکن یوں وہ بالکل بے آسرا ہو جائے گا۔ ضروری ہے کہ نیا انسان پیدا ہونے سے قبل اس کے لئے سازگار حالات پیدا ہوں۔ زیر نظر کتاب بھی ان حالات کو پیدا کرنے کی ایک کوشش ہے' اور اس پر تمام منفی یا مثبت آراء ئین اس کا مقصد پورا ہونے کی دلیل بنیں گی۔

میں اپنی اس محنت کو اپنی سعدیہ کے نام معنون کرتا ہوں۔

یاسر جواد

نومبر 99ء لاہور

پہلا باب

اسلام کی "امر ربی"

مذہب اسلام عرب کے سابق مذاہب اور قدیم تہذیبی و عقلی روایات کا مظہر ہونے کے ساتھ انسانوں کے لئے اللہ کی جانب سے ارسال کردہ قطعی و قابل عمل شریعت یعنی قرآن کا حامل بھی ہے۔ یہ قرآن آخری نبی حضرت محمدؐ پر اللہ تعالیٰ نے روح القدس حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ اتارا۔ عقیدہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج دین اسلام کے پانچ ستون ہیں۔

روح کی حقیقت کے بارے میں جب یہودیوں نے رسولؐ اللہ سے دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر یہ آیت نازل کی: (ترجمہ) یہودی آپؐ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپؐ فرما دیجئے کہ روح اللہ کی مخلوق ہے اور تمہیں تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے۔

قران پاک میں روح کئی معنی میں آئی ہے:

(1)- روح بہ معنی وحی- فرمایا، وکذالک او حینا الیک روحا" من امرنا (اسی طرح ہم نے اپنے حکم پر آپؐ پر وحی اتاری) یلقی الروح من امرہ علی یشاء من عبادہ (اللہ پاک، اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے، اپنے حکم سے وحی ڈال دیتا ہے۔)

(2)- قوت و ثبات اور نصرت و حمایت۔ فرمایا وایدھم بروح منہ (اللہ نے اپنی قوت سے ان کی تائید فرمائی)۔

(3)- حضرت جبرئیلؑ- فرمایا- نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک (اسے حضرت جبرئیلؑ لے کر آپؐ کے قلب پر اترے) فرمایا من کان وعدو الجبریل الخ (جو جبرئیلؑ کا دشمن ہے) تو جبرئیلؑ ہی نے یہ قرآن اللہ کے حکم سے آپؐ کے دل میں اتارا ہے۔ فرمایا قل نزلہ روح القدس (آپؐ فرمادیں اسے روح القدس نے اتارا ہے)

(4)- وہ روح جس کے بارے میں یہودیوں نے آپؐ سے پوچھا تھا۔ اور انہیں جواب دیا گیا کہ وہ اللہ کی مخلوق میں سے ہے۔ کہا جاتا ہے یہ وہی روح ہے جو مندرجہ ذیل دونوں آیتوں میں مذکور ہے یوم یقوم الروح والملائکتہ صفا" (جس دن روح اور فرشتے قطار

باندھ کر کھڑے ہونگے۔ تنزل الملا ئکۃ والروح فیہا شب قدر میں فرشتے معہ روح کے اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں۔

(5) حضرت مسیح۔ فرمایا (روح منہ آپ اللہ کی روح ہیں۔)

قرآن میں انسانی روح کے بارے میں نفس کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔

فرمایا۔ یاایتھا النفس المطمئنتہ اے اطمینان والی روح' ولا اقسم بالنفس اللوامہ (اتہام ملامت روح کی قسم) ان النفس لامارۃ بالسوء (روح تو برائی کی طرف کھینچتی ہے' اخرجوا انفسکم (اپنی روحیں نکالو) ونفس وماسواھا (روح کو ٹھیک کرنے والے کی قسم) کل نفس ذائقتہ الموت (ہر روح موت کا ذائقہ چکھنے والی ہے) حدیث میں روح انسانی کے لئے لفظ نفس بھی آیا ہے اور لفظ روح بھی بہرحال روح کا اللہ کے امر سے ہونا اس کی قدامت و غیر مخلوقیت پر دلالت نہیں کرتا۔

حق تعالیٰ کی طرف دو قسم کی نسبتیں پائی جاتی ہیں۔ عوارض و صفات کی نسبت۔ جیسے علم' قدرت' کلام' سمع' بصر یہ صفاتی نسبت کہلاتی ہے۔ یعنی علم' کلام' ارادہ' قدرت اور حیات وغیرہ اللہ کی صفتیں ہیں۔ اور غیر مخلوق ہیں۔ اسی میں چہرہ' ہاتھ وغیرہ داخل ہیں۔ دوسری نسبت جواہر و اعیان کی ہے جو حق تعالیٰ سے بالکل جدا ہیں۔ جیسے بیت ناقتہ' عبد' رسول اور روح یہ مخلوق کی خالق کی طرف نسبت ہے۔ اور تشریفی نسبت کہلاتی ہے۔ جیسے کسی چیز کو بنانے والے کی طرف اس کی عمدگی اور پائیداری ظاہر کرنے کے لئے منسوب کردیا کرتے ہیں۔ اس نسبت میں منسوب اور منسوب الیہ کی ذاتوں میں مباننت ہوتی ہے۔ مثلاً بیت اللہ کہہ دیا گیا۔ اگرچہ دنیا میں ہر گھر اللہ ہی کا ہے۔ یا اللہ کی اونٹنی کہہ دیا گیا حالانکہ ہر اونٹنی اللہ ہی کی ہے۔ یہ نسبت اللہ کی محبت اور منسوب کے شرف و احترام کو چاہتی ہے۔ برعکس اس کے اللہ کی ربوبیت کی طرف سے عام نسبت خلق و ایجاد کو چاہتی ہے۔ غرضیکہ عام نسبت ایجاد کو اور خاص نسبت اختیار و پسندیدگی کو چاہتی ہے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ فرمایا وربک یخلق مایشاء ویختار (آپ کا رب جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور چن لیتا ہے)۔

جیسے جیسے اسلام کا تعلق دیگر تہذیبوں سے قائم ہوا اور جیسے جیسے اہل عقل پیدا ہوئے ویسے ویسے نہایت باریک معاملات سامنے آنے لگے۔ مسلمانوں کے اپنے اندرونی عقلی و عقائدانہ اختلافات نے اس میں مزید پیچیدگیاں پیدا کیں۔ روح اور نفس کے حوالے سے کئی

نکات زیر بحث آئے: مثلاً

کیا نفس و روح ایک ہی ہیں یا مختلف ہیں؟

پہلے روحیں پیدا ہوئیں یا جسم؟

ہاتھ سے پیدا کرنے اور روح پھونکنے میں کیا فرق ہے؟

کیا روح قدیم ہے یا حادث و مخلوق؟

کیا اجسام کے ساتھ روحیں بھی فنا ہو جاتی ہیں؟

موت کے بعد قیامت تک روحیں کہاں رہتی ہیں؟

کیا روحوں میں تمیز و تشخیص ہے؟ اور اجسام سے جدائی کے بعد روحیں کیسے پہچانی جاتی ہیں؟

کیا روحیں آپس میں زیارت و ملاقات اور مذاکرہ کرتی ہیں؟

کیا مردوں کی روحوں کو زندوں کے کسی عمل سے فائدہ پہنچتا ہے؟

یہ اور ایسے ہی بہت سے دیگر سوالات سے مسلمان مبلغین کو گزشتہ چودہ صدیوں میں سامنا کرنا پڑا ہے۔ مختلف فرقوں نے بھی مخالف فرقوں کے علماء کو نیچا دکھانے کے لئے یہ لطیف و پیچیدہ مسائل اٹھائے نتیجہ یہ ہوا کہ ناقص و ضعیف روایات و احادیث کے ڈھیر لگ گئے۔ احادیث کس کثرت سے گھڑی گئیں اس مقدار کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ تفسیر سے متعلق احادیث ہزار ہا ہزار کی تعداد تک پہنچتی ہیں۔ امام بخاری کی کتاب میں سات ہزار حدیثوں میں سے تین ہزار حدیثیں مکرر ہیں۔ محدثین کا بیان ہے کہ یہ وہ حدیثیں تھیں جو امام بخاری کے خیال میں صحیح قرار پائیں اور جنہیں انھوں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے منتخب کیا تھا۔ علامہ احمد امین مصری کے خیال میں احادیث گھڑنے کا اہم ترین سبب اس زمانہ میں لوگوں کا یہ غلو بھی تھا کہ وہ علم کی کوئی بات اس وقت تک قبول نہ کرتے جب تک اس کا رشتہ کتاب و سنت کے ساتھ نہ جوڑ دیا جائے۔ لہٰذا مسئلہ روح کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ پندرھویں صدی میں حافظ ابن القیم نے کتاب الروح میں روح کی مختلف حالتوں اور مسائل کے بارے میں غور و خوض کرتے ہوئے احادیث کے حوالے بکثرت دیے۔ ہمیں اس بارے میں یہاں بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ یہ احادیث مستند ہیں یا نہیں۔ اس کی بجائے ہم ان روایات کو جوں کا توں تسلیم کریں گے۔ لیکن یاد رہے کہ روح کے متعلق ان خیالات کا تعلق اسلام سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ اب ہم مندرجہ بالا مسائل پر باری

باری ابن القیم کے پیش کردہ جوابات اور آراء پیش کرتے ہیں۔

سب سے پہلا مسئلہ یہ کہ کیا روح اور نفس ایک ہی ہیں یا مختلف؟ نفس کے متعدد معانی ہیں

(1) روح جوہری: نفس روح ہے کہتے ہیں: خرجت نفسہ۔ یعنی اس کی روح نکل گئی۔

(2) خون: کہتے ہیں۔ سالت نفسہ یعنی اس کا خون بہہ گیا۔ حدیث میں ہے۔ مالا نفس وسائلۃ لا ینجس الماء اذامات فیہ یعنی جس کے بہنے والا خون نہ ہو اگر وہ پانی میں مرجائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

(3) جسم: نبئت ان بنی تمیم اوغلوا ابناء ہم تامور نفس المنذر

(مجھے بتایا گیا کہ بنو تمیم نے اپنے بیٹوں کو منذر کے جسم کے خون میں داخل کردیا)

(4) نظر: کہتے ہیں (اصابت النفس فلانا۔ یعنی فلاں کو نظر لگ گئی (مگر میرے خیال میں اس جملہ میں نفس بہ معنی روح ہے چونکہ نظر کی راہ سے روح اپنا اثر ڈالتی ہے۔ اس لئے کہتے ہیں نظر لگ گئی۔ جس کے معنی ہیں روح بد کا اثر ہوگیا)

(5) ذات: شخص۔ قرآن نے ذات کے لئے بھی نفس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ فرمایا: فسلموا علی انفسکم۔ یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسھا۔ کل نفس بماکسبت رھینۃ (یعنی اپنی ذاتوں پر سلام کرو۔ جس دن ہر ذات اپنی ذات کی طرف جھگڑتی ہوئی نظر آئے گی۔ ہر شخص اپنی کمائی کے ساتھ گروی ہے)

اور روح کے لئے بھی:۔ یا ایتھاالنفس المطمئنۃ' اخرجوانفسکم' ونھی النفس عن الھوی۔ ان النفس لامارۃ بالسوء (یعنی اے اطمینان والی روح۔ اپنی روحیں نکالو۔ اور اس نے روح کو خواہش سے روک لیا۔ واقعی روح برائی کی طرف کھینچنے والی ہے)

روح کا اطلاق نہ تنہا بدن پر ہوتا ہے نہ روح و بدن دونوں پر۔

قرآن حکیم میں روح کے بھی کئی معنی ہیں (1) حکم (وکذالک اوحینا الیک روحا" من امرنا۔ یعنی اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنا حکم بھیجا۔

(2) وحی یلقی الروح من امرہ۔ ینزل الملائکۃ بالروح من امرہ۔ یعنی اللہ اپنے جس بندے کو چاہتا ہے وحی اتار دیتا ہے۔ اللہ فرشتوں کو وحی دے کر اتارتا ہے)

وحی کو روح اس لئے بھی کہتے ہیں کہ اس سے مفید زندگی حاصل ہوتی ہے کیونکہ زندگی وحی کے بغیر صاحب زندگی کے لئے نفع بخش نہیں بلکہ اس سے بہتر جانور کی زندگی

ہے کیونکہ وہ انجام کے اعتبار سے سلامتی والی ہے۔

روح کو روح اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے بدن کی زندگی ہے۔ ریح کو بھی ریح (ہوا) اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے بھی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ یہ اجوف واوی ہے اسی لئے اس کی جمع ارواح آتی ہے۔

اذا ذھبت الارواح من نحو ارضکم

یعنی جب تمہاری زمین کی طرف ہوائیں چلتی ہیں تو ان سے میں اپنے کلیجے میں ٹھنڈک محسوس کرتا ہوں اسی سے روح' ریحان اور استراحت ہے۔

نفس کو روح اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے زندگی حاصل ہوتی ہے۔ یہ لفظ یا تو نفیس سے بنا ہے اور اپنی نفاست و شرافت کی وجہ سے نفس کہلایا۔ یا تنفس (سانس لینا' نکلنا) سے بنا ہے اور جسم میں کثرت آمد و رفت کی وجہ سے نفس کہلایا اسی سے نفس (سانس' مہلت) ہے۔ سونے کی حالت میں انسان سے روح نکل جاتی ہے۔ اور بیدارئی کی حالت میں لوٹ آتی ہے اور موت کے وقت بالکل ہی نکل جاتی ہے اور قبر میں سوال کے وقت لوٹ آتی ہے۔ پھر سوال کے بعد نکل جاتی ہے۔ پھر زندگی بعد الموت کے وقت لوٹ آئے گی۔

خون کو نفس اسی لئے کہتے ہیں کہ زیادہ خون نکلنے سے جس سے موت آجائے نفس کا نکلنا لازم آتا ہے اور نفس کی طرح زندگی خون پر بھی موقوف ہے۔

تسیل علی حد الظبات نفوسنا۔ یعنی تلواروں کی دھار پر ہمارے خون بہتے ہیں۔ کہتے ہیں فاضت نفسہ' خرجت نفسہ' فارقت نفسہ۔ اس کا خون بہہ گیا۔ روح نکل گئی۔ روح جدا ہوگئی۔ جیسے یہ کہا جاتا ہے

محدث' فقہاء اور صوفیہ کے ایک گروہ کا قول ہے کہ روح و نفس دونوں میں ذاتی فرق ہے۔

مقاتل بن سلیمان کے مطابق انسان کی زندگی روح اور نفس ہے سونے کی حالت میں اس کا نفس جو صاحب عقل و شعور ہے نکل جاتا ہے لیکن جسم سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ جیسے لمبی رسی کی طرح شعاعیں ہوں۔ پھر سونے والا اپنے نکلے ہوئے نفس ہی کی وجہ سے خواب دیکھتا ہے۔ اور حیات و روح اس کے جسم میں باقی رہتی ہے جن کی مدد سے وہ کروٹ و سانس لیتا ہے اور جب بیدار ہوجاتا ہے تو پلک جھپکنے سے کم مدت میں تیزی سے نفس لوٹ آتا ہے۔ پھر جب اللہ پاک اسے خواب ہی میں مارنا چاہتا ہے تو اس کے نکلے ہوئے نفس کو

روک لیتا ہے۔ دوسری جگہ کہا۔ حالت خواب میں نفس نکل کر اوپر چڑھتا ہے اور خواب دیکھتے وقت لوٹ کر روح کو خبر دیتا ہے۔ پھر روح انسان کو خبر دے دیتی ہے اور صبح کو اٹھ کر اسے تمام خواب یاد ہوتا ہے۔

بعض کے نزدیک روح اللہ کی مخلوق ہے جس کا علم انسان پر پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک روح اللہ کے نور و حیات میں سے نور و حیات ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا ارواح اجسام و نفوس کی موت سے مرجاتی ہے یا نہیں۔ بعض کے نزدیک روحوں کو فنا نہیں اور نہ ان میں بوسیدگی آتی ہے ایک جماعت کے نزدیک روح انسان کی طرح ہاتھ پاؤں' آنکھ' ناک' کان اور زبان رکھتی ہے۔ بعض کے نزدیک مومن کی تین روحیں ہیں اور کافر و منافق کی ایک ہی ہے بعض کے نزدیک انبیائے کرام اور صدیقوں کی پانچ روحیں ہیں۔ بعض کے نزدیک ارواح روحانیہ ہیں اور ملکوت سے پیدا ہوئیں اور جب صاف و شفاف ہوجاتی ہیں تو عالم ملکوت کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔

پہلے روحیں پیدا ہوئیں یا جسم: حق تعالیٰ نے فرمایا ولقد خلقنا کم ثم صورنا کم الخ (ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری شکلیں بنائیں) پھر ہم نے فرشتوں سے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کے لئے کہا' کہتے ہیں ثم ترتیب و تاخیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ خلق سجدہ آدم پر مقدم ہے۔ اور بدیہی طور پر معلوم ہے کہ بدن بعد میں پیدا ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ خلق سے خلق ارواح مراد ہے۔ ایک اور موقع پر ارشاد ہے: واذاخذ ربک من بنی آدم الخ (اور جب تمہارے رب نے آدم کی پشت سے ان کی اولاد نکالی اور ان کو اس پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں) ظاہر ہے کہ یہ اقرار روحوں سے لیا گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت بدن کہاں تھے۔ حضرت عمرؓ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا فرمایا۔ میں نے سنا رحمت عالمؐ سے بھی اس بارے میں پوچھا گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔ پھر ان کی پشت پر اپنا سیدھا ہاتھ پھیرا۔ اور اس سے ان کی تمام اولاد نکالی۔ اور فرمایا میں نے انہیں جنم کے لئے پیدا کیا۔ یہ جنم والوں کے سے عمل کریں گے۔ اور میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا کیا۔ اور یہ جنت والوں کے سے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے پوچھا یارسولؐ اللہ پھر عمل کی کیا ضرورت رہی۔ فرمایا جب اللہ کسی کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنت والوں کے سے عمل کراتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کا خاتمہ اچھے عمل پر ہوتا ہے۔ اور اسے اس کی وجہ سے جنت میں داخل کردیتا

ہے۔ اور جب کسی کو جہنم کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے جہنم والوں کے سے عمل کراتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے۔ اور اسے اس کی وجہ سے جہنم میں داخل کر دیتا ہے۔ (موطا امام مالکؒ) حاکم فرماتے ہیں۔ یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ حاکم کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی مرفوع روایت یہ ہے کہ اللہ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے تمام روحیں جو قیامت تک آنے والی ہیں چیونٹیوں جیسی نکل آئیں پھر اللہ نے ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پر نور کی چمک رکھی۔ پھر انہیں حضرت آدمؑ پر پیش کیا۔ حضرت آدمؑ نے پوچھا اے رب یہ کون ہیں فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے۔ پھر حضرت آدمؑ ان میں سے ایک شخص کی پیشانی پر نور دیکھ کر متعجب ہو کر بولے اے رب یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تمہارے بیٹے داؤدؑ ہیں۔ جو آخری قوموں میں سے ہوں گے۔ پوچھا ان کی عمر کیا ہے فرمایا ساٹھ سال۔ بولے انہیں میری عمر میں سے چالیس سال اور دے دیجئے۔ فرمایا پھر لکھ کر مہر لگا دی جائے گی اور تبدیلی نہیں ہوگی۔ پھر جب حضرت آدمؑ کی عمر پوری ہوگئی تو ملک الموت ان کے پاس آئے۔ بولے ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں فرشتے نے کہا کیا وہ تم نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے دئے تھے؟ رحمت عالمؐ نے فرمایا کہ حضرت آدمؑ نے انکار کیا۔ لہٰذا ان کی اولاد میں بھی یہی عادت ہے۔ یعنی آپ بھول گئے اور آپ کی اولاد میں بھی بھول جانے کی عادت ہے اور آپ سے غلطی ہوگئی اسی لئے آپ کی اولاد میں بھی غلطی کی عادت ہے۔ (ترمذی حسن صحیح) امام احمد بھی یہ حدیث ابن عباس سے لائے ہیں۔ فرماتے ہیں جب قرض والی آیت اتری تو رحمت عالمؐ نے فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام مکرے تھے۔ محمد بن سعد نے یہ زیادہ کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے پورے ہزار سال کر دئے اور حضرت داؤد کے پورے سو سال برقرار رکھے۔ حاکم کی ایسی والی حدیث میں اسی آیت کی تفسیر ہے کہ اللہ نے اس دن قیامت تک دنیا میں آنے والوں کو جمع فرما دیا اور روحیں بھی پیدا کریں۔ پھر ان کی صورتیں بنائیں اور ان سے اقرار کرایا وہ بولے اور انہوں نے اللہ کی ربوبیت کا پکا وعدہ کیا۔ اللہ نے فرمایا۔ میں اس پر ساتوں آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو بھی کہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو بالکل بے خبر تھے۔ خبردار میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا میں تمہارے پاس رسول بھیجوں گا جو تمہیں یہ عہد و میثاق یاد دلائیں گے۔ اور تم پر اپنی کتابیں بھی اتاروں گا۔ سب نے کہا ہم

گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہی ہمارے رب اور معبود ہیں۔ آپ کے سوا ہمارا کوئی رب نہیں۔ ان کے سامنے ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام لائے گئے۔ آپ نے اپنی اولاد میں امیرو غریب اور خوب صورت و بدصورت سب دیکھے۔ بولے اے رب تیرے بندوں میں برابری ہوتی (تو کیا اچھا ہوتا) فرمایا مجھے شکر محبوب ہے۔ اور ان میں انبیاء چراغوں کی طرح دیکھے۔ انبیائے رسالت کا عہد لیا گیا۔ جیسا کہ اس آیت' واذ اخذنا من النبین الخ (جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا) سے ثابت ہے۔

غرضیکہ قرآن و حدیث کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے جسم پیدا کرنے کے بعد روح پھونکی۔ اور اس پھونکنے سے روح پیدا ہوئی۔ اگر جسم سے پہلے اور روحوں کے ساتھ روح ہوتی تو فرشتوں کو ان کی پیدائش پر تعجب ہوتا نہ یہ پوچھتے کہ یہ آگ کس کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ انسان کی روحوں کو دیکھتے اور یہ بھی انہیں معلوم ہوتا کہ ان میں مومن و کافر کی اچھی بری روحیں موجود ہیں۔

ہاتھ سے پیدا کرنے اور روح پھونکنے میں یہ فرق ہے کہ ہاتھ غیر مخلوق ہے اور روح مخلوق ہے۔ اور پیدا کرنا اللہ کا فعل ہے۔ اور روح پھونکنا آیا اللہ کے ان افعال میں سے ہے جو اس کے ساتھ قائم ہیں۔ یا ایک مفعول ہے' ان مفعولات میں سے جو اللہ کے ساتھ قائم نہیں بلکہ بالکل جدا ہیں۔ اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ برعکس اس کے حضرت مریم علیہ السلام والانفخ اللہ کا ایک مفعول ہے۔ اور اللہ نے اپنی طرف اس لئے منسوب فرمایا کہ اس کے حکم سے انجام پایا بہرحال آدم علیہ السلام والا نفخ خواہ اللہ کا فعل ہو یا مفعول ہر حالت میں روح منفوخ مخلوق و غیرقدیم ہے۔ اور یہی مخلوق روح آدم کا مادہ ہے۔ لہٰذا ان کی روح بھی بدرجہ اولیٰ حادث و مخلوق ہوگی۔ اور ہے۔

کیا روح قدیم ہے یا حادث و مخلوق؟ اگر اسے حادث و مخلوق تسلیم کرلیں اور یہ بھی مانی ہوئی بات ہے کہ روح اللہ کے امر میں سے ہے تو اللہ کا امر کس طرح حادث و مخلوق ہوسکتا ہے؟ حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے آدم میں اپنی روح پھونکی یہ اضافت روح کی قدامت پر دلالت کرتی ہے یا نہیں؟ اللہ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے خبردی کہ اس نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی۔ اس میں ہاتھ اور روح کی اپنی طرف اضافت کی ہے اس اضافت کی کیا حقیقت ہے؟

یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں دنیا کے قدم ڈگمگا گئے۔ اور بہت سی جماعتیں گمراہ ہوگئیں۔

CamScanner

اس پر انبیائے کرام کا اجماع ہے کہ روح حادث و مخلوق ہے اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔ اور اس کی پرورش و دائرہ تدبیر کے اندر ہے۔ جس طرح انبیائے کرامؑ کے دین میں یہ بات بدیہی ہے کہ عالم حادث ہے۔ زندگی بعدالموت یقینی ہے۔ تمام چیزوں کا صرف اللہ ہی خالق ہے۔ اور اس کے سوا تمام چیزیں مخلوق ہیں۔ اسی طرح روح کا حادث ہونا بدیہی ہے۔ بہترین زمانوں میں روح کے حادث و مخلوق ہونے پر اتفاق رہا ہے۔ کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔ جب تابعین کا زمانہ ختم ہوگیا تو ان کے بعد ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جو قرآن و حدیث میں کوتاہ فہم تھی اس نے دعویٰ کیا کہ روح قدیم و غیر مخلوق ہے اور یہ دلیل دی کہ روح اللہ کے امر میں سے ہے اور اللہ کا امر غیر مخلوق ہے۔ اللہ نے علم، کتاب، قدرت سمع، بصر اور ہاتھ کی طرح روح کو بھی اپنی طرف سے منسوب فرمایا ہے۔ پھر جس طرح وہ قدیم و غیر مخلوق ہیں اسی طرح یہ بھی قدیم و غیر مخلوق ہے۔ بعض لوگوں نے توقف سے کام لیا اور کہا کہ ہم نہ مخلوق ہی کہتے ہیں اور نہ غیر مخلوق۔

اس سلسلے میں ابن مندہ سے پوچھا گیا تو آپ نے یہ جواب دیا "ایک شخص نے مجھ سے روح کے بارے میں، جسے اللہ نے مخلوق کے نفوس و اجسام کا منتظم بنایا ہے، پوچھا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بعض لوگوں نے روح پر روشنی ڈالی ہے ان کے گمان میں روح غیر مخلوق ہے۔ (ان روحوں میں سے بعض نے قدسی ارواح کو خاص کیا ہے) اور اللہ کی ذات میں سے ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ روح کیا ہے اور نفس میں اس کا مقام کہاں ہے (1) بعض کے نزدیک تمام روحیں مخلوق ہیں۔ اہلسنت و اہلحدیث اسی کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رحمت عالمؐ نے فرمایا کہ روحیں جمع کیے ہوئے لشکر ہیں پھر ان میں سے جن میں تعارف ہوجاتا ہے ان میں محبت ہوجاتی ہے اور جن میں تعارف نہیں ہوتا ان میں اختلاف ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ روحیں مخلوق ہیں کیونکہ جمع کیا ہوا لشکر مخلوق ہی ہوتا ہے۔ (2) بعض کہتے ہیں کہ روحیں اللہ کے امر میں سے ہیں اور اللہ نے مخلوق سے ان کی حقیقت و معرفت چھپا دی ہے۔ ان کی دلیل آیت قل الروح من امر ربی (آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم میں سے ہے (3) بعض کے نزدیک روحیں اللہ کے انوار و حیات میں سے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ اللہ پاک نے اندھیرے میں مخلوق پیدا کی اور پھر ان پر اپنا نور ڈالا (پھر یہ اختلاف بیان کیا کہ روحیں مرتی ہیں یا نہیں۔ برزخ و آخرت میں

جسموں کے ساتھ عذاب دیا جاتا ہے یا نہیں اور یہ کہ آیا روح نفس ہی ہے یا نفس کے علاوہ کچھ اور ہے)

محمد بن نصر مروزی کے مطابق بے دینوں اور رافضیوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح کے بارے میں وہی تاویل کی ہے جو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کی روح کے بارے میں کی کہ روح اللہ کی ذات سے جدا ہو کر مریم میں آگئی۔ اسی بنا پر عیسائیوں کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام کی پرستش شروع کردی کیونکہ ان کے گمان میں حضرت عیسیٰ اللہ کی روح ہیں جو مریم صدیقہ پر اتر آئی ہے۔ اس لئے روح ان کے نزدیک غیر مخلوق ہے۔ اور بے دینوں اور رافضیوں کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ حضرت آدم کی روح بھی اسی طرح ہے اور غیر مخلوق ہے۔ یہ لوگ ونفخت فیہ من روحی (میں نے ان میں اپنی روح پھونک دی) ثم سواہ ونفخ فیہ من روحہ (پھر اللہ نے انہیں درست کر کے ان میں اپنی روح پھونک دی) کی باطل تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آدم کی روح غیر مخلوق ہے۔ جیسے روح کو نور کہنے والے یہ تاویل کرتے ہیں کہ رب کا نور غیر مخلوق ہے۔ کہتے ہیں پھر روح حضرت آدم کے بعد ان کے وصی میں آگئی۔

مسلمانوں میں اس بات میں اختلاف نہیں کہ تمام روحیں خواہ انبیاء کی ہوں یا غیر انبیاء کی مخلوق ہیں۔ اللہ نے انہیں ایجاد و اختراع کیا اور انہیں خلعت وجود بخشا۔ پھر دیگر مخلوق کی طرح انہیں بھی اپنی طرف منسوب کیا جیسے اس آیت وسخر لکم مافی السموات ومافی الارض جمیعا منہ (اللہ نے اپنی آسمان و زمین کی تمام مخلوق تمہارے تابعدار بنا دی) میں اللہ کی طرف تمام مخلوق کی نسبت ہے۔

تخلیق آدم کے سلسلے میں ابو ہریرہؓ والی حدیث میں ہے کہ حضرت آدم جمعہ کے دن پیدا کئے گئے۔ اگر روحیں جسموں سے پہلے پیدا ہو چکی ہوتیں تو ان تمام مخلوقات میں داخل ہوتیں جو چھ دن میں پیدا کی گئی تھیں چونکہ ان چھ دنوں میں تخلیق ارواح کی خبر نہیں دی گئی۔ اس لئے معلوم ہوا کہ خلق ارواح اولاد آدم کی پیدائش کے تابع ہے۔ ان چھ دنوں میں صرف آدم کی پیدائش ہوئی اور ان کی اولاد کی پیدائش حسب مشاہدہ ہر زمانے میں ہے۔ اگر روح کا بدن سے پہلے وجود ہوتا اور وہ زندہ اور علم و شعور والی اور صاحب گویائی ہوتی تو اسے کچھ تو دنیا میں آکر اس عالم کی یاد ہوتی جہاں وہ ایک طویل زمانہ بسر کر چکی ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ روح میں حیات علم نطق اور ادراک ہو اور وہ روحوں کی جماعت میں ایک

طویل زمانہ بھی گزارے۔ پھر جب بدن میں منتقل ہو تو اسے اپنے ماضی کا ذرا سا حال بھی معلوم نہ ہو۔ جب بدن سے جدا ہو کر اسے اپنے تمام تفصیلی حالات معلوم رہتے ہیں۔ حالانکہ بدن میں آکر اس کے کمالات میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں تو اسے اس زمانے کے حالات جب کہ کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی بدرجہ اولیٰ معلوم ہونے چاہئیں۔

موت کے بعد قیامت تک کے درمیانی وقفہ میں روحیں کہاں ٹھہرتی ہیں؟ کیا آسمان میں رہتی ہیں یا زمین میں؟ کیا جنت میں ہیں یا نہیں؟ کیا انہیں کوئی نیا جنم دے دیا جاتا ہے جس میں انہیں ثواب و عذاب ہوتا ہے یا مجرد ہی رہتی ہیں؟ یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور اس میں لوگوں کا بہت بڑا اختلاف ہے۔

درحقیقت اس قسم کے مسائل نقل پر موقوف ہیں۔ بعض کے نزدیک مومن کی روحیں اللہ کے پاس جنت میں رہتی ہیں خواہ شہید ہوں یا نہ ہوں بشرطیکہ کوئی کبیرہ گناہ یا قرض حائل نہ ہو۔ ان سے ان کا رب عفو و ترحم سے پیش آتا ہے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کا یہی قول ہے کہ بعض کے نزدیک حدود جنت میں جنت کے دروازوں پر رہتی ہیں۔ اور انہیں جنت کی ٹھنڈی ہوائیں، اس کی نعمتیں اور روزیاں پہنچتی رہتی ہیں۔ بعض کے نزدیک روحوں کی جماعت اپنی اپنی قبروں کے صحنوں میں رہتی ہے۔ امام مالک کا بیان ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ روحیں آزاد ہیں جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔ امام احمد کے نزدیک کافروں کی روحیں جہنم میں اور مومنوں کی جنت میں رہتی ہیں۔ ابن مندہؒ۔ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک مومنوں کی روحیں اللہ کے پاس رہتی ہیں۔ انہوں نے اس زیادہ اور کچھ نہیں فرمایا۔ اسی طرح صحابہ اور تابعین کی دوسری جماعت کے نزدیک مومنوں کی روحیں جابیہ میں اور کافروں کی روحیں برہوت (حضرموت کے ایک کنویں) میں رہتی ہیں۔ صفوان بن عمر کے مطابق میں نے ابوالیمان عامر بن عبداللہ سے پوچھا۔ کیا مومنوں کی روحیں اکٹھی ہوتی ہیں؟ فرمایا وہ زمین جس کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ذکر کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے وہ زمین ہے جہاں قیامت تک مومنوں کی روحیں جمع رہتی ہیں دیگر لوگوں نے کہا یہ وہ زمین ہے جس کا وارث اللہ دنیا میں مومنوں کو بنائے گا۔ کعبؓ۔ مومنوں کی روحیں علیین میں ساتویں آسمان میں رہتی ہیں۔ اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین میں سجین میں ابلیس کے لشکر کے نیچے رہتی ہیں۔ بعض کے نزدیک مومنوں کی روحیں زمزم میں اور

CamScanner

کافروں کی برہوت میں رہتی ہیں۔ سلمان فارسی نے کہا مومنوں کی روحیں زمین و آسمان کے درمیان رہتی ہیں۔ اور جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔ اور کافروں کی سجین میں رہتی ہیں۔ ایک روایت ہے کہ مومنوں کی روحیں زمین میں جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔ بعض کے نزدیک مومنوں کی روحیں حضرت آدمؑ کے دائیں طرف اور کافروں کی روحیں ان کے بائیں طرف رہتی ہیں۔

ابن حزم وغیرہ کی رائے میں جہاں روحیں اجسام پیدا ہونے سے پہلے تھیں وہی ان کی قرارگاہ ہے۔ یہی قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا و اذاخذ ربک من بنی آدم۔ الخ اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد نکالی اور ان سے انہیں کے بارے میں اقرار کرایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ہم سب گواہ ہیں تاکہ تم سب قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی کچھ بھی خبر نہ تھی۔ فرمایا ولقد خلقنا کم ثم صورنا کم۔ الخ ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہاری صورتیں بنائیں پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ معلوم ہوا کہ اللہ نے ایک ہی دفعہ تمام روحیں پیدا کیں۔ اسی طرح اللہ کے رسولؐ نے بتایا کہ روحیں جمع کیا ہوا لشکر ہیں جن میں تعارف ہوجاتا ہے۔ ان میں دنیا میں محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ ورنہ اجنبیت ہی رہتی ہے۔ اللہ نے روحوں سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا ہے اور انہیں گواہ بنایا ہے روحیں مخلوق و مصور اور عقل والی تھیں قبل اس کے کہ فرشتوں کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ملا اور قبل اس کے کہ روحیں جسموں میں داخل ہوں اس وقت اجسام مٹی اور پانی تھے پھر اللہ نے انہیں جہاں چاہا ٹھہرا دیا۔ اور وہ برزخ ہے جس کی طرف موت کے وقت لوٹ کر جاتی ہیں۔ پھر اللہ پاک ان کی یکے بعد دیگرے جماعتیں مٹی سے پیدا ہونے والے اجسام میں بھیجتا رہتا ہے (ابن حزم آگے فرماتے ہیں) معلوم ہوا کہ ارواح اجسام ہیں جن میں ایک دوسرے کو پہچاننے کی صلاحیت ہے۔ بعض میں تعارف اور بعض میں اجنبیت رہتی ہے۔ ان میں تعارف پایا جاتا ہے اور پہچان کی قوت بھی پھر اللہ انہیں جس طرح چاہتا ہے دنیا میں آزماتا ہے پھر انہیں مار دیتا ہے اور وہ برزخ کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔ اسی برزخ میں رحمت عالمؐ نے شب معراج میں پہلے آسمان پر دیکھا کہ سعادت مندوں کی روحیں حضرت آدمؑ کے دائیں طرف تھیں۔ اور بدبختوں کی بائیں طرف یہ مقام عناصر کے ختم ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ مگر انبیاء اور شہداء کی روحیں جنت میں ہیں۔ ابن راہویہ کا بھی یہ قول ہے

اور اسی پر اہل علم کا اجماع ہے یہی تمام مسلمانوں کا قول ہے اور قرآن حکیم بھی یہی کہتا ہے۔ فرمایا فاصحاب المیمنۃ۔ الخ پھر دائیں والے کیا ہیں اور بائیں والے کیا ہیں بائیں والے اور سبقت کرنے والے ہیں۔ وہی مقرب ہیں۔ اور نعمت والی جنتوں میں ہیں۔ ایک جماعت پہلوں میں سے ہے اور تھوڑے سے لوگ پچھلوں میں سے ہیں۔ فرمایا فاما ان کان من المقربین پھر اگر وہ مقرب لوگوں میں سے ہے تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہے اور روزی ہے اور نعمت والی جنت ہے۔ پس روحیں مستقل طور پر وہاں رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ صور سے پھونکی جانے والی روحوں کی تعداد پوری ہوجائے اور قیامت قائم ہوجائے پھر اللہ پاک انہیں ان کے جسموں میں پھونک دے گا یہی ثانوی زندگی ہے جس میں مخلوق سے حساب لیا جائے گا۔ اور ہر ایک کو اس کی منزل کی ہمیشہ کے لئے جنت یا جہنم میں جگہ مل جائے گی۔
ابن عبدلبر نے کہا شہدا کی روحیں جنت میں اور عام مومنوں کی روحیں اپنی اپنی قبروں کے صحن میں رہتی ہیں۔ ہم ان کے بیان کا خلاصہ اور دلائل بیان کریں گے اور اپنا تبصرہ بھی کریں گے۔ انشاء اللہ۔ مجاہد کے مطابق روحیں جنت میں تو نہیں ہیں۔ البتہ اس کے پھل کھاتی ہیں اور اس کی خوشبو سے لذت اندوز ہوتی ہیں۔ ابن شہاب سے روحوں کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا' مجھے خبر ملی ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کی طرح عرش سے لگی ہوئی ہیں۔ صبح و شام جنت کے باغوں میں آتی جاتی ہیں۔ اور روزانہ رب کے پاس جاکر سلام کر آتی ہیں۔ ابن عبدالبر نے ابن عمرؓ والی حدیث کی شرح میں فرمایا کہ مرنے کے بعد مردے پر صبح و شام اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے۔ اگر جنتی ہے تو جنت اور اگر جہنمی ہے تو جہنم اور اس سے کہا جاتا ہے کہ قیامت آنے کے بعد یہ تمہارا ٹھکانہ ہے۔ اس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ روحیں قبروں کے صحنوں میں رہتی ہیں۔ اور یہی صحیح ترین قول ہے۔ کیونکہ صحیح حدیثوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ میرے نزدیک اس کا یہ مطلب ہے کہ کبھی قبروں کے صحن میں ہوتی ہیں یہ نہیں کہ وہیں رہتی ہیں اور وہاں سے کبھی ہٹتی نہیں۔ چنانچہ امام مالک نے فرمایا ہمیں خبر ملی ہے کہ روحیں جہاں چاہتی ہیں چلتی پھرتی ہیں اور وہاں سے کبھی ہٹتی ہی نہیں۔ چنانچہ امام مالک نے فرمایا ہمیں خبر ملی ہے کہ روحیں جہاں چاہتی ہیں چلتی پھرتی ہیں۔
مجاہد سے ایک یہ بھی روایت ہے کہ روحیں مرنے کے بعد ابتدائی سات دن تک قبروں کے صحنوں میں رہتی ہیں۔ اور وہاں سے ہٹتی نہیں۔ ایک فرقہ کا خیال ہے کہ روحیں

جسم کی طرح معدوم ہوجاتی ہیں۔ یہ لوگ روح کو حیات و ادراک کی طرح جسم کے عوارض میں سے مانتے ہیں۔ لیکن یہ قول قرآن و سنت اور اجماع کے خلاف ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ روحیں اپنے مناسب اخلاق و صفات والی روحوں کے اجسام میں رہتی ہیں۔ یہ لوگ تناسخ کے قائل ہیں۔ اور زندگی بعدالموت کو نہیں مانتے۔ یہ قول تمام اہل اسلام کے اقوال سے جداگانہ ہے اور باطل ہے۔ روحوں کے متعلق یہ تمام خیالات ہیں جو میں نے اس رسالہ میں جمع کر دیئے ہیں اور کسی اور کتاب میں نہیں ملیں گے۔ اب ہم ان اقوال پر تبصرہ اور تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں صحیح بات بتاتے ہیں۔ حق تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے آمین۔

جو اس بات کے قائل ہیں کہ روحیں جنت میں رہتی ہیں۔ ان کے حسب ذیل دلائل ہیں (1) فاما ان کان من المقربین الخ۔ پھر اگر وہ مقرب حضرات میں سے ہے تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہے اور روزی ہے اور نعمت والی جنت ہے۔ روح کی یہ حالت موت کے وقت جسم سے نکلنے کے بعد بتائی گئی ہے۔

اور روحوں کی تین قسمیں بتائی گئیں ہیں۔ مقرب روحیں (ان کے بارے میں بتایا گیا کہ نعمت والی جنت میں ہیں' دائیں جانب والی روحیں (ان پر سلامتی کا حکم لگایا جو عذاب سے محفوظ رہنے کو بھی شامل ہے) اور جھٹلانے والی گمراہ روحیں (ان کے بارے میں بتلایا گیا کہ ان کھولتے ہوئے پانی اور دخول جہنم سے تواضع کی جاتی ہے) ظاہر ہے کہ یہ احکام روحوں پر بدنوں سے جدا ہونے کے بعد لاحق ہوتے ہیں۔ اسی سورت کے شروع میں روحوں کے قیامت کے دن والے احوال بتائے گئے ہیں۔ یعنی اول سورت میں قیامت کبریٰ کے بعد والے حالات ہیں۔ اور آخر سورت میں قیامت صغریٰ کے بعد کے حالات ہیں (2) یا ایتھا النفس المطمئنۃ الخ اے مطمئن روح اپنے رب کی طرف راضی خوشی لوٹ جا۔ رب بھی تجھ سے راضی ہے اور میرے بندوں میں شامل ہوکر میری جنت میں داخل ہوجا۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ مومنوں کی روحیں جنت میں رہتی ہیں۔ خواہ شہید ہوں یا نہ ہوں۔ بشرطیکہ کوئی گناہ کبیرہ یا قرض انہیں جنت سے نہ روکے۔ اور حق تعالیٰ ان سے اپنی مہربانی اور معافی سے پیش آتا ہے۔ ابن عمرؓ اور ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ مومنوں کی روحیں علیین میں اور کافروں کی سجین میں رہتی ہیں۔ ابوعمروؓ کہتے ہیں مگر اس قول سے

حدیث ٹکراتی ہے کہ مرنے کے بعد مردے پر اس کا جنتی یا جہنمی ٹھکانا صبح و شام پیش کیا جاتا ہے۔ اور قیامت تک پیش کیا جاتا ہے۔ اور قیامت تک پیش کیا جاتا رہے گا۔ بعض علماء کے نزدیک حدیث کا یہ مطلب ہے کہ عام مومنوں کی نہیں بلکہ شہیدوں کی روحیں جنت میں رہتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے چنانچہ قرآن حکیم میں ہے ولاتحسبن الذین قتلوا الخ یعنی جو اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ نہ سمجھنا بلکہ زندہ ہیں اور انہیں ان کے رب کے پاس سے روزی ملتی ہے اور اللہ کے عطا کردہ فضل سے خوش ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ شہید کو صبح و شام جنت میں آتے جاتے ہیں اور عرش سے لگی ہوئی قندیلوں میں ان کا ٹھکانا ہے۔ حق تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ میں نے تمہیں جو عزت دے رکھی ہے کیا تمہارے خیال میں اس سے بڑھ کر کوئی عزت ہے؟ کہتے ہیں نہیں۔ ہاں ہماری یہ تمنا ہے کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں۔ تاکہ ہم پھر تیری راہ میں شہید ہوں جب (احد کے دن) تمہارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھیں وہ جنت کی نہروں پر آتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں اور عرش کے سائے میں لگی ہوئی قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں جب انہوں نے عمدہ کھانا اور رہائش گاہ دیکھی تو تمنا کی کہ ہمارے بھائیوں کو بھی خبر ہو جاتی کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں تاکہ وہ جہاد سے نہ رکتے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ تمہارا پیغام میں پہنچائے دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ آیت ولاتحسبن الذین۔ الخ اتاری گئی (احمد' ابو داؤد) حضرت ابن مسعود سے اسی آیت کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا۔ ہم نے بھی اس کے بارے میں پوچھا تھا تو آپؐ نے فرمایا۔ ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہیں' اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں چگتی پھرتی ہیں۔ پھر قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ ایک دفعہ حق تعالیٰ نے انہیں جھانک کر دیکھا اور پوچھا کچھ خواہش ہے؟ بولیں جنت میں سب کچھ میسر ہے' اور کیا خواہش ہو۔ مگر حق تعالیٰ نے بار بار یہی سوال کیا جب انہوں نے دیکھا کہ جواب دیئے بغیر چارہ نہیں تو بولیں یا رب ہم چاہتی ہیں کہ ہمیں پھر جسموں میں لوٹا دیا جائے تاکہ پھر تیری راہ میں شہید ہوں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ان کی کوئی خواہش نہیں تو چھوڑ دیا (مسلم) ام حارثہ بن سراقہ نے رحمت عالمؐ سے آکر کہا اے اللہ کے نبی آپ مجھے حارثہ (جو بدر کے دن نامعلوم تیر سے شہید ہوگئے تھے) کے بارے میں بتایئے۔ اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کروں گی ورنہ جہاں تک ممکن ہوگا روؤں گی۔ فرمایا۔ اے ام حارثہ کئی جنتیں ہیں'

اور تمہارا بیٹا جنت الفردوس میں ہے جو سب سے اعلیٰ ہے۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں متحرک ہیں اور جنت کے پھل کھاتی پیتی ہیں۔ قتادہؒ کا بیان ہے کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ شہیدوں کی روحیں سفید پرندوں کی اشکال میں ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔ ابن عمرو کا بیان ہے کہ شہیدوں کی روحیں چڑیا سے کچھ بڑے پرندوں میں ہیں جن میں باہمی تعارف بھی ہے اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

کیا اجسام کے ساتھ روحیں بھی فنا ہوجاتی ہیں؟ یہ ان کا عقیدہ ہے جو روحوں کو عوارض اجسام سے مانتے ہیں اور انہیں زندگی سمجھتے ہیں۔ جیسے ابن باقلانی وغیرہ۔ یہی ابوالہذیل علاف کا قول ہے لیکن انہوں نے روح کی حیات سے تعبیر نہیں کی۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جسم کی موت سے دیگر تمام اعراض کی طرح روح بھی مرجاتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک عرض دو زمانوں میں باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا ہر تغیر کے بعد ایک نئی روح کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ یعنی زندگی کے تھوڑے سے زمانے میں انسان کی ہزاروں روحیں پیدا ہوتی اور ختم ہوتی رہتی ہیں اور مرنے پر پچھلی روح بھی ختم ہوجاتی ہے۔ آسمان پر چڑھنے اترنے اور قبر میں آنے جانے' فرشتوں کے پکڑنے چھوڑنے اور عذاب و ثواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بس اللہ تعالیٰ جسم کو عذاب اور ثواب پہنچاتا ہے اور جب جسم کو عذاب و ثواب پہنچاتا ہے تو اس وقت زندہ کردیتا ہے۔ روحوں کا بالذات و مستقل وجود نہیں ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ زندگی محض دمچی کی ہڈی میں لوٹائی جاتی ہے اور اسی کو عذاب و ثواب پہنچتا ہے یہ ان کا قول ہے کہ جن کو اپنی روحوں کا بھی علم نہیں تو دوسروں کی روحوں کا کیا ہوگا۔ یہ قول قرآن و حدیث اور اجماع کے خلاف ہے اور عقلی و فطری دلائل بھی اسے رد کردیتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے روحوں کو نکلنے اور داخل ہونے کا اور لوٹ آنے کا حکم دیا ہے اور صحیح و صریح دلائل بتاتے ہیں کہ روحیں چڑھتی اترتی اور پکڑی اور چھوڑی جاتی ہیں۔ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اور وہ سجدہ اور گفتگو کرتی ہیں۔ وہ پانی کے قطرے کی طرح جسم سے نکل آتی ہیں جنت یا جہنم کے کفنوں میں لپیٹی جاتی ہیں انہیں ملک الموت اپنے ہاتھ میں لیتا ہے اور پھر اس کے ہاتھ سے فرشتے لے لیتے ہیں۔ ان سے خوشبو یا بدبو نکلتی ہے انہیں ایک آسمان کے فرشتے دوسرے آسمان تک پہنچاتے ہیں پھر وہ فرشتوں کے ساتھ زمین ہی پر بھیج دی جاتی ہیں۔ روح کو نکلتے وقت مرنے والے کی آنکھ دیکھتی ہے قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ روحیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ حلق تک پہنچ

جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں ارواح کی باہمی ملاقات اور ان میں باہمی تعارف بھی ہوتا ہے اور وہ ایک جگہ جمع کیا ہوا لشکر ہیں۔ وغیرہ۔ یہ تمام دلائل مذکورہ بالا قول کی تردید کرتے ہیں۔

روح کا اجسام پر قیاس نہیں کرنا چاہیے' بلکہ روحیں جنت میں ہونے کے باوجود آسمان پر بھی ہیں اور قبر کے پاس بھی ہیں۔ قبر والے بدن میں بھی ہیں۔ یہ اترنے چڑھنے میں انتہائی تیز رفتار ہیں۔ روحیں آزاد بھی ہیں محبوس بھی ہیں علوی بھی ہیں اور سفلی بھی۔ انہیں بدن سے جدا ہونے کے بعد صحت و بیماری اور لذت و دکھ بدنی حالت اتصال سے کہیں زیادہ پہنچتا ہے۔ ان کا حال جنین سے اور پیدا ہونے کے بعد بچے سے ملتا جلتا ہے۔

روحوں کے چار گھر ہیں اور ہر گھر ہر سابق گھر سے بڑا ہے۔ پہلا گھر ماں کا پیٹ ہے جو محدود' تنگ' تاریک اور تین تین اندھیروں سے گھرا ہوا ہے اور دوسرا گھر دنیا ہے جہاں انسان خیر و شر اور سعادت و شقاوت کی کھیتی کرتا ہے۔ اور ان کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ تیسرا گھر برزخ ہے جو دنیا سے وسیع اور بہت بڑا ہے بلکہ ان دونوں کی نسبت وہی ہے جو سابقہ دو گھروں میں تھی۔ چوتھا گھر آخرت ہے۔ یعنی جنت یا جہنم۔ آگے کوئی گھر نہیں۔ حق تعالیٰ بتدریج انسان کو ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل کرتا ہوا آخری گھر (آخرت) میں لے آتا ہے۔ جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا تھا۔ اور جس کی تخلیق سے غرض اس گھر کی شقاوت و سعادت کا حصول تھا۔ ہر گھر کے حالات و احکام جداگانہ ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو دنیا میں آکر سعادت کے اسباب پیدا کرتے ہیں اور شقاوت کے کانٹوں سے دامن بچا کر آگے نکل جاتے ہیں۔ توحید اتباع رسولؐ اور خواہشات سے بچنے سے حاصل ہوتی ہے۔

کیا روحوں میں بھی تمیز و تشخص ہے؟ جب روحوں کے اوصاف ہیں تو اجسام سے زیادہ ان میں تشخص و امتیاز ہے۔ بلکہ اجسام میں تو کبھی کبھی مشابہت پائی بھی جاتی ہے مگر روحوں میں قطعی مشابہت نہیں۔ ہم نے انبیاء' صحابہ اور ائمہ کے اجسام نہیں دیکھے۔ حالانکہ وہ ہمارے علم میں شخصی خصوصیات کے مالک ہیں۔ یہ امتیازی خصوصیات محض ان کے اجسام ہی کے نتائج نہیں' گو ان کے اجسام کی خصوصی صفتیں بتا دی گئی ہیں' بلکہ ان کی ارواح کی صفات و عوارض کے نتائج ہیں۔ صفات کے اعتبار سے اجسام سے زیادہ ارواح میں تشخص ہے۔ مومن و کافر کے جسم بہت باتوں میں ملتے جلتے ہیں۔ لیکن روحوں میں عظیم ترین فرق و امتیاز ہے۔ دو حقیقی بھائیوں کے اعضاء میں کافی مشابہت ہوتی ہے مگر اس سے زیادہ ان کی روحوں میں فرق ہوتا ہے اگر یہ دونوں روحیں اپنے اپنے بدنوں سے جدا ہو جائیں تو ان کا

باہمی تمیز و فرق صاف ظاہر ہوگا۔ احوال روح احوال جسم سے جداگانہ ہیں۔ دو متناسب اور ہم شکل روحوں میں انتہائی قرب ہوتا ہے۔ اگرچہ ان میں انتہائی دوری ہوتی ہے۔ گو جسم ان کے پاس پاس ہوں روح کا اترنا چڑھنا اور نزدیک و دور ہونا بدن کے اتار چڑھاؤ اور قرب و بعد کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ روح ذرا سی دیر میں (قبض کئے جانے کے بعد سے قبر میں رکھے جانے تک) ساتوں آسمانوں پر چڑھ کر اتر بھی آتی ہے جو بدن کے لئے ناممکن ہے۔ اسی طرح خواب و بیداری میں روح چڑھتی اور اترتی ہے۔

بعض کے نزدیک روحیں بھی مرتی ہیں کیونکہ روح بھی نفس ہے اور ہر نفس کے لئے موت ہے۔ معلوم ہوا کہ بجز حق تعالیٰ کے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا کل من علیہا فان الخ جو روئے زمین پر ہیں سب فنا ہوجائیں گے بس آپ کے جلال و عزت والے رب کی ذات باقی رہے گی۔ کل شی ھالک الا وجھہ بجز آپ کے رب کی ذات کے ہر چیز ختم ہوجائے گی۔ جب فرشتوں کو موت ہے تو ارواح بشریہ کو بدرجہ اولیٰ موت ہے نیز حق تعالیٰ نے جہنمیوں کی طرف سے نقل فرمایا کہ وہ کہیں گے اے رب تو نے دوبارہ ہمیں موت دی اور دوبارہ ہی زندگی بخشی۔ لہٰذا ان دونوں موتوں میں سے پہلی موت تو جسم کی ہے اور دوسری روح کی۔ لیکن بعض کے نزدیک روحوں کو موت نہیں ہے۔ کیونکہ انہیں زندگی ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ بس جسم ہی مرتے ہیں۔ کیونکہ بدن سے جدا ہونے کے بعد پھر بدن میں آنے تک روح پر عذاب و ثواب ہوتا ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اگر روحیں بھی مرجاتیں تو پھر ان پر عذاب و ثواب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ ولا تحسبن الذین قتلوا۔ الخ: تم اللہ کی راہ میں قتل کئے جانے والوں کو مردہ نہ سمجھو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ انہیں رب کے پاس روزیاں دی جاتی ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ انہیں دیا ہے اس سے خوش ہیں۔ اور اپنے پسماندگان سے جو ان سے نہیں ملے ہیں خوش ہیں۔ حالانکہ ان کی روحیں جسموں سے جدا ہوچکیں اور وہ موت کا ذائقہ چکھ چکے۔ اگر روحوں کی موت سے ان کا بدنوں سے جدا ہونا مراد ہے تو بلاشبہ روحیں بھی مرتی ہیں۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ وہ جسموں کی طرح عدم محض میں گم ہوجاتی ہیں تو بلاشبہ روحیں نہیں مرتی۔ بلکہ پیدا ہونے کے بعد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رہتی ہیں۔ خواہ ثواب میں رہیں یا عذاب میں۔ اس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے آرہا ہے۔ اور صریح دلائل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ روحیں عالم برزخ میں عذاب و ثواب میں رہتی ہیں۔ جب تک اللہ پھر

انہیں ان کے جسموں میں نہ لوٹا دے۔ احمد بن حسین کندی نے اس اختلاف کو دو شعروں میں بیان کردیا ہے۔ کہ لوگوں میں یہاں تک اختلاف ہے کہ بجز۔ موت کے کسی بات پر بھی اتفاق نہیں۔ بلکہ موت میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں روح صحیح سالم رہے گی۔ اور بعض کہتے ہیں روح کو بھی موت ہے۔ اللہ نے فرمایا ونفخ فی الصور۔ الخ اور صور پھونکا جائے گا پھر تمام آسمانوں و زمین والے مرجائیں گے مگر جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے۔ بعض کے نزدیک موت سے مستثنیٰ شہید ہیں۔ بعض کے نزدیک چاروں بڑے فرشتے' بعض کے نزدیک حوریں اور جنتی اور جہنم کے محافظ وغیرہ امام احمد سے منقول ہے کہ نفخ صور کے وقت حور و غلمان نہیں مریں گے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا لایذوقون فیہاالموت الاالموتتہ الاولیٰ: کہ جنتی جنت میں موت نہیں چکھیں گے۔ پس انہیں دنیا میں موت آچکی ہے۔ ورنہ دو موتیں ہوجائیں گی۔ رہا جہنمیوں کا یہ قول کہ اے رب تو نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندگی بخشی اس کی تفسیر بقرہ والی آیت کیف تکفرون باللہ الخ میں ہے۔ یعنی تم اللہ کا کیسے انکار کرسکتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے پھر اللہ نے تمہیں زندگی دی۔ پھر وہ تمہیں مار دے گا اور پھر زندگی دے دے گا۔ یعنی باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے پیٹوں میں نطفوں کی شکلوں میں مردہ (معدوم) تھے پھر اس کے بعد اللہ نے حیات بخشی۔ پھر مار کر قیامت کے دن حیات بخش دے گا۔ اس آیت میں قیامت سے پہلے نفخ صور سے روحوں کو مارنا مراد نہیں ہے۔

آخری مسئلہ یہ ہے کہ کیا روحیں آپس میں زیارت و ملاقات اور مذاکرہ کرتی ہیں؟ یہ ایک اہم اور عظیم مسئلہ ان کو ہے۔ روحوں کی دو قسمیں ہیں سجین والی روحیں اور علیین والی روحیں۔ سجین والی روحیں تو عذاب میں مبتلا ہیں' ان کو ملنے جلنے کی کہاں فرصت۔ لیکن جو راحت والی اور آزاد روحیں ہیں وہ آپس میں ملتی جلتی ہیں اور دنیا میں ان پر جو واقعات گزرے ہیں انہیں یاد کرتی ہیں اور ان واقعات پر بھی گفتگو کرتی ہیں جو دنیا والوں کو پیش آتے رہتے ہیں۔

ہر روح اپنی رفیق اور ہم شکل عمل والی روح کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ اسی لئے پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی روح رفیق اعلیٰ میں ہے۔ فرمایا ومن یطع اللہ و رسولہ الخ اور جو اللہ کی اور رسول کی تابعداری کرے گا وہ ان کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ کا انعام ہے۔ یعنی انبیاء' صدیق' شہید اور نیک حضرات کے ساتھ اور وہ بہترین رفیق ہیں مل جل کر رہنا

دنیا میں بھی پایا جاتا ہے، اور برزخ و عالم آخرت میں بھی پایا جائے گا۔ ان تینوں گھروں میں انسان اپنے احباب کے ساتھ رہتا ہے۔

مسلمان علماء کے خیال میں جس طرح کافر اور اہل ایمان یا مسلم اور غیر مسلم اپنی دنیاوی زندگی میں مختلف ہیں اس طرح ان کی آخری زندگی یا موت کے بعد روحوں سے سلوک بھی مختلف ہوگا۔ اس کے بعد اہل ایمان میں بھی روحانی حالتوں کے مختلف مدارج ہیں۔ قرآن کریم میں روح کے اوصاف کئی جگہوں پر بیان کئے گئے۔ قرآن کے مطابق روح اندر باہر آتی جاتی ہے۔ روح کو قبض کیا اور اٹھایا جاتا ہے۔ اور روح اپنے مستقر کی طرف چڑھتی ہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دئے جاتے یا بند کردئے جاتے ہیں ولو ترٰی اذا الظالمون فی غمرات الخ: کاش آپ دیکھتے جب ظالم سکرات موت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہتے ہیں اپنی روحیں نکالو۔ فرمایا' یاایتھا النفس المطمئنہ الخ اے مطمئن روح اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔ تو بھی اسی سے خوش ہے اور وہ بھی تجھ سے خوش ہے۔ لہٰذا میرے بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہوجا۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب روح جسم سے الگ کی جاتی ہے فرمایا ونفس وماسواہا الخ روح کی اور روح کو ٹھیک ٹھاک کرنے والے کی قسم جس نے اس کے دل میں اس کی برائی اور بھلائی ڈالی۔ یہاں حق تعالٰی نے فرمایا کہ اس نے بدن کی طرح روح بھی ٹھیک ٹھاک کی۔ فرمایا یاالذی خلقک فسواک الخ جس نے تجھے بنایا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر برابر کیا' بلکہ بدن کو اس لئے درست کیا کہ روح کا قالب بن جائے لہٰذا بدن کا درست کرنا روح کے درست کرنے کے تابع ہے۔ کیونکہ بدن روح کا محل ہے جیسے قالب کسی چیز کا محل ہوتا ہے جس میں وہ چیز ڈھالی جاتی ہے معلوم ہوا کہ روح کی بھی شکل و صورت ہے اور بدن سے مل کر حسی صورت اختیار کرلیتی ہے جس سے انسان ایک دوسرے سے ممتاز ہوجاتا ہے کیونکہ بدن کی طرح روح بھی متاثر و منفعل ہوتی ہے اور جسم پاکیزہ یا گندی روح سے پاکیزگی یا گندگی حاصل کرتا ہے لہٰذا بدن و روح میں جس قدر ربط و تناسب اور تاثیر و انفعال ہے ایسا کسی جوڑے میں نہیں۔ اسی وجہ سے جدا ہونے کے وقت اس سے کہا جاتا ہے کہ اے پاکیزہ روح جو پاکیزہ جسم میں ہے' اور اے گندی روح جو گندے جسم میں ہے نکل آ۔ اسی طرح حق تعالٰی نے فرمایا: اللّٰہ یتوفی الانفس الخ اللہ موت کے وقت روحیں پوری پوری لیتا ہے اور جن کی موت نہیں انہیں خواب میں لے لیتا ہے پھر جن پر موت کا فیصلہ ہوچکا انہیں

روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقررہ مدت تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ اسی آیت میں روحوں کے بارے میں کہا گیا انہیں اٹھایا جاتا ہے' روکا جاتا ہے' اور چھوڑا جاتا ہے۔ جیسے پہلی آیتوں میں کہا گیا تھا کہ وہ داخل ہوتی ہیں خارج ہوتی ہیں لوٹتی ہیں اور انہیں درست کیا جاتا ہے۔ رحمت عالمؐ نے بتایا کہ جب قبض کئے جانے کے بعد روح اوپر چڑھتی ہے تو مرنے والے کی آنکھ اسے دیکھتی ہے اور یہ بھی بتایا کہ ملک الموت روح قبض کرتے ہیں پھر ان کے ہاتھ سے فرشتے لے لیتے ہیں' پھر اس سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو نکلتی ہے یا سڑی ہوئی لاش کی بدبو سے بھی زیادہ بدبو نکلتی ہے۔ ظاہر ہے کہ عوارض کی نہ بو ہوتی ہے نہ انہیں روکا جاتا ہے اور نہ انہیں ہاتھ بہ ہاتھ لیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ روح آسمان کی طرف چڑھتی ہے۔ اس پر آسمان و زمین کے درمیان کا ایک ایک فرشتہ نماز پڑھتا ہے' اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں پھر ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک چڑھتی ہوئی اس آسمان تک پہنچ جاتی ہے جہاں حق تعالیٰ ہے پھر اس کے سامنے کھڑی کردی جاتی ہے اور حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نام علیین میں یا سجین والوں کے رجسٹر میں لکھ لیا جائے۔ پھر زمین کی طرف لوٹا دی جاتی ہے اور کافر کی روح پھینک دی جاتی ہے۔ اور یہ بھی کہ روح قبر میں سوال کے لئے بدن کے ساتھ داخل ہوتی ہے
رحمت عالمؐ نے یہ بھی بتایا کہ مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درختوں کا پھل کھاتا رہتا ہے۔ جب تک حق تعالیٰ پھر اسے اس کے جسم میں نہ لوٹا دے اور یہ بھی بتایا کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں۔ جو جنت کی نہروں پر آتی جاتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں اور یہ بھی بتایا کہ روح پر برزخ میں قیامت تک عذاب و ثواب ہوتا ہے۔
حق تعالیٰ نے قوم فرعون کی روحوں کے بارے میں فرمایا کہ انہیں قیامت تک صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا رہے گا۔ شہیدوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ اس زندگی سے روحوں کی زندگی مراد ہے اور انہیں برابر غذا مل رہی ہے۔ ورنہ ان کے جسم تو کبھی کے فنا ہو چکے پھر آپ نے اس زندگی کی تفسیر بیان فرمائی کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے جوف میں ہیں۔ جن کے لئے عرش کے نیچے قندیلیں لگی ہوئی ہیں۔ وہ جنت میں چرتی پھرتی ہیں پھر ان چراغوں میں آکر بسیرا کرتی ہیں پھر ان کا رب انہیں جھانک کر پوچھتا ہے کچھ خواہش ہے؟ کہتی ہیں کہ ہم جنت میں حسب مرضی چرتی پھرتی ہیں اب اور کیا خواہش ہوگی۔ حق تعالیٰ تین دفعہ بار بار یہی پوچھتا ہے۔ جب وہ دیکھتی

ہیں کہ جواب دیے بغیر چارا نہیں تو کہتی ہیں کہ ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمیں اپنے جسموں کی طرف لوٹا دیا جائے۔ تاکہ ہم دوسری دفعہ تیری راہ میں شہید ہوجائیں۔ آپؐ سے یہ بھی ثابت ہے شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں میں ہیں اور جنت کے پھل کھاتی رہتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رحمت عالمؐ نے فرمایا جنگ احد میں جب تمہارے بھائی شہید ہوگئے تو حق تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھ دی جو جنت کی نہروں اور پھلوں میں سے کھاتی پیتی ہیں اور عرش کے سائے میں سونے کے چراغوں میں بسیرا کرتی ہیں پھر جب انہوں نے اپنا پاکیزہ کھانا پینا اور آرام کی خوبصورت جگہ دیکھی تو کہنے لگیں کاش ہمارے بھائیوں کو بھی معلوم ہوجاتا کہ اللہ نے ہمارے لئے کیا نعمتیں فراہم کر رکھی ہیں تاکہ انہیں بھی جہاد کی رغبت ہو۔ اور لڑائی سے پیچھے نہ ہٹیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا میں خبر کئے دیتا ہوں چنانچہ اس نے اپنے رسولؐ پر یہ آیت اتاری کہ تم انہیں جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور انہیں ان کے رب کے پاس روزی پہنچائی جاتی ہے (احمد) یہ روایت روحوں کے کھانے پینے' حرکت و انتقال اور بات چیت کرنے کے بارے میں صاف ہے۔

یہ امر ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ مسلمانوں میں مسئلہ روح اہل تصوف کی جانب سے بھی آیا جو روحانی ترقی پر زیادہ زور دیتے تھے۔ عام مسلمان کے عقائد تو صرف اتنے سے ہیں کہ خدا نے روز ازل مٹی کے پتلے میں روح پھونکی' انسان کو دنیا میں بھیجا' موت کے بعد روح آسمان پر چلی جاتی ہے' قیامت کے دن روحوں کو حاضر کر کے اعمال کا حساب ہوگا' نیک جنت اور بد دوزخ میں جائینگے۔

عیسائیت کی "روح القدس"

عیسائیت غالباً واحد ایسا وسیع مذہب ہے جس میں روح کا تصور ہی سب سے بڑی بنیاد ہے۔ عیسائی یقین رکھتے ہیں کہ انسان ذات باری تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ انسانی فہم و ادراک سے ماورا ہے۔ ہم خدا کے بارے میں صرف اتنا ہی جان سکتے ہیں جتنا وہ اپنے آپ کو ظاہر کرے۔ خدا واحد ہے اور اس وحدت میں کثرت ہے' اور یہ کثرت تثلیثی ہے جو باپ اور بیٹے اور روح القدس پر مشتمل ہے: "میں وہی ہوں' میں ہی اول اور میں ہی آخر ہوں ...... اور اب خداوند خدا نے اور اس کی روح نے مجھ (بیٹا) کو بھیجا۔" (۔سعیاہ) تثلیث فی التوحید کی مثال پانی سے دی جاتی ہے یعنی یہ مائع' ٹھوس (برف) اور بھاپ کی شکل میں ہوتا ہے' لیکن ہے تو بہرحال پانی۔ لہٰذا باپ اور بیٹا ایک ہی ہوئے اور ان دونوں کا باہمی وسیلہ روح القدس ہے۔ روح القدس کا تصور اپنے اندر کافی پیچیدگی رکھتا ہے' لیکن اس پر بات کرنے سے پہلے عیسائیت میں روح القدس اور جسم اور جان کے تعلق پر غور کرتے ہیں۔

عیسائی عقیدے کے مطابق انسان سہ جزی ہستی ہے' یعنی انسان تین اجزاء بدن' جان اور روح پر مشتمل ہے۔ "خدا جو اطمینان کا چشمہ ہے آپ ہی تم کو بالکل پاک کرے اور تمہاری روح اور جان اور بدن ہمارے خداوند یسوع مسیح کے آنے تک پورے پورے اور بے عیب محفوظ رہیں۔" تھسلینکیوں کی یہ آیت صاف صاف بتاتی ہے کہ انسان کے تین حصے ہیں جو امتیازی ہیں' ان کا امتیاز بہت خفیف ہو سکتا ہے لیکن ان میں فرق ضرور ہے۔ خدا نے انسان کو زمین کی مٹی سے بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو وہ جیتی جان ہوا۔

1- انسان کا جسم

یہ انسان کا طبعی حصہ ہے اور ہم اس سے بخوبی واقف ہیں۔ زبور 14:139 "میں تیرا شکر کروں

کیونکہ میں عجیب و غریب طور سے بنا ہوں۔" بائبل مقدس بتاتی ہے کہ انسان کا بدن زمین کی مٹی سے ترتیب دیا گیا۔ پیدائش 19:3 میں انسان کی برگشتگی کے بعد خدا اُسے لعنت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ "تُوں اپنے منہ کے پسینے کی روٹی کھائے گا جب تک کہ زمین میں تو پھر لوٹ نہ جائے اس لئے کہ تو اس سے نکالا گیا ہے کیونکہ تو خاک ہے اور خاک میں پھر لوٹ جائے گا۔"

انسان کے بدن میں پانچ حواس ہیں (حواس خمسہ) دیکھنا، سننا، چکھنا، چھونا، سونگھنا۔ ہر قسم کے سرور، درد، احساس یا لیاقت، صلاحیت کا اظہار اس طبعی بدن ہی کے وسیلہ سے ہوتا ہے۔

برگشتگی کے بعد یہ بدن مرنے والا (جس کا انجام موت ہو) بدن بن گیا۔

عبرانیوں 27:9 "آدمیوں کے لئے ایک بار مرنا .... مقرر ہے۔" باغ عدن میں گناہ میں گرنے (برگشتگی) کے بعد انسان کے لئے۔

2- انسان کی روح

روح انسان کو خدا کا شعور بخشتی ہے یعنی خدا کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی صلاحیت عطا کرتی ہے۔

خدا نے انسان کے نتھنوں میں زندگی کا دم (ہوا، سانس) پھونکا۔

کسی نے کہا ہے کہ انسان "مٹی ہے جس میں خدا نے دم پھونکا۔"

روح بدن اور جان کی وساطت سے خارجی اور مادی اشیا کے تاثرات وصول کرتی ہے لیکن اس کا تعلق اعلیٰ سطح سے ہے اور اپنی افضل تر صلاحیتوں اور حواس کے باعث خدا کا براہ راست عرفان حاصل کر سکتی ہے۔ روح انسانی شخصیت میں خدا کا صدر مقام ہے۔

خدا روح ہے۔ یوحنا 24:4 انسانی روح انسان کا وہ حصہ ہے جو خدا سے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔ ایمانداروں کی نجات کی تسلی سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ رومیوں 16:8 "روح خود ہماری روح کے ساتھ مل کر گواہی دیتا ہے کہ ہم خدا کے فرزند ہیں۔"

واعظ 7:12 سکھاتا ہے کہ موت کے وقت بدن مٹی میں واپس جاملتا ہے اور روح خدا کے پاس واپس جاتی ہے "اور خاک خاک سے جا ملے جس طرح آگے ملی ہوئی تھی اور روح خدا کے پاس جس نے اسے دیا تھا واپس جائے۔"

واعظ 21:3 "کون جانتا ہے کہ انسان کی روح اوپر چڑھتی اور حیوان کی روح زمین کی

طرف نیچے کو جاتی ہے؟"

لوقا 20:12 "مگر خدا نے اس سے کہا اے نادان! اسی رات تیری جان تجھ سے طلب کرلی جائے گی۔"

غریب آدمی کی جان ابرہام کی گود میں پہنچی۔ لوقا 22:16 اور امیر آدمی کی جان دوزخ میں ڈالی گئی۔ لوقا 23:16۔

چنانچہ موت کے وقت انسان تین جگہوں کو جاتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سہ جزی ہستی ہے۔

3۔ انسان کی جان

جان اپنے آپ کا شعور رکھتی ہے۔ یہ انسان کی انفرادی اور شخصی زندگی کی نمائندہ ہے۔ بائبل مقدس میں بھوکی جان، تھکی جان یرمیاہ 25:31 پیاسی جان زبور 2:42 آزردہ جان ایوب 25:30 پیار کرنے والی جان غزل الغزلات 7:1 کا ذکر آیا ہے۔

جان انسان کا وہ حصہ معلوم ہوتی ہے جو جسم اور روح کی درمیانی حیثیت رکھتا ہے۔ تو بھی وہ دونوں کی آمیزش نہیں، البتہ ایسا لگتا ہے کہ وہ بعض اوقات روح یا جسم کی کوئی نہ کوئی صفت اختیار کرتا ہے۔ جان مادی اور روحانی عالموں کو جوڑتی ہے۔

جان کا یہ کام ہے کہ جسم اور روح کی سرگرمیوں میں ہم آہنگی پیدا کرے۔

جسم سب سے ادنیٰ اور روح سب سے اعلیٰ درجہ رکھتی ہے۔ جان کا کام جسم کو روح کے تابع رکھنا ہے۔

خدا نے مقرر کیا ہے کہ پاک روح انسانی روح میں بسے اور اس پر حاکم ہو۔ اور انسانی روح انسان کو ہر وقت خدا سے آگاہ رکھے، بدن اور جان پر حکمران ہو اور ہر چیز میں اپنی فوقیت برقرار رکھے۔

مسیح صلیب پر اس لئے موا کہ انسان کی جان کا فدیہ دے۔ عبرانیوں 39:10 "..... بلکہ ایمان رکھنے والے ہیں کہ جان بچائیں۔"

یعقوب 21:1 "..... کلام ..... تمہاری روحوں کو نجات دے سکتا ہے۔"

زبور 8:49 "کیونکہ ان کی جان کا فدیہ گراں بہا ہے۔"

لوقا 23:16 سے پتہ چلتا ہے کہ جان کو سزا ملتی ہے۔

روح القدس کا تصور اپنے اندر بہت سی پیچیدگیاں اور Paradoxes لئے ہوئے ہے۔

CamScanner

بہت سے عیسائی روح القدس پر ایمان رکھنے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اصل میں ان کا ایمان صرف خدا باپ اور خدا بیٹے پر ہی ہوتا ہے اور وہ روح القدس کو محض ایک خادم ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ روح القدس بھی تثلیث کے باقی دو اراکین کے برابر ہے۔ عیسائیت کے مطابق روح القدس ایک زندہ ہستی ہے کیونکہ ہم اس سے مخاطب ہوسکتے ہیں یا اس سے دور رہ سکتے ہیں' اس پر اعتماد یا شک کرسکتے ہیں' اس سے محبت یا نفرت کرسکتے ہیں اور اس کی تعریف یا اس کی بے عزتی کرسکتے ہیں۔

اگر روح القدس زندہ شخص ہے' پاک خدا ہے اور باپ اور بیٹے کے برابر ہے تو اس کی بھی ان ہی کی طرح پرستش ہونی چاہیے۔

کلمات برکت اور بپتسمہ کے کلمات میں روح القدس کا نام باپ اور بیٹے کے نام کے ساتھ آتا ہے۔

اگر روح القدس محض اثر یا قوت ہے تو پھر اس کے لئے غیرذاتی اسماء اور غیر ذاتی اسمائے ضمیر استعمال کرنے چاہئیں۔ روح القدس کو اثر یا قوت سمجھنا غیر مسیحی تصور ہے۔ اگر وہ ایک شخص یا ہستی ہے تو اسے ذاتی اسم یا اسم معرفہ سے مخاطب کرنا چاہیے۔

اگر وہ شخص ہے تو ہماری اس سے ذاتی اور قریبی واقفیت یا پہچان ہونی چاہیے۔

بائبل مقدس میں روح القدس کے لئے اسمائے ذات استعمال ہوئے ہیں۔ اردو کی گرامر کا یہ فرق نمایاں نہیں ہے لیکن جو لوگ انگریزی زبان سے واقف ہیں وہ غیرذاتی اسم it اور اسم ذات he کے فرق کو بخوبی سمجھتے ہیں۔

یوحنا 26:15 لیکن جب وہ مددگار آئے گا ...... تو وہ he میری گواہی دے گا۔"

یوحنا 8:16 "اور وہ he آکر دنیا کو ...... قصور وار ٹھہرائے گا۔" یوحنا 13:16 "لیکن جب وہ he یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔"

یوحنا 14:16 "لیکن جب وہ he میرا جلال ظاہر کرے گا۔ اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کرکے تمہیں خبریں دے گا۔"

یونانی زبان میں "روح" کے لئے عام طور پر بے جنس اسم ضمیر استعمال ہوتے ہیں لیکن نئے عہدنامے میں خلاف معمول مذکر اسمائے ضمیر استعمال ہوئے ہیں۔

CS CamScanner

یوحنا 7:16 '8' 13-15 میں روح القدس کے لئے بارہ دفعہ یونانی مذکر اسم ضمیر ایکینوس (ekeinos) استعمال ہوا ہے۔

روح القدس شخصی خصوصیات کا حامل ہونے کی وجہ سے ایک شخص بھی ہے۔ وہ قوت ارادی، فہم، علم، قدرت، محبت اور رنجیدگی کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ا۔ قوت ارادی: کرنتھیوں 11:12 "لیکن یہ سب تاثیریں وہی ایک روح کرتا ہے اور جس کو جو چاہتا ہے بانٹتا ہے۔"

ب۔ فہم: نحمیاہ 20:9 "اور تو نے اپنی نیک روح بھی ان کی تربیت کے لئے بخشی۔" اثر یا قوت میں علم نہیں ہوتا کہ وہ کسی کی تربیت کر سکے۔

ج۔ علم: 1- کرنتھیوں 2:10-12 "...... انسانوں میں سے کون کسی انسان کی باتیں جانتا ہے سوا انسان کی اپنی روح کے جو اس میں ہے؟ اس طرح خدا کے روح کے سوا کوئی خدا کی باتیں نہیں جانتا۔" روح القدس کے پاس علم ہے۔ اور وہ باتوں کو جانتا ہے۔

د۔ قدرت: اعمال 8:1 "جب روح القدس تم پر نازل ہوگا تو تم قوت پاؤ گے۔" روح القدس نے بڑی قدرت سے پطرس کو تبدیل کردیا۔

ہ۔ محبت کی صلاحیت: رومیوں 30:15 "...... روح کی محبت کو یاد دلا کر......"

و۔ رنجیدہ ہونے کی صلاحیت: افسیوں 30:4 "خدا کے پاک روح کو رنجیدہ نہ کرو۔"

چونکہ روح القدس سوچتا ہے، محسوس کرتا ہے، ارادہ کرتا ہے، علم رکھتا ہے، خواہش کرتا ہے، محبت کرتا ہے اور رنجیدہ ہوتا ہے، اس لئے وہ ایک شخص ہے۔ روح القدس وہ کام کرتا ہے جو صرف کوئی شخص ہی کر سکتا ہے۔ وہ خدا کی تہہ کی باتیں دریافت کر لیتا ہے، وہ کلام کرتا ہے، پکارتا ہے، شفاعت کرتا، گواہی دیتا، تعلیم دیتا، رہنمائی اور ہدایت کرتا، حکم دیتا، انسانوں کو بلاتا اور خدمتیں سپرد کرتا اور اپنا مشن پورا کرتا ہے۔

روح القدس کو خاص رتبہ دیا گیا ہے۔ وہ مخصوص مددگار ہے۔ یوحنا 16:14 "...... وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا۔" یہاں یونانی لفظ پاراکلیتوس (Parakletos) عربی "فارقلیط" استعمال ہوا جس کے معنی ہیں "ساتھ ساتھ رہنے والا۔" وہ ایک شخصی اور ذاتی ساتھی ہے۔ چونکہ وہ ایک شخص ہے، اس لئے وہ ہمارا بہترین دوست بن جاتا ہے تاکہ ہماری راہنمائی کرے اور ہمیں مدد دے۔

روح القدس جذبات بھی رکھتا ہے۔ اس کی بے عزتی ہو سکتی ہے اس سے جھوٹ بولا

جاسکتا ہے۔

یہاں عیسائی عقیدہ ایک تناقض سے دوچار ہوتا ہے جب وہ روح القدس کو شخص تو مانتا ہے لیکن انسانی شخص نہیں۔ وہ ہماری طرح انسانی جسم نہیں رکھتا۔ وہ الٰہی شخص ہے۔ عیسائی پیروکار روح القدس کی الوہیت پر اس لئے ایمان رکھتے ہیں کیونکہ وہ الٰہی صفات کا حامل ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(ا) وہ ازلی ہے: عبرانیوں 14:9 "تو مسیح کا خون جس نے اپنے آپ کو ازلی روح کے وسیلے سے خدا کے سامنے بے عیب قربان کردیا ......"

(ب) وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے: زبور 139:7-10 "میں تیری روح سے بچ کر کہاں جاؤں ..... اگر آسمان پر چڑھ جاؤں تو تو وہاں ہے۔ اگر میں پاتال میں بستر بچھاؤں تو دیکھ! تو وہاں بھی ہے۔"

(ت) وہ قادر مطلق ہے: لوقا 35:1 "مسیح روح القدس کی قدرت سے ماں کے پیٹ میں پڑا۔"

پیدائش 2:1 "خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی۔"

(ج) وہ علیم اور ہمہ دان ہے: 1- کرنتھیوں 10:2-11 "روح سب باتیں بلکہ خدا کی تہ کی باتیں بھی دریافت کرلیتا ہے۔"

یوحنا 26:14 "..... لیکن مددگار ..... تمہیں سب باتیں سکھائے گا۔"

یوحنا 13,12:16 "..... جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔"

(د) وہ پاک ہے: لوقا 13:11 "..... روح القدس ......" القدس اسم نہیں بلکہ اسم صفت ہے جو اس کے کردار کو بیان کرتا ہے۔

(ہ) وہ سچائی ہے: 1- یوحنا 7:5 "اور جو گواہی دیتا ہے وہ روح ہے کیونکہ روح سچائی ہے۔"

(ط) وہ نیک اور فیض رساں ہے۔ نحمیاہ 20:9 "اور تو نے اپنی نیک روح بھی ان کی تربیت کے لئے بخشی۔"

(ع) وہ رفاقت و شراکت رکھتا ہے۔ 2- کرنتھیوں 14:13 "......

اور روح القدس کی شراکت ...."

روح القدس وہ کام کرتا ہے جو صرف خدا کر سکتا ہے

(ا) وہ تخلیق کرتا ہے۔ ایوب 4:33 "خدا کی روح نے مجھے بنایا ہے۔"

زبور 30:104 "تو اپنی روح بھیجتا ہے اور یہ پیدا ہوتے ہیں۔"

(ب) وہ نجات دیتا ہے۔ 1- کرنتھیوں 11:6 "...... مگر تم خداوند یسوع مسیح کے نام سے اور ہمارے خدا کے روح سے دھل گئے اور پاک ہوئے اور راستباز بھی ٹھہرے۔"

افسیوں 13:1 میں اسے "روح کی مہر" بھی کہا گیا ہے۔

(ت) وہ زندگی بخشتا ہے۔ یوحنا 63:6 "زندہ کرنے والی تو روح ہے۔ جسم سے کچھ فائدہ نہیں۔ جو باتیں میں نے تم سے کہی ہیں وہ روح ہیں اور زندگی بھی ہیں۔"

(4) وہ نئی پیدائش کا سرچشمہ ہے۔ یوحنا 6,5:3 "...... جب تک کوئی آدمی پانی اور روح سے پیدا نہ ہو .... جو روح سے پیدا ہوا ہے روح ہے۔"

(ج) نبوت کی تحریک بخشتا ہے۔ 2- پطرس 21:1 "نبوت کی کوئی بات آدمی کی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی بلکہ آدمی روح القدس کی تحریک کے سبب سے خدا کی طرف سے بولتے تھے۔"

(ہ) وہ لوگوں کو عدالت اور راستبازی کے بارے میں قصوروار ٹھہراتا ہے۔ یوحنا 8:16-11۔

روح القدس باپ اور بیٹے سے امتیاز رکھتا ہے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ روح القدس "باپ کی روح" یا "بیٹے کی روح" ہے اور الگ اور امتیازی اقنوم نہیں۔

لوقا 22,21:3 یسوع کے بپتسمہ کے موقع پر تینوں اقنوم نمایاں اور امتیازی حیثیت میں نظر آتے ہیں:

ا۔ خدا باپ نے فرمایا' "تو میرا پیارا بیٹا ہے۔ تجھ سے میں خوش ہوں۔"

ب۔ خدا بیٹا نے یردن میں یوحنا بپتسمہ دینے والے کے ہاتھوں بپتسمہ لیا۔

ج۔ خدا پاک روح جسمانی طور پر کبوتر کی شکل میں نازل ہوا۔

متی 19:28 بپتسمہ کے کلمات میں تینوں اقانیم میں امتیاز بالکل واضح ہے۔

یوحنا 16:14 بیٹا درخواست کرتا ہے' باپ عطا کرتا ہے اور روح القدس سکونت کرنے کو آتا ہے۔

CamScanner

اعمال 33:2 بیٹا باپ کے دہنے سرفراز ہے' باپ تخت پر جلوہ افروز ہے اور بیٹا روح القدس حاصل کر کے کلیسیا کو عنایت کرتا ہے۔

باپ' بیٹا اور روح القدس تین الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے باہمی تعلق رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو تسلیم کرتے ہیں۔ (توری)

روح القدس باپ اور بیٹے کے تابع ہے

یوحنا 26:16 باپ روح القدس کو دنیا میں بھیجتا ہے۔ اور وہ حکم مانتا ہے۔

یوحنا 26:15 بیٹا روح القدس کو ایمانداروں اور کلیسیا کے پاس بھیجتا ہے

اعمال 7:16 روح القدس کو "یسوع کا روح" کہا گیا ہے۔

رومیوں 9:8 روح القدس کو "خدا کا روح" کہا گیا ہے۔

روح القدس خود کچھ نہیں کہتا بلکہ جو کچھ سنتا ہے' اسی کو دہراتا ہے۔

یوحنا 13:16 "___ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا" یہ حقیقی فروتنی اور انکساری ہے۔

روح القدس مسیح کو جلال دیتا ہے۔ یوحنا 14:16 "وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔ اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا۔"

جب تینوں اقانیم کا نام ایک فقرے میں اکٹھا ہو تو روح القدس کا نام باقی دونوں کے بعد آتا ہے۔ متی 19:28 "باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے ___" 2- کرنتھیوں 14:13 بیٹا' باپ اور روح القدس۔

عہدنامہ قدیم اور جدید میں روح القدس کے مختلف نام ملتے ہیں: روح القدس' روح' خداوند کی روح' خداوند خدا (یہوواہ) کی روح' زندہ خدا کی روح' مسیح کا روح' روح سوزاں' پاکیزگی کی روح' پاک موعودہ روح' روح حق' زندگی کا روح' حکمت کا روح' قدرت کی روح' فضل کا روح' ازلی روح' مددگار' خوشی کا تیل وغیرہ اس کے علاوہ روح القدس کی آٹھ مندرجہ ذیل علامات بھی ہیں:

ا۔ پانی: یوحنا 5:3 39, 38:7 پانی سے ہم روح کے بارے میں پانچ باتیں سیکھتے ہیں۔

(1) پانی زرخیز کرتا ہے۔ روح سے معمور مسیحی پانی کے کنارے لگے ہوئے درختوں کی مانند ہوتے ہیں۔ زبور 3:1

(2) پانی تازگی بخشتا ہے۔ یوحنا 14:4' زبور 4:46' یسعیاہ 18,17:41-

(3) پانی مفت مہیا کیا جاتا ہے۔ یسعیاہ 1:55' یوحنا 14:4' مکاشفہ 17:22-(4) پانی صفائی کرتا ہے۔ افسیوں 26:5 کلیسیا روح اور کلام سے دھوئی گئی اور پاک کی گئی ہے۔

(5) پانی کثرت سے ملتا ہے۔ یوحنا 38,37:7 نہ صرف پانی بلکہ پانی کی ندیاں' رواں ہوتی ہیں۔

ب۔ آگ: متی 11:3 "وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا"

(1) آگ روشن کرتی ہے۔ یوحنا 35:5 یوحنا بپتسمہ دینے والا روح سے معمور اور چمکتا ہوا چراغ تھا۔

(2) آگ جلاتی ہے۔ یوحنا 35:5 روح سوزاں (یسعیاہ 4:4) یوحنا بپتسمہ دینے والے کے اندر جلتی تھی۔

(3) آگ پاک کرتی ہے۔ ملاکی 3,2:3 روح القدس سنار کی آگ کی طرح پاک کرتا ہے۔

(4) آگ دریافت کر لیتی ہے۔ آگ کی طرح روح القدس بھی ایک جگہ ساکت نہیں رہ سکتا۔ 1۔ کرنتھیوں 10:2-

ج۔ ہوا: یوحنا 8:3-

(1) ہوا طاقتور ہوتی ہے۔ 1۔ سلاطین 11:19 اعمال 2:2- اس کی طاقت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

(2) ہوا زندہ کرتی ہے۔ حزقی ایل 14,10,9:37- روح (ہوا) مردہ ہڈیوں کو زندہ کرتی ہے۔

(3) ہوا خودمختار ہے۔ یوحنا 8:3' 1۔ کرنتھیوں 11:12- روح القدس خودمختار (شاہی مرضی والا) ہے۔

(4) ہوا نادیدنی اور مؤثر ہوتی ہے۔ یوحنا 8:3 ہم یقیناً" روح کے کام دیکھتے ہیں۔

د۔ تیل: زبور 7:45 "...... شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے

ہمسروں سے زیادہ مسح کیا۔"

(1) تیل مخصوص کرتا ہے۔ پرانے عہدنامہ میں تیل سے مخصومیت کی جاتی تھی۔ خروج 7:29 بحوالہ لوقا 18:4۔

(2) تیل تسلی دیتا ہے۔ یسعیاہ 3:61 "۔۔۔۔ ماتم کی جگہ خوشی کا روغن ۔۔۔۔" بحوالہ عبرانیوں 9:1۔

(3) تیل روشن کرتا ہے۔ متی باب 25۔ بیوقوف کنواریاں تیل کے چراغ روشن نہ کرسکیں۔

(4) تیل شفا دیتا ہے۔ لوقا 34:10 نیک سامری نے تیل استعمال کیا جو روح کی تصویر ہے۔ (یعقوب 14:5)۔

ہ۔ بارش اور اوس: زبور 6:72 "وہ کٹی ہوئی گھاس پر مینہ کی مانند اور ۔۔۔۔ بارش کی طرح نازل ہوگا۔"

(1) پودے کے بڑھنے کی طرح بارش کا برسنا بھی ناقابل سمجھ ہے۔ یعنی بتدریج بڑھتی جاتی ہے اور محسوس بھی نہیں ہوتا۔ مرقس 26:4-29۔

(2) بارش تازگی بخشتی ہے۔ زبور 9:68 ۔یسعیاہ 4:18 بیداری کے تازگی بخش چھینٹے۔

(3) بارش افراط سے ہوتی ہے۔ زبور 3:133 کون بارش یا اوس کو ناپ سکتا ہے؟ یا روح کو؟

(4) بارش زرخیز کرتی ہے۔ حزقی ایل 26:34'27۔ برکت کی بارش سے بیج اگتے اور بڑھتے ہیں۔

و۔ کبوتر: متی 16:3 یسوع کے بپتسمہ کے موقع پر روح کبوتر کی شکل میں نازل ہوا۔ کبوتر نرم مزاج ہوتا ہے۔ متی 16:10 ۔۔۔۔ کبوتروں کی مانند بھولے ۔۔۔۔" روح کا پھل ۔۔۔۔ حلم" کلتیوں 22:5۔

ز۔ آواز: یسعیاہ 8:6 "۔۔۔۔ خداوند کی آواز سنی ۔۔۔۔"

(1) آواز راہنمائی کرتی ہے۔ ۔یسعیاہ 21:30۔ روح کی آواز سچائی کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ یوحنا 13:16۔

CamScanner

(2) آواز بولتی ہے۔ متی 20:10 "..... تمہارے باپ کا روح ہے جو تم میں بولتا ہے۔"

(3) آواز خبردار کرتی ہے۔ عبرانیوں 7:3-11؛ یوحنا 7:16-11۔ گناہ، راست بازی اور عدالت کے بارے میں خبرداری۔

ح۔ مہر۔ مکاشفہ 2:7؛ افسیوں 30:4 "..... جس سے تم پر مخلصی کے دن کے لئے مہر ہوئی ہے۔

(ا) مہر تصدیق کرتی ہے۔ یوحنا 27:6؛ 2۔ کرنتھیوں 22:1 ہمیں روح سے داغا گیا ہے۔ ہم پر نشان لگایا گیا ہے۔

(2) مہر یقینی بناتی ہے۔ افسیوں 13:1'14 یہ بیعانہ ہے جس سے سودا پکا ہوجاتا ہے۔

اس دنیا میں روح القدس کے کچھ مخصوص کام ہیں۔ وہ بہت سرگرم عمل رہا ہے۔ پرانے عہدنامہ میں روح القدس خاص مقاصد کے تحت آتا اور پھر چلا جاتا تھا۔ پنتکست کے موقع پر وہ ایمانداروں کے اندر سکونت کرنے اور یسوع مسیح کی زندہ کلیسیا میں رہنے کے لئے آگیا۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر ابد تک اس کے مختلف کام ہیں، جنہیں بائبل مقدس کے حوالہ سے مختصراً یوں پیش کیا جاسکتا ہے۔

1- تخلیق کے تعلق سے

روح القدس تخلیق کے کام میں سرگرم عمل تھا۔ پیدائش 2:1 "خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی۔" ایوب 13:26'14؛ زبور 30:104؛ ایوب 4:33 بھی ملاحظہ کریں۔

زبور 6:33 "آسمان خداوند کے کلام سے اور اس کا سارا لشکر اس کے منہ کے دم سے بنا" (منہ کے دم سے مراد روح القدس ہے)۔

2- کائنات کے قیام کے لحاظ سے

یسعیاہ 7:40 "گھاس مرجھاتی ہے۔ پھول کملاتا ہے کیونکہ خداوند کی ہوا اس پر چلتی ہے۔" روح تخلیق کرتا ہے اور قائم رکھتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے ہلاک کردیتا ہے۔

زبور 30:104 "تو اپنی روح بھیجتا ہے اور یہ پیدا ہوتے ہیں اور تو

روئے زمین کو نیا بنا دیتا ہے۔"

3- بے ایمان کے لحاظ سے

یوحنا 11-8:16 "وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔"

دنیا کو گناہ کے بارے میں اس لئے قصوروار ٹھہرائے گا کیونکہ وہ یسوع مسیح پر ایمان نہیں لاتے۔

اور راست بازی کے بارے میں اس لئے کہ یسوع مسیح کامل طور پر راستبازی ہے' اور عدالت کے بارے میں اس لئے کہ یسوع مسیح کی عدالت (کلوری پر) ہو چکی ہے۔

روح القدس کا کام ہے کہ وہ مسیح اور کلوری کی ہر وقت گواہی دیتا رہے۔

روح القدس یہ کام بڑی حد تک ایمانداروں کے ذریعہ کرتا رہتا ہے کیونکہ وہ خدا کے کلام کے وسیلہ سے انسانوں کے دلوں پر اثر کرتا رہتا ہے۔

4- پاک کلام کے لحاظ سے

روح القدس پاک صحائف کا مصنف ہے۔ 2- پطرس 21:20:1 > ...... آدمی روح القدس کی تحریک کے سبب سے خدا کی طرف سے بولتے تھے۔"

روح القدس ہمارے لئے کلام کی تشریح و تفسیر بھی کرتا ہے۔ یوحنا 14:16-

یوحنا 26:14 "...... وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔"

ہاں ! روح القدس میری اپنی زندگی میں بے حد وفادار رہا ہے۔ ضرورت کے وقت اور خاص کر مشکل سوالات کے جواب دیتے وقت وہ مجھے آیات یاد دلاتا ہے۔

5- یسوع مسیح کے لحاظ سے

ا۔ یسوع مسیح روح القدس کے وسیلہ سے پیٹ میں پڑا۔ لفظی معنوں میں روح سے پیدا ہوا۔ لوقا 35:1۔

ب۔ بپتسمہ کے بعد روح القدس اسے بیابان میں لے گیا تاکہ آزمایا جائے۔ متی 1:4-

ج۔ یسوع خدمت کے لئے روح القدس سے مسح کیا گیا۔ اعمال 38:10-

د۔ یسوع روح کی قدرت میں مصلوب ہوا۔ عبرانیوں 14:9-

ہ۔ یسوع روح کی قدرت سے قبر میں سے جی اٹھا۔ رومیوں 11:8'4:1-

و۔ یسوع روح القدس کے وسیلہ سے شاگردوں اور کلیسیا کی ہدایت و راہنمائی کرتا ہے۔ اعمال 2:1-

ز۔ یسوع نے ایمانداروں کو روح القدس بخشتا ہے۔ اعمال 33:2-

6- ایماندار کے لحاظ سے

(ا) ایماندار کو فرزندیت کا یقین دلاتا اور اسے بیٹے جیسا بناتا ہے۔

(ب) ایماندار کو اپنے سے معمور کرتا اور اسے فتح مند زندگی عطا کرتا ہے۔ اعمال 4:1-8' افسیوں 18:5-

(پ) ایماندار کو پاک کرتا' اور پاکیزگی کے لئے مخصوص کرتا ہے۔ 2-تھسلنیکیوں 13:2' 1-پطرس 2:1-

(ت) ہمیشہ ایماندار کے ساتھ سکونت کرتا ہے۔ یوحنا 16:14-

(ہ) وہ ہمیں منجی کی گواہی دیتا ہے اور مسلسل مسیح کو ظاہر کرتا رہتا ہے۔ یوحنا 26:15-

(د) وہ ہمیں طاقت بخشتا ہے کہ خدا کی فرمانبرداری کریں اور کمزوری میں ہمیں قوت دیتا ہے۔ حزقی ایل 27:36-

(ذ) وہ ایماندار کو ہر قیمت پر سچائی کی تابعداری اور فرمانبرداری کرنے کی قوت عطا کرتا ہے۔ 1-پطرس 22:1-

(ط) وہ ایماندار کو موت اور گناہ کی شریعت سے آزادی بخشتا ہے۔ رومیوں 2:8-

(ظ) کمزور ایماندار میں راستبازی کی شریعت کو پورا کرتا ہے۔ رومیوں 4'3:8-

ایماندار کے لحاظ سے روح القدس کے افعال کی 40 نکاتی فہرست ایچ ایس ملر نے "مسیحی خادموں کا ہدایت نامہ" میں مرتکب کی تھی۔ اس فہرست کو مکمل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ روح ہر وقت بر سر عمل رہتا ہے۔

روح القدس کے خلاف گناہ کرنا ممکن ہے۔ ایماندار لوگ سات گناہوں کے مرتکب ہوسکتے ہیں۔ باقی گناہ بے ایمان کرتے ہیں۔

1- کفر بکنا

روح القدس کے خلاف کفر بکنا ایسا گناہ ہے جس کی معافی نہیں۔

> متی 33:31:12 "اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر تو معاف کیا جائے گا مگر جو کفر روح کے حق میں ہو وہ معاف نہ کیا جائے گا۔"

اسے ناقابل معافی گناہ کہا جاتا ہے' یہ سب سے زیادہ ہولناک گناہ ہے جو اس زمین پر ممکن ہے۔

روح القدس کے کام کو شیطان کا کام قرار دینا روح القدس کے خلاف کفر ہے۔

> مرقس 3:22-30 میں یسوع نے روح القدس کی قدرت سے بدروحیں نکالیں۔ لیکن فقیہ کہنے لگے کہ یسوع شیطان کی قدرت سے معجزے کرتا ہے۔ یہ کفر ہے۔

فنے (Finney) کی بات پر غور کریں "اگر ہم کوئی ایسی بات کہتے یا چھاپتے ہیں جس سے خدا کے کام کی قدر و قیمت میں کمی واقع ہوتی ہے تو روح رنجیدہ ہوتا ہے۔ جب خدا کے کسی مبارک کام کا ذکر ہلکے انداز میں کیا جاتا ہے اور اس کے نام کے لائق اسے جلال نہیں دیا جاتا تو روح رنجیدہ ہوتا ہے۔ اگر کسی مقام پر بیداری کا ذکر ہوتا ہے تو صرف سیدھے صاف اور نمایاں حقائق کا بیان کریں اور اس کی وہی قدر و قیمت ظاہر کریں جو حقیقت پر مبنی ہو۔"

2- انسان کے غرور کے باعث روح القدس کی تحقیر

> عبرانیوں 29:10 "خیال کرو کہ وہ شخص کس قدر زیادہ سزا کے لائق ٹھہرے گا جس نے خدا کے بیٹے کو پامال کیا اور عہد کے خون کو

جس سے وہ پاک ہوا تھا ناپاک جانا اور فضل کے روح کو بے عزت کیا۔"

روح القدس مسیح کے کفارہ کے کام کو گنہگار کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اگر گنہگار اسے ماننے یا قبول کرنے سے انکار کرتا ہے تو روح القدس کی بے عزتی کرتا ہے۔

رد کرنے میں گنہگار روح القدس سے کہتا ہے کہ مسیح کا سارا کام محض فریب یا جھوٹ ہے۔ اور خدا کے سامنے نجات کا ایک اور ہی منصوبہ پیش کرتا ہے۔ (یعنی اعمال سے نجات)

ایسا شخص مسیح کی موت کو ایک عام سی موت اور ایک معمولی انسان کی موت قرار دیتا ہے۔

مسیح کی الوہیت کا انکار اور اس کے قیمتی خون کا انکار کرنا روح القدس کی گواہی کی تحقیر کرتا ہے۔ 1- یوحنا 8:5-

3- انسان کی نافرمانی سے روح غمگین ہوتا ہے

یسعیاہ 10:63 "...... انہوں نے اس کی روح قدس کو غمگین کیا۔"

یہ حصہ بنی اسرائیل کی سردمہری اور پیچھے ہٹ جانے سے علاقہ رکھتا ہے۔ لیکن خدا کے اصول کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ آج بھی انسان اسی طرح سرکش، باغی اور پاک روح کے نافرمان ہیں۔

جن لوگوں کا خدا نے فدیہ دیا، جن کو چھڑایا، وہی اپنے باطن میں بسنے والے روح القدس سے باغی ہوں اور اسے غمگین کریں تو کیسی ہولناک بات ہے۔

اگر دیانتداری سے کام لیں تو مانیں گے کہ روحانی طور سے رکاوٹ ہماری ہی طرف سے ہوتی ہے۔

بعض اوقات روح ہمارے باطن کی گندگی اور بدصورتی کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن ہم بجائے شکرگزار ہونے کے سرکش اور باغی ہوجاتے ہیں اور ضروری اقرار کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

روح کو غمگین کرنے کی جڑ ہماری بغاوت ہے اور یہ بڑبڑانے اور شکایت اور گلے کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

وہ ہمیں زندگی میں مسیح کے بدن (کلیسیا) میں ایک خاص مقام عنایت کرتا ہے۔ اس مقام کو قبول نہ کرنے اور متواتر گلہ شکوہ کرتے رہنے سے روح القدس بجاطور پر غمگین ہوتا

ہے۔

وہ بار بار خبردار کرتا ہے' بے حساب برکات دیتا ہے اور روشنی اور علم عطا کرتا ہے۔ اس کے باوجود اگر ہم برائی میں لگے رہیں اور اسے نظرانداز کرتے رہیں تو روح القدس یقیناً غمگین اور بیزار ہوتا ہے۔

4- انسان اپنی بے اعتقادی کے باعث اس کی مخالفت کرتا ہے۔

اعمال 51:7 "...... تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو۔ جیسے تمہارے باپ دادا کرتے تھے ویسے ہی تم بھی کرتے ہو۔"

"جب ہم خدا کے کلام پر شک کرتے ہیں تو روح القدس کی مخالفت کرتے ہیں۔"

عبرانیوں 19:3 "...... وہ بے ایمانی کے سبب سے داخل نہ ہو سکے۔"

بے اعتقادی کے باعث انسان مخالفت کرتا ہے۔

اکثر روح القدس دل اور ضمیر کو درست اور نیک کام کرنے کے لئے زندہ کرتا ہے۔ لیکن ہم جان بوجھ کر اس کی التماس اور اس کی راہنمائی کو ٹھکرا دیتے ہیں تو بے اعتقادی کا مظاہر کرتے ہیں۔

بعض اوقات روح ہمیں جھنجھوڑتا ہے کہ کسی شخص سے بات کریں یا کسی گناہ کو ترک کریں' مبشر بن جائیں' دوسروں سے الگ ہو کر زندگی گزاریں' غریبوں کی امداد کریں' لیکن فرمانبرداری کی بجائے ہم اس کی ہدایت کی مخالفت کرتے ہیں۔

خدا کا کلام یوں خبردار کرتا ہے: پیدائش 3:6 "میری روح انسان کے ساتھ ہمیشہ مزاحمت نہ کرتی رہے گی" اگر ہم مخالفت ہی کرتے رہیں گے تو خدا ہمیں ناپسندیدہ عقل کے حوالہ کردے گا۔ رومیوں 28:1-

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے دل پر روح کا مکمل قبضہ اور اختیار ہو تو ہمیں اس کی مخالفت ترک کرنی ہوگی او. جس برائی نے ہمیں اتنا عرصہ ناپاک کئے رکھا اسے چھوڑنا ہوگا۔ اور یہ ہے برائی روح کی مخالفت۔

5- انسان اپنی بدنیتی کے باعث روح کو آزماتا ہے

اعمال 9-1:5 "تم نے کیوں خداوند کے روح کو آزمانے کے لئے ایکا کیا؟"

اگرچہ حننیاہ اور سفیرہ نے اپنے بھائیوں کو دھوکہ دینے کے لئے ایکا کیا تھا لیکن دراصل

انہوں نے روح کو آزمایا اور اس سے جھوٹ بولا تھا۔

جب کوئی شخص بھائیوں کے سامنے تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں پورے دل و جان سے خدا کے ساتھ چل رہا ہوں مگر کسی پوشیدہ گناہ میں گرفتار رہتا ہے اور خدا کے حضور بھی اقرار نہیں کرتا تو وہ روح کو آزمانے کے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

ایسے اقرار سے خبردار رہیں جو خدا کی نسبت انسانوں کے سامنے زیادہ پاکیزہ نظر آتا ہے۔

زبور 10:51 "اے خدا! میرے اندر پاک دل پیدا کر۔" کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم منہ سے اقرار کریں کہ "میں اپنا سب کچھ خدا کو دیتا ہوں" جبکہ دل میں جانتے ہیں کہ ہم ریاکاری کر رہے ہیں؟

2- سلاطین 5:26-27- جیحازی نے جھوٹ بولا اور سزا پاکر کوڑھی ہوگیا۔ روح سے بھی جھوٹ نہ بولو۔

ہر قسم کی ریاکاری، دھوکہ بازی، مبالغہ آمیزی اور نقصان پہنچانے کے لئے ایک ایک تاثر اور انسانوں سے ہر جھوٹ روح القدس سے جھوٹ ہے۔ (آسولڈ جے سمتھ)

6- انسانی تعصبات روح کو بجھا دیتے ہیں

1- تھسلنیکیوں 5:19-20 "روح کو نہ بجھاؤ" یہ بے حد سنجیدہ حکم ہے۔ یہاں آگ بجھانے کا تصور ہے جب اسے ہوا نہیں ملتی جیسے یسعیاہ 4:4 میں "روح سوزاں"۔

متی 20:12 "یہ کچلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور دھواں اٹھتے ہوئے سن کو نہ بجھائے گا۔"

افسیوں 16:16 "..... اس شریر کے سب جلتے ہوئے تیروں کو بجھا سکو....." بجھانا کا مطلب ہے دبا دینا۔ خاموش کر دینا۔

روح القدس کی التماس کو نہ بجھاؤ، نہ دباؤ، خاموش نہ کرو۔

جب وہ کلام کے وسیلہ سے یا ہمارے ضمیر کے وسیلہ سے ہمارے ساتھ ہمکلام ہو تو ہمیں اس کی بات بھی ماننی چاہیے۔ بلکہ ہر قیمت پر ماننی چاہیے۔

اگر ہم اپنی زندگیوں میں آگ کو بجھ جانے دیں تو صرف راکھ باقی رہ جائے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض نکات میں ہم روح کو بجھا دیں اور باقی نکات میں اس کی فرمانبرداری کریں۔

جب کوئی شخص تبدیل ہوتا ہے تو شروع میں اگر وہ کوئی غلطی کرتا ہے تو روح القدس بلند آواز سے اعتراض کرتا ہے لیکن اگر اس کی آواز کو نظرانداز کیا جائے تو اس کا اثر رفتہ رفتہ کم ہوتا جاتا ہے' حتیٰ کہ آواز خاموش ہوجاتی ہے۔

اگر تنبیہ پر کان نہ دھریں تو دل سخت ہوجاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روح بجھ جاتا ہے۔

جب کوئی ایماندار گواہی دیتا ہے اور اس میں پاک روح کا اظہار ہوتا ہے تو ہم اس پر نکتہ چینی کرنے میں بہت محتاط اور خبردار رہیں۔ کسی مبشر کے وعظ کے سلسلہ میں بھی ہمارا رویہ ایسا ہی ہونا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ روح بجھ جائے۔

7- آدمیوں کے بیہودہ عملوں کے باعث رنجیدگی

افسیوں 30:4 "خدا کے پاک روح کو رنجیدہ نہ کرو جس سے تم پر مخلصی کے دن کے لئے مہر ہوئی۔"

والدین اپنے بچوں پر بڑا اعتماد کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ چوری چکاری کرتے ہیں تو انہیں بڑا رنج ہوتا ہے۔

پاک روح کو ہم پر اعتماد ہے کہ ہم گناہ کا مقابلہ اور خداوند کی فرمانبرداری کریں گے' لیکن اگر ہم ناکام رہتے ہیں تو اسے بڑا افسوس ہوتا ہے۔ ہمارے انکار یا ناکامی سے پاک روح کا ہم پر اعتماد کھوکھلا ہوجاتا ہے' اسے مایوسی ہوتی ہے۔

پاک روح کو ایک حساس کبوتر کی شکل میں دکھایا گیا۔

پاک روح اکثر مقدسوں کی ہلکی اور بے فائدہ گفتگو سے رنجیدہ ہوتا ہے۔ اگلی آیت (افسیوں 31:4) اس پر یہ کہہ کر زور دیتی ہے کہ "ہر طرح کی تلخ مزاجی اور قہر اور غصہ اور شوروغل اور بدگوئی ہر قسم کی بدخواہی سمیت تم سے دور کی جائیں۔"

بری باتیں تو رہیں ایک طرف' پاک روح بے فائدہ گفتگو تک میں حصہ نہیں لے سکتا۔ آیئے ہم اپنے ہونٹوں کے دروازے پر پہرہ بٹھائیں۔ ہم گناہ سے کھیلنے اور اسے رنجیدہ کرنے کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ روح سے معمور اشخاص خوش باش لیکن سنجیدہ ہوتے ہیں۔

اگر ہم مخالفت کرتے ہیں تو پاک روح کے نئے سرے سے پیدا کرنے کے کام میں رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں۔ اگر اسے رنجیدہ کرتے ہیں تو اپنے اندر اس کے سکونت کرنے میں مداخلت کرتے ہیں۔ اور اگر اسے بجھاتے ہیں تو اس کا تعلق خدمت کے کام کے لئے

قوت بخشنے سے ہے۔

مسیحیت میں روح کا تصور عقیدے کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی میں بھی پوری طرح کارفرما ہے۔ ہر قسم کی بدی اور خودغرضی سے پاک ہو جانے کے بعد ہی ضروری ہے کہ مسیحی کی زندگی روح سے معمور ہو۔ نجات پاتے وقت ایماندار مسیح کامل ہو جاتا ہے لیکن روحانی میراث کی وسعت حاصل کرنے میں دیر لگتی ہے۔ ممکن ہے کہ انسان نے روح القدس کو زندگی کے ایک حصے میں تو جگہ دیدی ہو لیکن پوری زندگی میں اسے نہ بسایا ہو۔ ہر ایماندار کے اندر روح القدس بستا ہے لیکن ہر ایماندار پر روح القدس کا اختیار نہیں ہوتا۔ باطنی معموری اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ایماندار شعوری طور پر مانتا ہے کہ روح القدس کو میری زندگی پر کلی اختیار حاصل ہے اور وہ زندگی کی ایک ایک بات کو کنٹرول کر رہا ہے۔ روح کی معموری کا تجربہ صرف رسولوں تک مخصوص نہیں بلکہ ہر ایماندار کے لئے ہے۔

دریائے نیل ہمیشہ مصر میں بہتا ہے۔ لیکن مصر ہر سال اس میں طغیانی (کناروں سے باہر بہنے) کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ نیل کا وہاں ہونا ایک بات ہے لیکن نیل کا طغیانی میں ہونا دوسری بات ہے۔ جب نیل میں طغیانی آتی ہے تو مصر شاداب اور زرخیز ہو جاتا ہے۔

اصل یونانی زبان میں جو لفظ استعمال ہوا ہے، وہ فعل امر جاریہ ہے یعنی روح سے بھرتے جاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ معموری مستقل اور جاری ہو۔

یسوع مسیح میں ہر ایماندار کو پاک روح کی معموری کی ضرورت ہے۔

یہ معموری رسول، مناد، مبشر، باپ، ماں، چھوٹے، بڑے، مزدور، مالک سب کے لئے ہے۔

بہترین مسیحی بننے کے لئے معموری ضروری ہے۔ اس کے بغیر خداوند کے معیار تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ روح کی معموری ایک انفرادی برکت ہے۔ لوگ انفرادی طور پر بچائے اور معمور کئے جاتے ہیں۔

جب تک ہم پورے طور پر روح کی اطاعت نہ کریں اور اس کے تابع نہ رہیں وہ ہماری عقلوں کو روشن نہیں کر سکتا۔ نہ ہماری محبت میں گرمجوشی پیدا کر سکتا ہے اور نہ ہمارے دلوں کو صاف کر سکتا ہے اور نہ ہمارے ارادوں کو قوت بخش سکتا ہے۔

کلیسیا کو روح سے معمور اراکین کی ضرورت ہے۔ اگر معموری نہیں ہوگی تو کلیسیا

میں بد نظمی، جھگڑے، تفرقے، حسد، غیبت اور ایک دوسرے پر تہمت انکا عام ہو جائے گا۔
کلیسیا کا ہر فرد روح سے معمور ہونا چاہیے۔ اس میں پاسٹر، ایلڈر، ڈیکن سنڈے سکول کے استاد، کوائر ممبران اور عام اراکین سب شامل ہیں۔

مسیحی چال چلن کے دو پہلو ہیں۔ (1) خدا سے متعلق (2) ہم جنس انسانوں سے متعلق۔ اگر مسیحی پاک روح سے معمور نہ ہوں تو مؤثر گواہ نہیں ہو سکتے۔ خداوند کے کام جسمانی قوت سے نہیں کئے جاسکتے۔ روح سے معمور ایماندار دنیا کے اعتبار سے مصلوب زندگی گزارتے ہیں۔ وہ خداوند کے ہاتھوں میں مؤثر وسیلہ ہیں جن سے وہ گنہگاروں کو مجرم ٹھہراتا ہے اور قائل کرتا ہے۔

روح القدس کی معموری کی شرائط میں معافی، فرزندیت، آرزو، ایمان، فرمانبرداری، انتظار، دعا اور حقیقت کو اپنانا ہیں۔ کامل سپردگی میں ہی روح سے معموری کا بھید ہے۔ روح القدس عقل، رجحانات، دل، ارادے اور شخصیت کو بیدار کر دیتا ہے۔ عیسائیت کے مطابق انسان ذخیرہ خانہ نہیں بلکہ ندی کی مانند ہیں۔ لہٰذا کناروں سے باہر اچھل کر بہنا ضروری ہے تاکہ برکات باہر پھیل جائیں۔ پہلے نئی پیدائش ہو، پھر معموری اور اس کے بعد ندیاں جاری ہوں۔ یاد رہے کہ معموری ایسا تجربہ نہیں جو ایک دفعہ ہوتا ہے۔ اس کا تجربہ ہر روز کرنے کی ضرورت ہے۔

کچھ علماء کے خیال میں "روح کا بپتسمہ"، "روح کی معموری" اور "روح القدس کی نعمت" سب ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے۔ لیکن بپتسمہ کا مطلب کسی چیز میں ڈبونا جبکہ معموری سے مراد کچھ بھرنا ہے۔ بپتسمہ دو قسم کا ہے، پانی اور روح کا۔

روح القدس کی تاثیر اور پھل میں واضح فرق کیا جاتا ہے۔ تاثیر روح کی سرگرم خدمت کا براہ راست نتیجہ ہوتی ہے جبکہ پھل اس کے ہمارے اندر سکونت کرنے اور ہماری سپردگی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کوئی مسیحی اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک نو قسم کے روحانی پھل اس کی زندگی میں موجود نہ ہوں جو یہ ہیں: الٰہی محبت، مسرت، کامل اطمینان، تحمل، شفقت و مہربانی، نیکی، وفاداری، نرم مزاجی اور پرہیزگاری۔ یہ جسم کے گھناؤنے کاموں کے عین الٹ ہیں۔ جسمانی کام پرانی زندگی جبکہ روحانی پھل نئی پیدائش کا ثبوت ہیں۔ اس لئے اپنی "میں" کو مصلوب کرنا ضروری ہے۔

پھل کے بعد روح کا نعمتوں کا درجہ آتا ہے جن میں حکمت، علم، ایمان، شفا دینا،

CamScanner

معجزات، نبوت، روحوں کا امتیاز، غیرزبانیں اور زبانوں کا ترجمہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ 24 مختلف نعمتوں کا ذکر ملتا ہے۔ روح القدس نو مرید کو مسیح کے بدن میں شامل کرتا ہے۔ نئی نعمت سے ایماندار کے پورے جسم کو فائدہ ملتا ہے۔ مسیحی کے لئے ضروری ہے کہ وہ مزید نعمتوں کی آرزو کرتا رہے۔ روح القدس ہر ایماندار کو اس کے کام کی نوعیت کے لحاظ سے نعمت عطا کرتا ہے۔ مسیحیت کے مطابق انسانی صلاحیتیں طبعی نہیں ہوتی بلکہ خاص نعمتیں ہیں جو روح کی طرف سے ملتی ہیں۔

کامل مسیحی کا مثالی نمونہ یسوع مسیح تھے۔ وہ جسم کے اعتبار سے تو مرے لیکن روح کے اعتبار سے زندہ کئے گئے۔ نفسانی جسم بویا جاتا ہے اور روحانی جسم جی اٹھتا ہے۔

تیسرا باب

ہندومت کی آتما

اہل ہندوستان قدیم دور سے لے کر آج تک روح کے سب سے بڑے ماننے والے نظر آتے ہیں۔ ان کے مذہب بلکہ انداز حیات میں ہر چیز روح رکھتی ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ ہندوستانیوں کا مذہب قدیم ارواح پرستی یا روحیت سے آگے ہی نہیں بڑھا تو بے جا نہ ہوگا۔ روحیت (Animism) سے مراد اس یقین کے ساتھ پتھروں درختوں اور جانوروں کی پوجا کرنا ہے کہ یہ اچھی یا بری روح کے مسکن ہیں۔ جانوروں کی پوجا ان کے مذہبی عقیدے کا حصہ تھی۔ دنیا بھر میں آریائی لوگوں نے سورج کی پوجا کی ہے اور دراوڑی لوگ ہواؤں' بارشوں' آگ اور مٹی کے ناظم دیوتاؤں کے معتقد رہے ہیں۔ چاروں ویدوں' اپنشدوں' طویل رزمیہ نظموں مہابھارت اور رامائن' بھگوت گیتا اور بعد کے مفکرین مثلاً شنکر' رامانج' مادھو آچاریہ وغیرہ کی تصنیفات میں عقیدہ روح پر بار بار بات کی گئی۔ ان کے مطابق انسان روح اور جسم پر مشتمل ہے۔ وید انسان کے لئے کسی اور مقدر مثلاً جنم کا ذکر نہیں کرتے۔ مرنے والی روحوں کے لئے دو راہیں ہیں ...... ایک دیوتاؤں کی راہ اور دوسری مرحوم روحوں کی راہ۔ راست عمل ہی "روح" کو پیدائش کے گھن چکر سے نکالتا ہے۔

ہندو خدا کے لئے پرماتما یعنی روح ازل کی اصطلاح استعمال کرتے تھے۔ انفرادی روح یا آتما روح ازل کا ہی جز ہے۔ اپنشدوں میں دو آتماؤں کی بات کی گئی ہے۔ حقیقی آتما اور ظاہری آتما۔ حقیقی آتما دنیا سے منسلک نہیں اور جسم اور صورت کے بغیر' غمی خوشی سے ماورا ہے۔ جبکہ ظاہری آتما دنیا کے ساتھ منسلک ہے' یہ جسم اور صورت رکھتی ہے اور اپنے ہی اچھے اور برے اعمال کے نتیجہ میں مسرت یا اذیت جھیلتی ہے۔ جب ظاہری اور حقیقی روح یکجا ہوجائیں تو تبھی آگہی اور نجات ملتی ہے۔ آیئے اب ہندومت کے مختلف مکاتب میں

تصور روح پر غور کرتے ہیں۔ آریوں' بدھوں' جینیوں' یونانیوں' ویدانتیوں اور مسلمانوں نے ہندوستانی تصور روح پر اثر ڈالا مگر خود زیادہ متاثر ہوئے۔ یاد رہے کہ ہندومت کی بنیاد ہی تصور روح پر ہے۔

ہندو علم کائنات اپنے ارتقاء میں سست رفتار تھا اور اپنی آخری شکل میں بدھی اور جینی علم کائنات کے پیچھے رہا اس نظام کے مطابق یہ کائنات ابدالاباد تک گردشوں سے ہو کر گزرتی رہتی ہے۔ بنیادی گردش کو کلپ برہما کا ایک دن یا چار سو بتیس کروڑ ارضی سال کہتے ہیں اس کی رات بھی اتنی طویل ہوتی ہے اس طرح کے تین سو ساٹھ دن اور رات سے برہما کے ایک سال کی تشکیل ہوتی ہے اور اس کی زندگی ایسے ہی سو سال پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے سب سے بڑی گردش 31,104,000 کروڑ سال طویل ہوتی ہے اس کے بعد پوری کائنات' لافانی روح کائنات کی طرف رجوع کرتی ہے یہاں تک کہ ایک دوسرا خدا خالق کائنات ارتقا پزیر ہوتا ہے۔

آریائی تمدن جیسے جیسے دریائے گنگا کے نشیبی علاقوں میں غلبہ حاصل کرتا گیا ویسے ویسے اس حیات نے مابعد کے سلسلے میں نئے نئے خیالات کو اپنے اندر جذب کرنا شروع کر دیا۔ رگ وید کے مطابق مردوں کی قسمت کا فیصلہ اسی وقت قطعی طور پر ہو جاتا ہے جب وہ مرتے ہیں۔ یعنی وہ یا تو "آباؤ اجداد کی دنیا" میں چلے جاتے ہیں یا پھر مٹی کے گھر میں جہاں وہ غیر معینہ مدت تک رہتے ہیں لیکن ایک مناجات میں مبہم الفاظ میں یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ وہ پانی یا پودوں میں بھی جا سکتے ہیں یہ ایک نامناسب شکل میں تناسخ ارواح کی طرف اشارہ ہے جس پر بہت سی قدیم اقوام یقین کرتی تھیں۔ اس عقیدے کے مطابق مرنے والوں کی ارواح کسی جانور' کسی پودے' کسی طبعی شے میں دوبارہ انسانی شکل میں جنم لینے سے قبل پہنچ جاتی ہیں۔ چونکہ برہمنوں میں رگ وید کی رجائیت نہیں تھی اس لئے انہیں حیات مابعد میں بھی لامکان موت نظر آتا ہے۔

"برھد آرنیک اپنشد" میں تناسخ ارواح کے عقیدے کی پہلی شکل نظر آتی ہے ان لوگوں کی روحیں جو قربانی' نیکی اور ریاضت کی زندگی بسر کر چکے ہوتے ہیں مبہم سفر حیات کے بعد آباؤ اجداد کی دنیا میں پہنچ جاتی ہیں اس کو یم کی حیثیت کہتے ہیں اس جوار رحمت میں تھوڑے دنوں کے بعد یہ روحیں چاند میں چلی جاتی ہیں' چاند سے یہ روحیں خلا و بسیط میں

CamScanner

آجاتی ہیں پھر حدود ہوا میں داخل ہو کر بارش کی شکل میں زمین پر نازل ہوتی ہیں' زمین پر یہ روحیں غذا بن جاتی ہیں ...... اور پھر انہیں قربان گاہ کی آگ کے حضور پیش کیا جاتا ہے جو انسان ہوتا ہے تاکہ وہ عورت کی آگ میں دوبارہ پیدا ہو سکیں' اس کے برخلاف جو لوگ برائیوں کی زندگی بسر کر چکے ہوتے ہیں ان کا جسم حشرات الارض یا چڑیوں کی شکل میں ہوتا ہے' اس ضابطے کا انحصار اس قدیم عقیدے پر ہے جس کی رو سے استقرار حمل اس وقت ہوا' جب والدین میں سے کسی ایک نے وہ پھل یا وہ سبزی کھائی جس میں پیدا ہونے والے کی پوشیدہ روح موجود ہوتی ہے۔ اگرچہ اس عقیدے کو عجیب و غریب اور نیا بتایا جاتا ہے' مگر اپنشدوں کی تالیف کے وقت عوام اس کو نہیں مانتے تھے۔ مہاتما بدھ کے عہد میں بھی ہر شخص تناسخ ارواح کا قائل رہا ہوگا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں اور چھٹی صدی قبل مسیح میں اس عقیدے کو بڑی تیزی کے ساتھ قبول عام کا مرتبہ حاصل ہوا اس طرح سمسار یا تناسخ اور کرم یا وہ نتیجہ عمل جو حیات مابعد پر اثر انداز ہوا ایسے منطقی ہندوستانی نظریات تھے جن کا آغاز عہد قدیم کے عام تصور روح سے ہوا لیکن اس ابتدائی عہد میں بھی ان کا ایک اخلاقی پہلو تھا اور کسی نہ کسی حد تک ان کی وضاحت کی گئی تھی۔

تناسخ ارواح کے نظریہ نے جس طریقے سے بھی وسعت حاصل کی ہو لیکن اس میں یہ عقیدہ بہرحال شامل تھا کہ روح باربار ایک نئی زندگی حاصل کرتی ہے۔ اب وہ زندگی خواہ ابدی ہو یا اتنے طویل عرصہ کے لئے ہو جو احاطہ تصور میں نہ آسکے یہ عقیدہ زندگی کی تمام اشکال کو ایک واحد نظام میں مربوط کرتا تھا' دیوتاؤں کو بھی مرنا ہوتا ہے اور ان کی جگہ پر دوسرے دیوتا آتے ہیں' جیسے ہی ایک اندر مرتا ہے دوسرا اندر پیدا ہوتا ہے' مرے ہوئے لوگوں کی روحیں اگرچہ فی الحقیقت جوار رحمت میں ہوتی ہیں لیکن انہیں اپنے نئے مسکنوں میں جانا پڑتا ہے' جانور حشرات الارض اور بعض عقیدے کے مطابق نباتات بھی اسی نظام کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ اپنی عجیب و غریب مفکرانہ بصیرت کے ساتھ چند دانشوروں کی رائے تو یہاں تک ہے کہ پانی خاک کے ذرے اور ہوا بھی چھوٹے چھوٹے کیڑوں سے مملو ہے اور یہ کہ ان میں بھی روح ہے اور یہ روح بھی اپنے جوہر کے اعتبار سے انسانی روح کی طرح ہے' یہ پوری زندگی لاتعداد تغیرات سے ہو کر گزرتی ہے۔

آفاقی طور پر تو نہیں البتہ عام طور سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان تغیرات کا تعین کردار سے ہوتا ہے' موجودہ زندگی میں جس شخص کا جو بھی رویہ ہوگا اسی اعتبار سے اس کا مرتبہ

CamScanner

مستقبل کی زندگی میں بلند یا پست ہوگا' اور اس کی قسمت اچھی یا بری ہوگی' "کرم" کا یہ عقیدہ بیشتر ہندوستانی فکر میں بنیادی اہمیت کا حامل ہوگیا اس عقیدے نے تکلیف کے راز کی ایک تسلی بخش وضاحت پیش کی' اس کی گتھی کو سلجھانے میں دنیا کے بہت سے مفکرین پریشان رہے اس عقیدے نے آریائی فرقے میں جو معاشرتی عدم مساوات تھی اس کا جواز پیش کردیا۔

ایک عام انسان کے لئے یہ عقیدہ ناقابل قبول نہ ہوگا۔ اور یہ حقیقت کہ اس عقیدے کو بہت جلد آفاقی قبول عام حاصل ہوگیا یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس نے قدیم ہندوستان کی روحانی ضروریات کی بہت کافی حد تک تکمیل کردی۔ درحقیقت سمسار کا نظریہ جو روح کو نئے تجربے کی لامحدود طاقتیں عطا کرتا ہے اور پست ترین اور ذلیل ترین مخلوق کے اندر بھی امید پیدا کرتا ہے۔ کئی اعتبار سے مغرب کے روایتی جلد تصور جنت و جہنم کے مقابلے میں زیادہ جاذب توجہ ہوسکتا ہے' لیکن زیادہ ذہین انسانوں کے نزدیک یہ نظریہ کوئی مثبت حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ موت بہرحال مہیب ہوتی ہے اور لاتعداد بار مرنے کا تصور کوئی اچھا تصور نہ تھا۔ زندگی اس وقت بھی بے لطف اور نامکمل ہوتی ہے جب وہ غم و آلام سے محروم ہوتی ہے اور جبکہ متواتر پیدا ہوتے رہنا بھی بہت اکتا دینے والی بات تھی۔ تناسخ ارواح کے عقیدے کے ساتھ ساتھ قنوطی خیالات کا بھی نشو و نما ہوا' آسمان ہی میں دوبارہ پیدا ہونا کافی نہیں تھا۔ کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا تھا کہ انسان پیدائش اور موت کے چکر ہی سے چھوٹ جائے۔ اور وہ طریقہ وقت کے بہترین اذہان کی تشفی کے پیش نظر اس علم میں پایا گیا جو بہت زیادہ غور و فکر اور ریاضت کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔

اپنشد جس عظیم اور نجات رساں علم بخشنے کا دعویٰ کرتا ہے وہ صرف برہمن کے وجود کو تسلیم کرلینے ہی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس کے دائم و قائم شعور پر بھی مبنی ہے' برہمن انسانی روح میں ہوتا ہے۔ درحقیقت برہمن ہی انسانی روح ہے اور آتما (خودی) ہے۔ جب کوئی انسان اس حقیقت سے مکمل طور پر روشناس ہوجاتا ہے تو وہ تناسخ روح سے بالکل آزاد ہوجاتا ہے اس کی روح برہمن سے مل جاتی ہے اور پھر وہ مسرت و غم اور حیات و موت سے بالاتر ہوجاتا ہے۔ عالم خواب میں انسان کی روح آزاد ہوتی ہے۔ وہ کسی طائر یا دیوتا کی طرح اس کائنات میں گھومتی ہے' وہ بادشاہ بن جاتی ہے۔ برہمن اس عالم خواب سے ماورا ایک بے خواب عالم خواب ہے' جہاں روح ایسے تجربات سے گزرتی ہے جن کا اظہار نہیں کیا

جاسکتا اور اس سے ماورا بھی برہمن ہے۔ جب انسان برہمن تک رسائی حاصل کرلیتا ہے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔

ناقابل اظہار حقائق کے اظہار کی کوشش میں اپنشد کے داناؤں نے ہر طرح کے پیکر استعمال کئے ہیں کبھی کبھی روح کا تصور بہت قدیم نظر آتا ہے اور اس کو دل میں ایک بہت ہی چھوٹے انسان کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے کبھی اسے سانس کہا جاتا ہے یا ایک پراسرار رقیق مادہ جو شریانوں میں جاری و ساری رہتا ہے لیکن کبھی کبھی اس کو بالکل غیرجسمانی اور ناقابل فہم قرار دیا گیا ہے:

"میرے لئے برگد کا ایک پھل لاؤ۔"

"یہ حاضر ہے جناب!"

"اس کو توڑو۔"

"جناب میں نے اس کو توڑ دیا۔"

"اس میں تم کیا دیکھتے ہو؟"

"جناب اس میں بہت چھوٹے چھوٹے بیج ہیں۔"

"ان میں سے ایک بیج توڑو۔"

"جناب میں توڑ دیا۔"

"اب تم کیا دیکھتے ہو؟"

"جناب کچھ بھی نہیں۔"

میرے باپ نے کہا: "جو تم نہیں دیکھ پا رہے ہو وہی اصل جوہر ہے اور اسی جوہر میں اس طاقتور برگد کے درخت کا وجود ہوتا ہے۔ میرے بیٹے یقین کرو اس جوہر میں ہر اس چیز کی آتما ہے جو عالم وجود میں ہے۔ وہی سچ ہے' وہی آتما ہے اور سیوت کیتو تم ہی وہ آتما ہو۔"

یہاں روح کا وجود اصل جوہر ہے جو کسی طرح بھی مادی نہیں یہی تصورات ایک طرح کے روح کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ ایک ایسا لطیف مادہ جس سے روح کی ترکیب ہوئی اور یہی تصورات بالخصوص جینیوں میں قائم رہے۔ "آتما" کی اصطلاح بلا تفریق روح اور خودی کے معنوں میں استعمال کی گئی اور اس کی وجہ سے ہندو صحائف کے بہت سے اقتباسات میں ابہام پیدا ہو گیا ہے۔

فرد اور کائنات کی روح کے وجود کا اعادہ اپنشدی ادب میں ہوتا ہے' کہیں اس پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور کہیں کم اور کائناتی روح کے وجود و کردار کی فطرت کی مختلف تعبیرات کی گئی ہیں۔ "تت توام اسی" تم (فرد) وہ (کائناتی جوہر) ہو۔ یہ اس باپ کے الفاظ ہیں جو اس نے مندرجہ بالا اقتباس میں اپنے بیٹے سے کہے ہیں اور یہی اپنشدوں کا خاص موضوع گفتگو ہے۔ خیر و شر سے بالاتر یہ ازلی غیر تفریق شدہ جوہر شعور کی حالت میں رہتا ہے جو خواب سنگین کے عالم میں ماورا ہے' لیکن پھر بھی بیدار اور زندہ ہے۔ اگرچہ وہ پوری خلائے بسیط میں جاری و ساری ہے اور وہ بھی کچھ اسی طرح کی پر اسرار صراحت کے ساتھ جو منطق سے بھی ماورا ہے۔ لیکن تجربہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ قلب انسانی کے اندروں میں گوشہ گیر ہے عام طور سے اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ یکساں اور غیر شخصی ہے اور برہمن کا لفظ غیرجاندار ہے۔ اسی طرح سے پوری کائنات کے اختلاف اور اس کی بے ربطی کی وضاحت ہوجاتی ہے اور وہ صرف ایک وجود واحد تک محدود ہوجاتی ہے۔

"اس نمک کو پانی میں ڈال دو اور میرے پاس صبح کو آؤ۔"

لڑکے نے وہی کیا جو اس سے کہا گیا تھا۔ باپ نے کہا' نمک میرے پاس لاؤ۔ لڑکے نے نمک کو تلاش کیا لیکن وہ اس کو نہ پاسکا' کیونکہ وہ پانی میں حل ہوگیا تھا۔

"پانی کو اوپر سے چکھو" باپ نے کہا' "اس کا ذائقہ کیسا ہے؟"

"نمکین" لڑکے نے جواب دیا۔

"بالکل نیچے سے چکھو' اس کا مزا کیسا ہے؟"

"نمکین" لڑکے نے جواب دیا۔

تب باپ نے کہا: تم محسوس نہیں کرتے کہ ایک حقیقت (ست) تمہارے جسم میں موجود ہے۔ میرے بیٹے لیکن وہ 'وہاں' ہے ہر چیز جو اس میں ہے اس کا جوہر لطیف ہے وہی حقیقت ہے' وہی روح ہے اور تم وہی ہو سویت کیتو۔

کائناتی جوہر لطیف کی تعریف کبھی کبھی بالکل منفی انداز میں کی جاتی۔ ہے "آتما" کو صرف اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ' یہ نہیں ہے یہ ناقابل فہم ہے نہ فنا ہونے والی ہے......... غیر متعلق ہے ــــــ غیر مقید ہے ــــــ ہر مصائب میں جتلا نہیں ہوتی ــــــ یہ ناکام نہیں ہوتی۔

لیکن اس اقتباس کی ساری نفیوں کے باوجود واش مند نیاجنتولکیہ: جس کی طرف

یہ اقتباس منسوب ہے۔ کائناتی جوہر لطیف کو شخصیت کا مرتبہ دیئے بغیر نہ رہ سکا اور ایک مقام پر تو اس نے اس جوہر لطیف کو خدائے بزرگ و برتر سے تقریباً" ملا دیا ہے۔

"وہ نا آفریدہ آتما جو علم بالذات پر مشتمل ہے وہ قلب کا جوہر ہے' اسی میں حاکم اور آقا اور ساری چیزوں کا بادشاہ ہے۔ اچھے کاموں سے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور نہ ہی برے کاموں سے وہ چھوٹا ہوتا ہے' لیکن وہ ساری چیزوں کا آقا ساری چیزوں کا بادشاہ اور ساری چیزوں کا محافظ ہے۔"

منظوم اپنشدوں میں روح عالم کو کائناتی جوہر لطیف کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک دیوتا کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے:

"وہ تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے منور اور غیر مجسم
ضرر نارسیدہ اور شرر نادیدہ
بصیر و عقیل موجود قائم بالذات
اس نے تمام چیزوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اچھا بنایا ہے۔"

اس اپنشد میں جس پر سے یہ اشعار لئے گئے ہیں روح عالم کو "شاہ" آقا کہا گیا ہے۔ کتھا اپنشد میں اس کو شخص (پرش) سے تعبیر کیا گیا ہے جو ہمیں اس الوہی یگیہ (قربانی) کی یاد دلاتا ہے جو ابتدائی قربانی کے موقع پر قربان کیا گیا اور جس سے ساری دنیا پیدا ہوئی۔ ایک اقتباس میں اس روح عالم کا ذکر اس خوف و دہشت کے جذبے کے ساتھ کیا گیا جو ورن دیوتا کے لئے پہلے محسوس کیا جاتا تھا:

"ساری چیزیں جو ہوں پوری دنیا
(برہمن) سے پیدا ہوئی اس کی سانس سے لرزتی ہے
یہ ایک عظیم دہشت ہے' ایک رعد ہے جس کی تعریف نہیں کی جاسکتی
جو لوگ اس کو جانتے ہیں وہ لافانی ہو جاتے ہیں۔
(برہمن کی) دہشت سے آگ جلتی ہے
(برہمن کی) دہشت سے سورج طلوع ہوتا ہے
برہمن کے خوف سے اندر اور ہوا اور
موت بھاگ جاتے ہیں۔"

شیوتاس وترا اپنشد مذکورہ بالا اپنشدوں کے بعد ہی ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں روح عالم

کو خالص مذہبی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اب کوئی غیر مشخص جوہر لطیف نہیں ہے بلکہ ایک اخلاق ہے، دراصل رودر دیوتا یا شیو رودر تک رسائی صرف مراقبہ اور ریاضت ہی سے ممکن نہیں بلکہ بھگتی اور عبادت سے بھی اس تک پہنچا جاسکتا ہے:

"وہ صیاد جو اپنی طاقت سے تنہا حکومت کرتا ہے
وہ جو قدرت سے دنیا پر حکمرانی کرتا ہے
وہ ہمیشہ ایک اور وہی ہے
اگرچہ بہت سے دوسرے پیدا ہوتے ہیں اور ختم ہوجاتے ہیں
صرف ایک ہے تنہا اور ......
جو اپنی طاقت سے دنیا پر حکومت کرتا ہے
وہ ساری مخلوقات کے پیچھے ہے اس نے ساری دنیاؤں کو بنایا
اور انہیں محفوظ رکھتا ہے اور خاتمہ دہر پر انہیں ایک ساتھ ختم کر دیتا ہے۔

وہ آقا تمام مخلوقات کے چہروں میں رہتا ہے
ان کے سروں اور گردنوں میں رہتا ہے
وہ سب کی خلوت جان میں گوشہ گیر رہتا ہے
سب میں جاری و ساری اور ہر جگہ موجود شیو۔"

یہ عقیدہ ہمیں "بھگوت گیتا" کی مذہبی فضا سے بہت قریب لاتا ہے۔ یہ ہندوستان کی مذہبی منظومات میں اعلیٰ ترین اور خوبصورت ترین منظوم نسخہ ہے۔ اس میں ایک بھرپور اور پختہ خدا پرستی کی تعلیم ملتی ہے اور یہ جدید تر ہندو مذہب کا ایک حصہ ہے نہ کہ قدیم برہمنیت کا جس نے دھیرے دھیرے اپنے کو قربانی کے مذہب سے عقیدے کے مذہب میں تبدیل کرلیا۔

ویدک مذہب ترک دنیا کی حمایت کرتا تھا۔ اپنشد بھی کہتے تھے کہ عمل ترک کر کے تارک الدنیا ہوجاؤ اور آتما اور برہما سے عینیت کی اعلیٰ ترین آگہی حاصل کرو۔ بھگوت گیتا کی تعلیمات نے ہندوستانی معاشرے میں زندگی سے ناگواری کا رجحان پیش کیا اور کہا کہ عمل ہی روح کو تناسخ سے نجات دلاتا ہے۔ کرشن ارجن کو سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ " تمہارا حقیقی جوہر آتما (روح) ہے۔ آتما جسم سے ماورا ہے۔ یہ نہ پیدا ہوتی اور نہ مرتی ہے۔ یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ جیسے آدمی اپنے پرانے کپڑوں کو چھوڑ کر نئے کپڑے پہن لیتا ہے،

اسی طرح روح بھی پرانے جسم کو چھوڑ کر نیا جسم اختیار کر لیتی ہے۔ لیکن اسے غلطی سے جیو سمجھ لیا جاتا ہے۔ سارا دکھ اسی ایک غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ آتما کی حقیقت ظاہر ہونے پر ہی نجات یا موکشا مل سکتی ہے۔" مطلب یہ ہے کہ تبدیلی جسم کے لئے ہے' روح کے لئے نہیں۔ روح تغیر و تبدل سے مطلق آزاد ہے۔ یہ ہمیشہ ایک سی حالت میں رہتی ہے۔ حادثے جسم پر ہوتے ہیں روح پر نہیں۔ ارجن کے دل پر روح کی لافانیت کا نقش بٹھانے کے لئے کرشن پھر کہتے ہیں'" روح کو تلوار نہیں کاٹ سکتی' آگ نہیں جلا سکتی' پانی گیلا نہیں کر سکتا' ہوا اسے نہیں سکھا سکتی۔" بہ الفاظ دیگر آتما امر ہے۔

ہندو مذہب کی جو آخری شکل تھی وہ زیادہ تر اس اثر کا نتیجہ تھی جو دراوڑی جنوب نے ڈالا تھا۔ یہاں ملکی مسلکوں کی بنیاد پر جنھیں آریوں کے اثرات نے نئی زندگی بخشی خدا کو ماننے والے مکاتب فکر ابھرنے لگے جن کی نمایاں خصوصیت شدید قسم کی وجد اور پاکبازی تھی۔ یہی وہ عقیدت مندانہ ہندو مذہب تھا جس کی تبلیغ و اشاعت عہد وسطی میں جہاں گرد مبلغین اور مناجات خوانوں نے کی اور جس نے اس ہندو مذہب پر اپنا عظیم ترین اثر چھوڑا جو آج موجود ہے۔

اگر اس کے قبل نہیں تو کم از کم مسیحی عہد کی ابتدا میں ایسے متعدد مکاتب فکر کی فطری تقسیم عمل میں آچکی تھی جنھیں راسخ الاعتقاد تصور کیا جاتا تھا اور "سدرشن" یا "عقائد ششگانہ" ہندو مذہب کی مستقل خصوصیت بن چکے تھے یہ چھ مکاتب فکر دراصل مختلف الاصل اور مختلف الغایت تھے لیکن سبھوں کو اس نظام میں اس اعتبار سے شامل کر لیا گیا کہ سبھوں کو مساوی حیثیت سے نجات کا جائز ذریعہ سمجھا جاتا تھا یہ اصول دو دو کے تین گروہوں میں منقسم تھے اور انھیں ایک دوسرے سے متعلق اور ایک دوسرے کا تکمیلی جزو سمجھا جاتا تھا' ان گروہوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

(1) نیائے اور ویشے شک۔

(2) سانکھیہ اور یوگ۔

(3) می ماسا اور ویدانیت۔

نیائے (تجزیہ) یہ منطق اور عملیات کا مکتب فکر تھا۔ دینیات کے اس مکتب فکر کا بانی اکش پاد گوتم تھا۔ اس سے جو سوتر یا امثال منسوب ہیں وہ غالباً مسیحی عہد سے پہلے کی نہیں ہیں منطق کو اس نظام میں نجات کے ایک ذریعہ کی حیثیت سے اس تخیل کے تحت داخل کیا

گیا کہ واضح فکر اور منطقی طرز استدلال اعلیٰ ترین مسرت کے حصول کے بنیادی ذرائع ہیں اور اس طرح استدلال کے ایک نظام کو ایک مذہبی بنیاد دیدی گئی۔

ویسے مشسک (انفرادی خصائص کا مکتب فکر) نیائے کا تکمیلی جزو ہے اور شاید اس سے قدیم تر اور عہد وسطیٰ میں دونوں ہی ضم ہو کر ایک مکتب فکر ہو گئے۔ اگر ایک طرف نیائے نے منطق میں اختصاص حاصل کیا تو دوسری طرف ویسے مشسک کی دلچسپیاں دینیات سے زیادہ طبیعیات میں تھیں۔ اس مکتب فکر کی قدیم ترین کتاب اس کے افسانوی بانی الوک کناڈ کے سوتروں پر مشتمل ہے جس کے متعدد شارح اور مفسر تھے اور ان میں عظیم ترین شارح اور مفسر پانچویں صدی کا پر شستپاد تھا' ویسے مشسک مکتب فکر کا اصل الاصول یہ عقیدہ ہے کہ فطرت جوہری ہے اس عقیدے پر جین مذہب کے ماننے والے اور بدھ مذہب کے کچھ مکاتب فکر مشترکہ طور پر ایمان رکھتے ہیں' اجزائے لاینتجزا روح سے متمائز ہیں اور یہ روح کے آلہ کار ہیں' ہر عنصر انفرادی خصوصیات رکھتا ہے جو اسے ان دوسرے چار غیر جوہری جوہروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ جنھیں یہ مکتب فکر تسلیم کرتا ہے وہ چار غیر جوہری جوہر یہ ہیں: زمان' مکان' روح اور نفس۔

اجزائے لاینتجزا ابدی ہیں' لیکن برہما کی زندگی کے خاتمے پر جو عظیم انتشار واقع ہو گا اس میں وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں گے اور پھر تمام اشیا فنا ہو جائیں گی' پھر نیا برہما' نئی دنیا کی از سر نو تخلیق کی خاطر پرانے اجزائے لاینتجزا کا استعمال کرے گا۔ اس طرح ویسے مشسک مکتب فکر نے مادے اور روح کی ثنویت کا عقیدہ پیش کیا اور یہ بتایا کہ نجات کا انحصار اس پر ہے کہ کائنات کی جوہری فطرت اور روح سے اس کے فرق کو پورے طور پر سمجھا جائے۔

سانکھیہ (شمار) غالباً" ان چھ نظاموں میں قدیم ترین ہے کیونکہ اس کا ذکر بھگوت گیتا میں ہے اور اس کی ایک قدیم ترین شکل اپنشدوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس نظام کا افسانوی بانی قدیم مرد دانا کپل تھا' لیکن اس نظام کے بارے میں ہمیں جو کتاب دستیاب ہوتی ہیں وہ ایشور کرشن کی لکھی ہوئی "سانکھیا کاریکا" ہے۔ یہ کتاب شاید چوتھی صدی عیسوی کی ہے' اپنی بے لچک ثنویت اور بنیادی دہریت میں سانکھیا جین مذہب سے مشابہ ہے۔ یہ مکتب فکر پچیس بنیادی اصولوں کے وجود کی تعلیم دیتا ہے' ان میں پہلا اصول "پراکرت" ہے۔ اس اصطلاح کا ایک سرسری ترجمہ "مادہ" ہے۔ تخلیق یا یوں کہئے کہ ارتقا کسی الوہی

وجود کی کارفرمائی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کا سبب پراکرت کی اندرونی فطرت ہے' پراکرت سے عقل (بدھی) اسے مت بھی کہتے ہیں' یعنی "عظیم وجود" عالم وجود میں آتی ہے' اور اس طرح اس کے نتیجہ میں آگہی (اہنکار) پیدا ہوتی ہے' دراصل پراکرت منازل ارتقا طے کر کے خود ایک فعال الوہی وجود بن گئی ہے' خود آگہی ان لطیف عناصر خمسہ کو جنم دیتی ہے جن کو "تن ماتر" کہتے ہیں اور یہ غیر مرئی مادہ ہے جو اپنی لطیف ترین شکل میں ہوتا ہے۔ یہ عناصر خمسہ ہیں جوہر لطیف (آکاش) باد' برق' آب اور خاک ان لطیف عناصر سے مادی عناصر (مہابھوت) ظہور کرتے ہیں اس مواد کی ترکیب سے خود آگہی عالم کے چوبیسویں جزو ترکیبی کو پیدا کرتی ہے جو نفس (منس) ہے' جس کو جنس ششم تصور کیا جاتا ہے جو حسیات عشرہ اور خارجی دنیا کے درمیان رابطہ قائم کرتا ہے۔ کائناتی ارتقا کا یہ حیرت ناک اور تخیلی نظریہ سادہ اور آسان لفظوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اجساد یا اجرام فلکی اور فی الحقیقت پوری کائنات اس انا کی پیداوار ہے جو بنیادی طور پر مادی تصور کی جاتی ہے۔

لیکن ابھی ایک اور بنیادی اصول (تنو) باقی ہے جو پچیسواں ہے۔ یہ پرش ہے جس کے لغوی معنی "ہستی" ہیں یعنی روح' جین مذہب کی طرح یہاں بھی یہ عقیدہ کارفرما ہے کہ کائنات میں ارواح کی ایک نامحدود تعداد ہے جو سب کی سب مساوی ہیں اور پراکرت کے ارتقا کی ابدی طور پر غیرفعال ناظر ہیں۔ نہ تو پرش کا انحصار پراکرت پر ہے اور نہ پراکرت کا دارومدار پرش پر ہے۔ ایک ایسی کائنات کا تصور کیا جاسکتا ہے جو مکمل طور پر روح سے عاری ہو اور پھر بھی اس کائنات کی طرح ارتقائی منازل طے کررہی ہو جو ہمارے علم میں ہے' کیونکہ عقل شخصیت اور نفس روح کے اجزا نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی ارواح کسی طرح سے مادے میں الجھ جاتی ہیں اور ان کی نجات اس میں ہے کہ وہ اس فرق کو سمجھیں جو مادے اور ان کے مابین ہے۔

سانکھیائی مابعد الطبیعیات کی ایک اہم خصوصیت ان واضح کیفیات ثلثہ (گن) کا عقیدہ ہے یعنی خیر (ستو) ہیجان (رجس) اور اضمحلال (تمس) کی علت ہیں۔ اپنی غیرعلیحدہ حالت میں کائناتی مادہ کے اندر ان کیفیات ثلثہ کا توازن ہوتا ہے لیکن دنیا جیسے جیسے ارتقا کی منازل طے کرتی ہے ان میں سے کوئی ایک مختلف اشیاء یا وجود پر حاوی ہوجاتا ہے اور وہی تناسبات کائنات کے اقدار کا سبب بنتے ہیں۔ ستوگن یا کیفیت خیر ان تمام اشیا میں پائی جاتی ہے جو خوفناک' متشدد' پرقوت' طاقتور یا فعال ہوتی ہیں اور کیفیت اضمحلال ان تمام اشیا میں پائی جاتی

ہے' جو تاریک' نادان' ملول' غمگین یا حزیں ہوتی ہیں اس سہ گانہ تقسیم نے ہندوستانی زندگی و فکر کے بہت سے پہلوؤں کو متاثر کیا۔ اس کے اثرات سانکھیائی مکتب فکر کی حدود سے بھی آگے نکل گئے جس کی یہ طبع زاد فکر تھی۔

مادے اور روح کی ثنویت اور سانکھیائی مکتب فکر کی بنیادی دہریت کو مروجہ عقیدہ وحدت وجود و خدا پرستی سے قریب لانے کے لئے عہد وسطیٰ میں کچھ تبدیلیاں کی گئیں۔ پرس کے لغوی معنی ہیں "ہستی" یا "مرد" اور "پراکرت" تانیث کا صیغہ ہے' یہ امر حیرتناک نہیں ہے کہ مؤخرالذکر کو اول الذکر کے نصف بہتر کی شخصیت عطا کی گئی' بالخصوص تانتری فرقوں میں ایسا کہا گیا قدیم تر نظام کا غیر فعال پرش پیدا کرنے والا بن گیا اور جلد اور عالمانہ سانکھیائی مکتب فکر بہت بدلی ہوئی شکل میں عہد مابعد کے مروجہ ہندوستانی مذہب کی عام خصوصیت بن گیا۔

یوگ' چوتھے نظام کا نام ہے۔ مغرب میں یہ لفظ بہت شہرت رکھتا ہے اور اشتقاقی اعتبار سے اس لفظ کو انگریزی لفظ "یوک" (Yoke) سے متعلق کیا جاتا ہے' اس کا آزاد ترجمہ "روحانی نظم و ضبط" یا "عمل" کیا جاسکتا ہے۔ عام طور پر یہ لفظ ہندوستانی مذہب کی عائد کردہ خود آزادی کے سارے مذہبی اعمال و افعال کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور جو شخص سختی سے ان پر عمل کرتا ہے اس کو "یوگی" کہتے ہیں اس وسیع معنی میں یوگ ہر ہندوستانی فرقہ کی تعلیمات کا جزو رہا ہے لیکن یہ ایک علیحدہ مکتب فکر کا نام بھی تھا جو نجات کے ایک خاص وسیلے کی حیثیت سے روحانی تربیت پر زور دیتا تھا' اس مکتب فکر کی بنیادی کتاب پاتا نجلی کی "یوگ سوتر" ہے۔ روایتی اعتبار سے یہ وہی عالم ہے جو دوسری صدی قبل مسیح میں ایک مشہور ماہر قواعد زبان کی حیثیت سے معروف تھا۔ لیکن یہ سوتر جو اپنی موجودہ حالت میں ہمارے پاس ہیں صدیوں بعد کی تصنیف معلوم ہوتے ہیں۔

یوگ مکتب فکر کے مابعدالطبیعی تصورات بنیادی طور پر سانکھیا مکتب فکر سے بہت زیادہ قریب تھے۔ بس فرق صرف اتنا تھا کہ یوگ مکتب فکر کے ماننے والوں نے خدا کے وجود کو تسلیم کرلیا۔ یوگ مکتب فکر کا خدا (ایشور) خالق نہیں تھا بلکہ ایک مخصوص روح اعلیٰ تھا جو مادے سے بغیر الجھے ہوئے ازل سے قائم ہے۔ یوگ کا خدا (مرکب اصغر) کے بدھ سے مشابہ ہے' یا جین مذہب کے ارفع و اعلیٰ تیر تھنکر سے جو کبھی کبھی اپنے پرستاروں سے رابطہ قائم نہیں رکھتا بلکہ بطور مثال بے بہا ہے۔ "اوم" کے فقرے کو اس کی مخصوص علامت

قرار دیا گیا جس کی یوگ مکتب فکر میں بڑی منزلت تھی' کیونکہ یہی روح کی اعلیٰ و ارفع لطافت کی بصیرت عطا کر کے غور و فکر میں مدد معاون ہوتا ہے۔ جلد ہی خدا پرستی کا ظہور ہوا اور اس مکتب فکر سے متعلق بعد میں جو کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں خدا کا جو تصور دیا گیا وہ دوسرے مکاتب فکر کے تصور سے بالکل مختلف تھا۔

یوگی کی تربیت کے آٹھ مراحل ہوتے تھے۔ یہ مراحل ہشت گانہ' بدھ مذہب کی "راہ ہشت گانہ" کی یاد دلاتے ہیں لیکن یہ کہیں زیادہ ناقابل عمل ہیں:

ضبط نفس (یم) پانچ اخلاقی قوانین پر عمل' عدم تشدد' راست بازی' چوری نہ کرنا' پاکبازی اور حرص و ہوا سے پرہیز۔

مماسا (تجسس)' اپنی ابتدا کے اعتبار سے دوسرے نظاموں سے اس لئے مختلف ہے کہ یہ نجات کا مکتب فکر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق تشریح و توضیح سے ہے۔ اس کا بنیادی مقصد تھا ویدوں کی شرح و بسط۔ اور درحقیقت یہ بر ہمنیت کے سلسلے میں ایک کڑی تھی۔ اس مکتب فکر کی قدیم ترین کتاب جینی کے سوتر (شاید اس کا تعلق دوسری صدی قبل مسیح سے ہے) ہے۔ اس کتاب میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ وید ابدی ہیں' قائم بالذات ہیں اور پورے طور پر بااختیار ہیں۔ اس کتاب کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ پرانے والے فتنہ کے مقابلے میں ویدوں کی صداقت کا تحفظ کیا جائے۔ اس نظام کی بنیادی کتاب "برہمہ سوتر" ہے جو بادرائن کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ کتاب مسیحی عہد کے آغاز میں معرض تحریر میں لائی گئی۔ اس کتاب پر ہر عہد کے علماء نے بلکہ موجودہ علماء نے بھی حواشی لکھے ہیں۔ ویدانت آج بھی ایک زندہ مکتب فکر ہے اور موجودہ ماہرین الہیات' اور متصوفین مثلاً ویویکا نند اور آرو بندوگھوش' اور فلسفی مثلاً سر ایس رادھا کرشنن سب کے سب ویدانتی ہیں۔ ویدانت کے معتقدات اپنشدوں پر مبنی ہیں اور انہوں نے اپنشدوں کے بہت سے صوفیانہ افکار کو منطقی اور منظم شکل بخشی۔ قدیم ویدانت عظیم فلسفی شنکر (788-820) سے منسوب ہے۔ یہ جنوبی ہندوستان کے شیو بھگت برہمن تھے۔ انہوں نے اپنی مختصر زندگی میں برہمہ سوتر' پر حواشی لکھے اور اہم اپنشدوں کی تفسیر کی' اپنے معتقدات کی تبلیغ و اشاعت کی خاطر تمام ہندوستان کا سفر کیا اور ہندو راہبوں کے ایک نظام کی بنیاد ڈالی۔

شنکر' ایک آرتوڑکی برہمن تھے جن کے نزدیک ویدوں کی تمام تحریریں مقدس اور بلاشبہ سچی تھیں اس کے بہت سے متناقضات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے انہیں ایک ایسا چارہ

کار اختیار کرنا پڑا جو پہلے سے بدھ مذہب میں موجود تھا' یعنی سچائی کا ادھورا معیار' سچائی کے روز مرہ کے معیار کے مطابق دنیا کو برہما نے پیدا کیا اور پھر وہ ان ارتقائی مراحل سے ہو کر گزری جو سانکھیا مکتب فکر میں پائے جاتے ہیں اور اسی مکتب فکر سے شنکر نے تین گنوں کے تصور کو لیا۔ لیکن سچائی کے اعلیٰ معیار پر یہ تمام ظاہری کائنات' دیوتاؤں کی شمولیت کے ساتھ غیر حقیقی ہے۔ دنیا مایا ہے' فریب نظر ہے' ایک خواب ہے' سراب ہے اور تخیل کا ایک واہمہ ہے۔ قطعی طور پر اگر کوئی سچائی ہے تو وہ برہمن ہے' یعنی اپنشدوں کی غیر ذاتی روح عالم جس سے انفرادی روح مماثلت رکھتی ہے۔ اپنشدوں کی طرح یہاں بھی غور و فکر کے ذریعہ اس مماثلت کو پہچاننے میں نجات ہے۔ شنکر کا برہمن حقیقی طور پر "خلا" یا بدھ مذہب کے مہایان فرقے کے "نروان" سے مختلف نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کو شنکر کے مخالفین بخوبی جانتے ہیں اور اسی لئے ان کو چھپا ہوا بدھی کہتے ہیں۔

شنکر کے تصورات کے مجموعے کو اکثر "مادیت" (وحدت وجود) کہا جاتا ہے یا کبھی کبھی کیول آدویت (وحدت وجود محض) کہتے ہیں۔

اگرچہ عظیم شنکر علم (گیان) کے ذریعہ حصول نجات کے اپنشدی عقیدے کے راسخ تر پیرو تھے' لیکن انھوں نے بھی سنسکرت میں چند خوبصورت عقیدت سے بھری ہوئی نظمیں لکھ کر شہرت حاصل کی۔ اس امر کی توقع کی جاتی تھی کہ عبادت کی یہ نئی شکلیں ایک باضابطہ رسمی شکل اختیار کرلیں گی اور اپنشدوں اور ان کے درمیان یکسانیت پیدا ہوجائے گی اس کام کو شنکر کے بعد بہت سے دراوڑی ماہرین دینیات نے مختلف اشکال میں انجام دیا۔

ان میں خاص اہمیت ایک برہمن رامانج کو حاصل تھی جن کی تلقین و اشاعت کا مرکز شری رنگم کا عظیم مندر تھا' خیال یہ ہے کہ وہ سنہ 1017ء سے لے کر 1137ء تک زندہ رہے۔ رامانج کے خدا کا وجود ذاتی ہے جو اپنی تخلیق کے لئے اکرام محبت سے مملو ہے۔ پشیمانی گنہگاروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے وہ کرم کے اختیار کو بھی سلب کرسکتا تھا۔ شنکر کے غیرذاتی روح خام کے برخلاف' جس نے اس پرفریب کائنات کو صرف لہو و لعب (لیلا) بتایا تھا' رامانج کے خدا کو انسان کی ضرورت تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے انسان کو خدا کی ضرورت تھی۔ اس تصور پر زور دے کر رامانج نے کرشن کے ان الفاظ کی وضاحت کی "میں اپنی انا کو مرادانا تصور کرتا ہوں" انھوں نے ان الفاظ کی تاویل یوں کی کہ جس طرح انسان بغیر خدا کے نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح خدا بھی بغیر انسان کے نہیں رہ سکتا وہ انفرادی روح جو خدا

اپنے جوہر سے تخلیق کرتا ہے' اپنے خالق کے پاس واپس چلی جاتی ہے اور دائمی طور پر وصل کامل کی لذت حاصل کرتی ہے۔ لیکن پھر بھی اس سے الگ نہیں رہتی' وہ علم کل اور برکت کے ربانی مزاج میں شریک رہتی ہے اور شر اس کو چھو نہیں سکتا۔ لیکن اس کو اپنی انا کا شعور ہمیشہ رہتا ہے کیوں کہ خدا کے وجود کا ایک جزو ہونے کی حیثیت سے یہ ابدی ہے اور یہ اپنی خود آگہی کھو دے تو اس کا وجود ختم ہوجائے گا۔ یہ روح کے خدا کے ساتھ شریک ہے لیکن پھر بھی اس سے علیحدہ ہے اور اسی سبب سے رامانج کے نظام فکر کو " وششتادویت" یا "مشروط وحدت وجود" کہا گیا۔ رامانج اتنے ذہین ماہر مابعدالطبیعیات نہیں تھے' جیسے کہ شنکر' لیکن ہندوستانی مذہب' شنکر سے زیادہ رامانج کا ممنون کرم ہے۔ رامانج کی موت کے معاً بعد کی صدیوں میں ان کے خیالات پورے ہندوستان میں پھیل گئے اور یہی خیالات آگے چل کر بہت سے مذہبی فرقوں کا نقطہ آغاز بنے۔

عہد مابعد کے بہت سے ماہرین الہیات نے رامانج کی تعلیمات کی شرح کی اور تاملوں کی سرزمین پر دو مذہبی گروہ پیدا ہوگئے' یہ دونوں گروہ ابتدائی عہد کے پروٹسٹنٹ ازم کے آرمنی اور کیلونی گروہوں کے مماثل تھے۔ شمالی مکتب فکر کی یہ تعلیم تھی کہ نجات اسی طرح حاصل کی جاسکتی ہے۔ جس طرح بندر اپنے بچے کی حفاظت کرتا ہے اور اسے اپنے بدن سے چپٹائے رکھتا ہے' خدا بھی اسی طرح روحوں کی حفاظت کرتا ہے۔ انسان کو اس سلسلے میں تھوڑی سی کاوش ضرور کرنا پڑتی ہے۔

تیرھویں صدی عیسوی میں جس عالم نے رامانج کے عقائد کو حیرتناک سمتوں کی طرف موڑا وہ مادھو تھے۔ اس کنٹری ماہرالہیات نے خدا اور روح انسانی کی وحدت کے اپنشدی عقائد سے بالکل قطع تعلق کرلیا اور ثنویت (دویت) کی تعلیم دی۔ اس عالم کے تصور کے مطابق وحدت وجود کے متعلق ساری تحریریں استعاراتی ہیں اور یہ کہ وشنو' انفرادی ارواح اور مادہ ابدی اور مکمل طور پر الگ الگ ہیں' وشنو کو' روحوں اور مادہ دونوں پر مکمل اختیار حاصل ہے اور وہ روحوں کو بالکل اپنے انعام کے طور پر نجات کی دولت عطا کرتا ہے اور یہ دولت بھی صرف ان ہی ارواح کے حصے میں آتی ہے جو طیب و طاہر زندگی بسر کرتی ہیں' بری روحوں کا مقسوم ابدی تعذیب ہے جسے خدا سے ایک لامتناہی بعد تصور کیا جاتا ہے' جبکہ درمیانی قسم کی ارواح ابدی طور پر آواگون میں مبتلا رہتی ہیں۔

مادھو کی الہیات کی ایک دلچسپ خصوصیت یہ ہے کہ اس میں وشنو کا بیٹا وایو دیوتا جو

اس دنیا میں اس کا نمائندہ ہے اہم کردار ادا کرتا ہے اور اس میں مسیحی الہیات کی روح القدس کی کچھ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ مسیحیت سے مادھو کے نظام فکر کی مماثلت اتنی حیرتناک ہے کہ اس پر مالابار کے شامی عیسائیوں کا اثر انداز ہونا تقریباً" قطعی ہے۔ خدا اور روح کے درمیان ایک نازک فرق ابدی تعذیب کا عقیدہ اور وایو دیوتا کا منصب۔ یہ تمام مماثلتیں بہت واضح ہیں' مادھو سے متعلق داستانیں ان معجزات کے بیان پر مشتمل ہیں جو یقینی طور پر انجیل سے ستعار لئے گئے۔ جب وہ بچے تھے تو انہوں نے ایک مندر میں بڑے فاضل برہمنوں سے کامیاب مباحثہ کیا' جب انہوں نے ریاضت کی زندگی اختیار کی تو ایک آسمانی آواز نے ان کی عظمت کا اعلان کیا۔ وہ ایک مٹھی غذا سے پورے جم غفیر کو کھانا کھلا دیتے تھے۔ وہ پانی پر چلتے تھے اور وہ اپنی ایک نگاہ سے تلاطم خیز سمندر کو پرسکون کر دیتے تھے۔

تاملوں کا شیوی عقیدہ حقائق سہ گانہ کی تعلیم دیتا ہے یعنی خدا (پتی: آقا) ارواح (پشو یعنی جانور) اور مادہ (پاش:قید)۔ نجات کی منزل میں روح خدا سے واصل تو ہو جاتی ہے لیکن اس میں مدغم نہیں ہوتی۔ اس طرح تاملوں کا پشوی عقیدہ ثنویت یا دوئی کی سمت میں ویشنوی رامانج کے مشروط بصورت وحدت وجود کے مقابلے میں زیادہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس میں قدیم شیو کے ظالمانہ' حریصانہ اور غیر اخلاقی خصائص بالکل ختم ہو جاتے ہیں اور یہی اس کی حیرتناک ترین خصوصیت ہے۔ کرم کے عطا کنندہ کی حیثیت سے وہ عدل خالص ہے اور اس کا یہ عدل اپنی مخلوقات کے لئے اس کی محبت کا صرف ایک پہلو ہے وہ ان کی دعاؤں کو سنتا ہے اور اپنے آپ کو اسی شکل میں ظاہر کرتا ہے جس میں وہ اس کی عبادت کرتے ہیں۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ہندو مذہب میں روحوں کے ساتھ ساتھ بدروحوں کا تصور بھی موجود ہے۔ انہیں "اسور" کہتے ہیں۔ ہندو مذہب میں اس کا استعمال آسمانی ارواح کے اس گروہ کے لئے ہوتا ہے جو ہمیشہ دیوتاؤں سے برسرپیکار رہتا ہے' جن کے اقتدار کو یہ گروہ متزلزل تو کر دیتا ہے لیکن کبھی مغلوب نہیں کر پاتا۔ انسانوں کے لئے راکششوں کے متعدد طبقات زیادہ خطرناک تھے۔ ان سب میں زیادہ مشہور راون تھا' جس کے دس سر تھے اور لنکا کا راجہ تھا جس کو رام نے شکست دی اور قتل کیا۔ راون سے زیادہ طاقت کسی بھی راکشش میں نہیں تھی لیکن سب کے سب خوفناک اور خطرناک تھے جو مہیب شکلیں اختیار کرتے تھے اور رات میں تاریک مقامات پر گھومتے رہتے تھے تاکہ انسانوں کو جان سے مار سکیں اور

کھا سکیں اور کسی اور طریقے پر انہیں تکلیف پہنچا سکیں۔ ان کے مقابلے میں کم خوفناک پشاک تھے جو ناگوں کی طرح وحشی قبائل میں اپنی مادی بنیاد رکھتے تھے۔ کیونکہ پراکرت کی ایک گری ہوئی بول چال کو ان کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ راکشسوں کے یہ دونوں گروہ وتل (یوحا) کے مخصوص گروہ کی طرح جو لاشوں کے درمیان رہتے تھے' میدان جنگ' مذبحوں اور ایسے ہی دوسرے مقامات پر گھوما کرتے تھے' پھر راتوں میں بھوت پریت نمودار ہوتے تھے۔ یہ ان لوگوں کی ننگی روحیں ہوتی تھیں جو شدید قسم کی موت کا شکار ہوتے تھے اور جن کے لئے شردھا کی رسم انجام نہیں دی گئی تھی۔ یہ بدنصیب مخلوق انسانوں کے لئے بالخصوص ان کے زندہ اقارب کے لئے بہت زیادہ خطرناک ہوتی تھیں۔

ہندو مذہب میں روح' اعمال (کرم) اور سمسار کا نظریہ باہم منسلک ہے۔ اس دنیا میں اس کے کرم ہی اس روح کے سمسار یعنی ایک سے دوسرے جسم میں منتقلی کا باعث بنتے ہیں۔ کرم کا عقیدہ بدھ مذہب اور جین مذہب نے اختیار کرلیا تھا لیکن یہ عقیدہ ہندو مذہب کا بھی جزو لاینفک بن چکا تھا۔ ہندو مذہب کی تعریف کے مطابق کرم (جس کے لغوی معنی کام یا عمل ہیں) پچھلے اعمال کی غیر مرئی تکمیل ہے اور اگرچہ ہندو مذہب میں جین مذہب کی طرح یہ کوئی اہم مقولہ نہ تھا۔ لیکن اس کے بارے میں اجتماع و انتشار کا تصور کارفرما تھا۔ کرم ہی کے ذریعہ حیات مابعد کا جسم حاصل ہوتا تھا خواہ وہ الوہی ہو یا انسانی یا حیوانی' یا جنمی۔ سابق کرم ہی پر انسان کا کردار' اس کی دولت' اس کے معاشرتی درجے اور اس کے مسرت و غم کا انحصار تھا۔ ہر عمل خیر کا جلد یا بدیر مسرت کی شکل میں نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور اس طرح ہر عمل بد کا نتیجہ پرالم ہوتا ہے۔

ضروری نہیں کہ کرم کے عقیدے میں جبر و قدر کا عقیدہ بھی شامل ہو۔ ہندو فلسفہ و فکر میں جبر و قدر کی جانب ایک رجحان اکثر ابھرا' لیکن اکثر علماء نے اس کو پیش نہیں کیا ہماری موجودہ حالت ناگزیر ہے لیکن یہ اس کرم کی وجہ سے ہے جو ہمارے سابق اعمال سے پیدا ہوا ہے۔ ہم کرم کے قانون سے اسی طرح فرار نہیں حاصل کرسکتے جس طرح قانون کشش سے یا امتداد زمانہ سے۔ لیکن اپنی قوت' بصیرت اور پیش بینی سے ہم کرم کو اپنے لئے مفید بنا سکتے ہیں۔

تناسخ کے سلسلے میں متعدد تعبیریں پیش کی گئی ہیں لیکن سب ہی مکاتب فکر اس امر پر متفق ہیں کہ روح عریانی کی حالت میں منتقل نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ ایک خول یا مادے

کے بہت سے لطیف خول ہوتے ہیں۔ ان خولوں کی حالت کا دارومدار سابق اچھائیوں یا برائیوں پر ہوتا ہے اور نئے جنم کا تعین ان غلافوں کی فطرت سے ہوتا ہے جن میں روح ملفوف ہوتی ہے۔ تناسخ لطیف جسم بشمول نفس و حس ششم سارے احساسات سے عاری ہوتا ہے اور اس لئے روح عام حالات میں پچھلے جسموں کو اور ایک جسم سے دوسرے جسم میں انتقال کو یاد نہیں رکھ سکتی۔ بہت ہی ترقی یافتہ ارواح کبھی کبھی اپنے پچھلے وجود کو یاد رکھتی ہیں اور کچھ فرقوں نے اس یاداشت کو برقرار رکھنے کے لئے مخصوص طریقے ایجاد کر رکھے تھے۔ برہما دیوتا کی زندگی بھر ارواح کا تناسخ ہوتا رہتا ہے حالانکہ ہر کائناتی دن یا کلپ کے اختتام پر یہ ارواح اس کے جسم میں صرف قوت کی حیثیت سے داخل ہوتی ہیں۔ کائنات کی قطعی فنا کے وقت جو سو (100) برہمی سالوں کے اختتام پر ہوگی وہ روحیں روح عالم میں جذب ہوجاتی ہیں اور ان کا کرم ختم ہوجاتا ہے۔

سمسار جو ایک جسم سے دوسرے جسم میں مسلسل انتقال ہے اور جس کا مقابلہ ایک ایسے پہیے سے کیا جاتا ہے جو ہمیشہ گھومتا رہتا ہے' لامحدود طریقے پر صبر آزما ہے۔ اور ہندو مذہب نے تناسخ سے نجات کی خواہش وراثت میں حاصل کی جو ہندوستانی فکر میں تقریبا" ہر جگہ موجود تھی۔ حالت رہائی یا نجات (مکتی) کے تصورات اور اس کے حصول کے طریقے آپس میں بہت زیادہ مختلف ہیں۔

CamScanner

چوتھا باب

یہودیت "غیر روحانی مذہب"

یہودی دینیات میں گناہ بنیادی تصور تھا۔ تاریخ میں کوئی بھی لوگ نیکی کے اس قدر شائق نہیں رہے ----- یہاں تک کہ پیوریتان آئے جنہوں نے لگتا ہے کہ کیتھولک صدیوں کی کسی تعبیر کے بعد عہد نامہ عتیق سے قدم نکالا۔ جسم کمزور اور قانون (شرع) پیچیدہ ہونے کے باعث گناہ ناگزیر تھا اور روح یہودیت بارش کی بندش سے لے کر سارے اسرائیل کی تباہی تک عموماً" گناہ کے نتائج کی سوچ میں ملفوف رہی۔ اس عقیدے میں سزا کی علیحدہ جگہ کے طور پر جہنم کا کوئی وجود نہ تھا' لیکن ارض کے نیچے شیول یا "ظلمت کی زمین" (جہاں اچھے اور برے تمام مردے ایک ہی طرح سے جاتے ہیں ' ماسوائے حنوک اور ایلیاہ جیسے خدا کے پسندیدہ لوگوں کے) جہنم جتنی بری ہو چکی تھی۔ تاہم یہودیوں نے قبر سے بعد کی زندگی پر بہت کم غور کیا۔ ان کے مسلک نے شخصی ابدیت کے بارے میں کچھ نہ کہا اور اپنی سزا و جزا کو اس عارضی زندگی تک ہی محدود رکھا۔ پوری زمین پر فتح مندی حاصل کرنے کی امید ختم ہونے کے بعد ہی یہودیوں نے' غالباً" فارس یا شاید مصر سے بھی' شخصی پیدائش نو کا نظریہ اپنا لیا۔ اسی روحانی حل قضیہ (Denouement) میں سے عیسائیت کا جنم ہوا تھا۔

نتیجہ گناہ کا خدشہ عبادت یا قربانی کے ذریعہ دور کیا جا سکتا ہے۔ "آریائی" قربانی کی طرح سامی قربانی کا آغاز بھی انسانی بھینٹوں کے ساتھ ہوا' پھر جانوروں کی باری آئی ---- " ریوڑوں کے اولین پھل" ---- اور پھر کھیتوں میں اگنے والی خوراک۔ آخر کار حمد کرنے پر تصفیہ ہو گیا۔ ابتداء میں کوئی بھی جانور' بشرطیکہ مرا ہوا یا پروہتوں کی جانب سے متبرک نہ قرار دیا گیا ہو' کھایا نہیں جا سکتا تھا اور ایک لمحے میں دیوتا کی نذر کر دیا جاتا۔ ختنہ کی رسم قربانی کی نوعیت میں شرکت عمل رکھتی ہے۔ گناہ کی طرح ماہواری اور بچے کی پیدائش بھی روحانی لحاظ سے ناپاک بنا دیتی تھی اور کلیسائی قربانی اور دعا کے ذریعے رسوماتی پاکیزگی کی متقاضی تھی۔ ہر موڑ پر ٹیبوز معتقد کی راہ روکے کھڑے تھے۔ گناہ نے تقریباً" ہر خواہش میں قباحت

CamScanner

پیدا کردی اور تقریباً" ہر گناہ کے لئے کفارہ ادا کرنے میں عطیات اور نذرانے درکار تھے۔

صرف پادری مناسب انداز میں قربانی پیش' یا عقیدے کی رسومات اور پیچیدگیاں درست طور پر بیان کر سکتے تھے۔ پادری ایک مقفل ذات تھے۔ جس سے تعلق لودی (یعقوب کا ایک بیٹا) کی اولادوں کے علاوہ کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ جائیداد ترکہ میں نہیں چھوڑ سکتے تھے' لیکن تمام ٹیکسوں یا جزیے سے مستثنیٰ تھے۔ انہوں نے اون کی کاشت پر عشری محصول لاگو کیا اور معبد میں پیش کردہ نذرانوں میں سے دیوتا کی باقی چھوڑی ہوئی چیزیں اپنے استعمال میں لاتے۔ خروج کے بعد پادری طبقہ کی دولت باز نمود آبادی کے ساتھ بڑھی۔ اور چونکہ اس پادریانہ دولت کا انتظام و انصرام' اضافہ پذیری اور حفاظت کافی اچھی تھی اس لئے انجام کار اس نے تھیبس اور بابل کی طرح یروشلم کے معبد ثانی کے پروہتوں کو بادشاہ سے زیادہ طاقتور بنا دیا۔

اس کے باوجود' کلیسائی قوت اور مذہبی تعلیم میں اضافہ عبرانیوں کی توجہ توہمات اور صنم پرستی سے ہٹا کر اپنی جانب کرنے کے لئے ہرگز کافی نہ تھا۔ گھروں کی چھتوں اور کنجوں میں بیگانے دیوتاؤں کو پناہ ملی اور خفیہ رسوم کی ادائیگی جاری رہی۔ لوگوں کی کافی بڑی اقلیت مقدس پتھر کے سامنے سر تسلیم خم' یا بعل اور عستارات کی پوجا یا بابلی انداز میں علم پر عمل کرتی رہی۔ یا انہوں نے شبیہیں قائم کیں اور ان کے سامنے لوبان جلایا' یا پیتل کے ناگ یا سنہری بچھڑے کے سامنے ماتھا ٹیکا' یا پھر معبد کو بت پرستانہ دعوتوں کے شور سے بھر دیا' یا قربانی میں اپنے بچوں کو "آگ میں سے گزارا۔" حتیٰ کہ سلیمان اور اہاب جیسے کچھ بادشاہ بھی غیر ملکی دیوتاؤں کی پیروی میں بھٹک گئے۔ ایلیاہ اور الیشع جیسے پاکیزہ لوگ سرفراز ہوئے جنہوں نے لازماً" پادری بنے بغیر ان اعمال کے خلاف تبلیغ کی اور اپنی زندگی کی مثال سے لوگوں کو راست بازی کی جانب راہ دکھائی۔ ان حالات اور ابتداؤں میں سے' اسرائیل میں غربت اور استحصال کے فروغ میں سے یہودی مذہب کی اعلیٰ ترین شخصیات آئیں ------ وہ جذبہ شوق سے سرشار نبی جنہوں نے نسل یہود کو پاکیزہ اور رفیع بنایا' اور اسے مغربی دنیا پر اپنی فاتحانہ تسخیر کے لئے تیار کیا۔

یہودیوں نے حیات بعد الموت کی زیادہ فکر تو نہ کی لیکن اپنی ذہنی اور عملی زندگی میں بہت سے توہمات کا شکار رہے۔ ان کا مذہب قدیم ارواح پرستی کا ہی عکس تھا۔ لہٰذا ان کے خدا یہوواہ کا تصور ہمیں ان کی مابعد الطبیعیات کو سمجھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اس خدا کے

تصور میں روح یا روح کلی کا تصور عیاں تو نہیں لیکن کہیں کہیں اس کی جھلک ضرور ملتی ہے۔ طریقہ عبادت اور رسومات پرستی بھی اسی حوالے سے قابل ذکر ہے۔

یہودی تاریخی منظرنامے میں پہلی مرتبہ خانہ بدوش بدوؤں کے طور پر نمودار ہوئے' جو ہوا کے جنات سے خوفزدہ تھے اور پتھروں' مویشیوں' بھیڑوں اور غاروں و پہاڑوں کی روحوں کو پوجتے تھے۔ بیل' بھیڑ اور بکرے کی پرستش نظرانداز شدہ نہ تھی۔ حضرت موسیٰ سنہری بچھڑے کی تزئین و آرائش سے اپنا ریوڑ قطعاً" نہ جیت سکتے تھے کیونکہ بیل کی مصری پرستش ان کے حافظوں میں ابھی تک تازہ تھی اور ایک طویل عرصہ تک یہ وحشی سبزی خور جانور یہواہ کی علامت بنا رہا تھا۔

قدیم یہودی تاریخ میں ناگ پوجا کے بے شمار نشان ملتے ہیں۔ قدیم ترین آثار قدیمہ سے ملنے والی ناگ شبیہوں سے لے کر موسیٰ کے بنائے اور حزقیاہ (720 ق۔م) کے دور تک معبد میں پوجے جانے والے پیتل کے ناگ تک۔ دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح یہودیوں میں بھی ناگ مقدس لگتا ہے۔ جزوا" مردانگی کی عضویاتی علامت اور جزوا" مثالی دانش' لطافت اور ابدیت کے طور پر —— ادبی اعتبار سے اس کی بڑے مشکل وقت میں گزارا کر لینے کی صلاحیت کی وجہ سے۔ کافی حد تک ہندوؤں کے "لنگ" کی مانند سیدھے مخروطی پتھروں میں علامتا" پیش کیا گیا بعل کچھ عبرانیوں کے لئے نر قاعدہ تولید' زرخیز زمین کے خاوند کے طور پر قابل تعظیم تھا۔ گھریلو دیوتاؤں کا کام سرانجام دینے والے فرشتوں یا ولیوں' اور پتلوں یا نقش پذیر بتوں کی پرستش میں بچی کھچی ابتدائی کثرت پرستی کی طرح انبیاء اور پادریوں کے احتجاج کے باوجود قدیم عقیدوں میں مروج جادوئی منتر بدستور موجود رہے۔ لگتا ہے کہ لوگوں نے موسیٰ اور ہارون کو بطور ساحر قابل تحسین جانا اور پیشہ ور غیب دانوں اور فسوں گروں کی سرپرستی کی۔ ایک دور میں پانسہ پھینک کر غیب بینی کی جاتی تھی —— دیوتاؤں کی مشیت معلوم کرنے کے لئے یہ رسم اب بھی زیر استعمال ہے۔ اس بات کا سہرا پادریوں کے سر ہے کہ انہوں نے ان وظائف کی مخالفت کی اور قربانی کے منتر' عبادت اور چندہ دہی پر بالتخصیص انحصار کی تبلیغ کی۔

آہستہ آہستہ یہواہ کا تصور پہلے قومی دیوتا کے طور پر صورت پذیر ہوا اور اس نے یہودی عقیدے کو میسوپوٹیمیائی عبادت گاہوں والی بے ترتیب تکثیریت سے بالاتر سادگی اور اتحاد دیا۔ بدیں طور پر فاتح کنعان کے ایک دیوتا "یاہو" کو اپنے ساتھ لے گئے'

اسے اپنے تصور کے مطابق سخت گیر، جنگجو اور اکڑی گردن والے دیوتا کی صورت میں اور تقریباً" قابل محبت حدود کے ساتھ دوبارہ بنایا۔ چونکہ یہ دیوتا معرفت کل کا دعویدار نہیں: وہ یہودیوں سے کہتا ہے کہ اپنے گھروں پر ذبیحہ جانوروں کے چھینٹے مار کر انہیں شناخت کریں تاکہ کہیں وہ انجانے میں مصریوں کے پہلے بچے کے ساتھ ساتھ ان کے بچوں کو بھی تباہ نہ کردے۔ وہ خطا سے بالاتر نہیں اور انسان اس کی بدترین خطا ہے۔ وہ آدم کو تخلیق اور ساؤل کو بادشاہ بننے کی اجازت دینے پر بہت بعد میں پشیماں ہوتا ہے۔ گاہے بگاہے وہ حریص، غضب ناک، خون کا پیاسا، من موجی اور تنگ نظر ہوتا ہے: "میں جس پر مہربان ہوں گا اسی پر مہربانی کروں گا، میں جس پر رحم کھاؤں گا صرف اسی پر رحم کروں گا۔" وہ لبان سے انتقام لینے میں یعقوب کی دھوکہ دہی منظور کرتا ہے۔ اس کا ضمیر کسی سیاستدان بشپ کے ضمیر کی مانند لچکدار ہے۔ وہ باتونی ہے اور لمبی تقریر کرنا پسند کرتا ہے۔ لیکن وہ شرمیلا ہے اور انسانوں کو اپنے پچھلے حصوں کے سوا کوئی چیز دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کبھی بھی کوئی دیوتا اس قدر بھرپور حد تک انسانی نہیں رہا۔

لگتا ہے کہ وہ دراصل صاعقہ (آسمانی بجلی) کا دیوتا ہوا کرتا تھا۔ اور پہاڑوں میں رہتا تھا اور اسی وجہ سے پوجا جاتا تھا کہ جب یہ کڑکا تو پرشباب گور کی عقیدت مند بن گیا۔ خمسہ موسیٰ کے مصنفین نے، جن کی نظر میں مذہب ریاست کاری کا ایک آلہ تھا، اس وکلن (آگ اور دھات کا رومی دیوتا) کو مارس (روم کا جنگی دیوتا) کی شکل دی، کہ ان کے مستعد و فعال ہاتھوں میں یہواہ غالب طور پر رب الافواج اور توسیع پسند خدا بن گیا جو اپنے لوگوں کے لئے "ایلیڈ" کے دیوتاؤں کی سی غضبناکی کے ساتھ لڑتا تھا۔ موسیٰ نے کہا: "خدا مرد جنگ ہے" اور داؤد اس کی بازگشت سناتا ہے: "اس نے میرے ہاتھوں کو جنگ لڑنا سکھائی۔" یہواہ نے وعدہ کیا کہ وہ یہودیوں کی جانب بڑھنے والے تمام لوگوں کو تباہ کردے گا اور حویوں، کنعانیوں اور حتیوں کو تھوڑا تھوڑا کرکے نکال باہر کرے گا۔ وہ یہودیوں کا فتح کردہ سارا علاقہ اپنا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ کوئی امن پسندانہ بیوقوفی نہیں کرتا۔ اسے معلوم ہے کہ ارض موعودہ بھی صرف تلوار کے ذریعہ جیتی اور اپنی ملکیت میں رکھی جاسکتی ہے۔ وہ جنگ کا دیوتا تھا، کیونکہ اسے ہونا پڑا۔ اسے ہلیل اور عیسیٰؑ کے نرم دل اور پیار کرنے والے دیوتا کا روپ بدلنے میں فوجی شکست، سیاسی ماتحتی اور ترقی کی کئی صدیاں درکار تھیں۔ وہ کسی چاہی جتنا ہی بیکار ہے۔ وہ غیر مختتم اشتہاء کے ساتھ خوشلد سنتا ہے اور مصریوں کو غرق کرکے اپنی

شجاعت کا مظاہرہ کرنے کے لئے بے قرار ہے: "جب میں نے فرعون سے زیادہ رتبہ حاصل کرلیا تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ میں خدا ہوں۔" اپنے لوگوں کی کامیابیاں حاصل کرنے کی خاطر وہ اس قدر نامرغوب مظالم کرنے کا حکم دیتا ہے جو ہمارے لئے ناگوار ہونے کے ساتھ ساتھ اس دور کی اخلاقیات کو بھی قابل قبول نہ تھے۔ وہ للی پٹ کے لئے لڑنے والے گولیور کی سی بے حس طمانیت کے ساتھ ساری ساری قوموں کو تہ تیغ کرتا ہے۔ وہ اس قدر غضب ناک ہے کہ سنہری بچھڑے کی پرستش کرنے پر تمام یہودیوں کو فنا کر دینے کا سوچتا ہے۔ اور موسیٰؑ نے دلیل بازی کے ساتھ اسے اپنا آپ قابو میں لانے کو کہا۔ انسان اپنے دیوتا کو بتاتا ہے: "اپنے شدید غضب کا رخ بدل دے اور اپنے لوگوں کے خلاف اس برائی سے تائب ہو۔" اور "دیوتا اس برائی پر نادم ہوا جو اس نے اپنے لوگوں پر نازل کرنے کا سوچا تھا۔" یہواہ ایک مرتبہ پھر موسیٰ کے خلاف بغاوت کرنے پر یہودیوں کی جڑیں اور شاخیں قطع کرنے کی تجویز دیتا ہے، لیکن وہ اس کی رحیم فطرت سے اپیل اور یہ سوچنے کی استدعا کرتا ہے کہ ایسی بات سننے پر لوگ کیا کہیں گے۔ وہ ابراہم سے ایک ظالمانہ آزمائش کا مطالبہ کرتا ہے ----- شدید ترین قسم کی انسانی قربانی۔ موسیٰ کی طرح ابراہم یہواہ کو اخلاقی اصول سکھاتا اور ترغیب دلاتا ہے کہ اگر سدوم اور گومورہ میں پچاس، چالیس، تیس، بیس، یا دس اچھے انسان بھی ہوں تو ان کو تباہ نہ کرے۔ وہ اپنے دیوتا کو تھوڑا تھوڑا کرکے شائستگی کی جانب لاتا اور اس انداز کی تصویر کشی کرتا ہے جس میں انسان کی اخلاقی ترقی اسے اپنے دیوتاؤں کی میعادی تخلیق نو پر مجبور کرتی ہے۔ نافرمانی کرنے کی صورت میں اپنے منتخب کردہ لوگوں کو دھمکانے کے لئے بددعائیں دشنام طرازی کے مثالی نمونے ہیں، جنہوں نے عدالت احتساب میں بدعتیوں کو جلانے یا سپینوزا کی کلیسا بدری کرنے والوں کو تحریک دی:

"شہر میں تم پر لعنت ہو، گاؤں میں تم پر لعنت ہو ----- تیرے بدن اور زمین کے پھل پر لعنت ہو ----- تو اندر ہو یا باہر جا رہا ہو تجھ پر لعنت ہو ----- خدا تجھے دق میں، بخار میں اور سوجن میں مبتلا کرے ----- خدا تجھے مصری دنبل میں، رسولیوں، خارش اور کھرنڈ میں مبتلا کرے، جن کا علاج نہ ہو سکے۔ خدا تجھے پاگل پن، اندھے پن اور دل کی بیماری سے دوچار کرے ----- اور ہر بیماری اور ہر آفت، جو کتاب قانون میں درج نہیں، خدا اس پر نازل کرے، حتیٰ کہ یہ فنا ہو جائے۔"

یہواہ واحد دیوتا نہیں تھا جس کا وجود یہودیوں نے یا خود اس نے تسلیم کیا۔ پہلے فرمان الٰہی میں وہ صرف یہ کہتا ہے کہ اسے باقی سب پر فوقیت دی جائے: "میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔ تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا۔ نہ کسی چیز کی صورت بنانا' جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور ان کی عبادت نہ کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں ----------" یسعیاہ سے پہلے تک یہودیوں نے شاذ و نادر ہی یہواہ کو تمام قبائل' حتیٰ کہ تمام عبرانیوں کا دیوتا خیال کیا۔ موآبیوں کا اپنا دیوتا کیموش تھا۔ بعلزیب اکرون کا دیوتا تھا اور ملکوم آمون کا: قدرتی طور پر ان لوگوں کی معاشی اور سیاسی علیحدگی پسندی اس چیز پر منتج ہوئی جسے ہم الہیاتی آزادی کہہ سکتے ہیں۔ موسیٰ نے اپنے مشہور گیت میں گایا' "اے خدا" تمام دیوتاؤں میں تیرے جیسا کوئی نہیں۔" اور سلیمان نے کہا' "ہمارا دیوتا تمام دیوتاؤں میں عظیم ترین ہے۔" اعلیٰ تعلیم یافتہ یہودیوں کے سوا سب نے تموز کو بطور حقیقی دیوتا خیال کیا' لیکن ایک دور میں اس کی پرستش یہوداہ میں اس قدر مقبول تھی کہ حزقی ایل نے شکایت کی کہ تموز کی موت پر رسوماتی گریہ زاری معبد کے اندر بھی سنی جاسکتی ہے۔ یہودی قبائل اتنے مختلف اور خودمختار تھے کہ یرمیاہ کے عہد میں بھی متعدد کے اپنے معبود تھے: یہوداہ' تیرے دیوتاؤں کی تعداد بھی تیرے شہروں جتنی ہے۔ اور ملول نبی اپنے لوگوں میں بعل اور مولاک کی پرستش کے خلاف احتجاج کرنے لگتا ہے۔ داؤد اور سلیمان کے دور میں سیاسی یکجہتی بڑھنے اور یروشلم کے معبد میں عبادت مرکوز ہونے کے ساتھ دینیات نے تاریخ اور سیاسیات پر غور و خوض کیا اور یہواہ یہودیوں کا واحد دیوتا بن گیا۔ اس "توحید ناقص" سے علاوہ انہوں نے انبیاء کی آمد تک توحید پرستی کی جانب مزید کوئی پیش رفت نہ کی۔ عبرانی مذہب یہوائی مرحلے میں بھی اخناتون کی یک روزہ سورج پوجا کے علاوہ کسی بھی اور قبل از انبیاء عقیدے کے مقابلے میں توحید پرستی کے قریب تر آگیا۔ کم از کم بابل اور یونانی کثرت پرستی کے جذبات اور شاعری میں ہم پلہ طور پر یہودیت جاہ و جلال اور قوت' فلسفیانہ اتحاد اور ادراک' اخلاقی گرمجوشی اور اثر و رسوخ کے اعتبار سے اپنے دور کے دیگر تمام مذاہب سے بہت زیادہ اعلیٰ تھی۔

اس کٹر اور متعین مذہب نے ان پرتکلف رسومات اور پرخوش تقریبات کو بھی شامل نہ کیا جو مصری اور بابلی دیوتاؤں کی پوجا کا خاص نشان ہیں۔ ایک آمرانہ معبود کے سامنے انسانی

بے وصفی کے احساس نے ساری قدیم یہودی فکر کو تاریک کر دیا۔ یہواہ کی پرستش کو رنگ اور آہنگ کے ساتھ خوبصورت بنانے کے لئے سلیمان کی کوششوں کے باوجود اس پرجلال دیوتا کی پرستش کئی صدیوں تک محبت کی بجائے خوف کا مذہب بنی رہی۔ ان عقائد کو پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے آپ سوچتے ہیں کہ آیا یہ انسانیت کے لئے اتنی تسکین بھی لائے تھے، جتنی کہ دہشت اور خوف۔ امید اور محبت کے مذاہب تحفظ اور نظم و ضبط کی دین ہیں۔ محکوم یا باغی عوام کے درمیان خوف پیدا کرنے کی ضرورت نے زیادہ تر قدیم مذاہب کو پراسراریت اور خوف کے عقائد بنا دیا تھا۔ عبادت گاہوں میں مذہبی صحائف رکھنے والی جگہ کا اچھوت پن اپنی رمزیت میں یہودی نسل کا کردار رکھتا ہے۔

CamScanner

پانچواں باب

بدھ مت' بے روح مذہب؟

اس بارے میں متضاد آراء پائی جاتی ہیں کہ گوتم بدھ نے اپنے خیالات میں روح کو کوئی جگہ دی تھی یا نہیں؟ یا جو روح کا تصور اس وقت بدھ مت میں ہے وہ کہیں بعد ازاں ہندومت کے اثر کا نتیجہ تو نہیں۔ یاد رہے کہ بدھ مت مذہب سے زیادہ ایک فلسفیانہ نظام ہے جس کی بنیاد چھٹی صدی قبل مسیح میں سدھارتھ گوتم نے ہندومت کی پوجا پاٹھ اور ذات پات میں جکڑے ہوئے سماجی نظام کے خلاف رکھی۔ ہندوؤں نے مختلف یگوں (ادوار) اور طبقات برہمن' کھتری' ویش' شودر کی طرح روحوں کے بھی رنگ متعین کر رکھے تھے۔ اعلیٰ ترین رنگ یعنی سفید برہمنوں اور پست ترین رنگ یعنی کالا شودروں کا تھا جو ان کی روح کو بھی متاثر کرتا تھا۔ برہمنوں کی حاکمیت اور مفت کی روٹیوں کا دارومدار تناسخ ارواح یا آواگون پر تھا۔ وہ روح کو اس کٹھن چکر سے نجات دلانے کے لئے ہی نذرانے وصول کرتے' یگیہ کرواتے اور منتر پڑھتے تھے۔ لہٰذا گوتم بدھ نے اس غیرانسانی اور مذہبی استحصال سے عوام کو نجات دلانے کے لئے آواگون کے نظریہ پر چوٹ کی اور عقیدہ لا روح پیش کیا۔ ایک روایت کے مطابق جب ایک نووارد بھکشو (راہب) نے بدھ سے پوچھا کہ انسان کے مرنے پر اس کی روح کہاں جاتی ہے؟ تو اس نے جواب دیا تھا کہ جب تم میرے سنگھ (جماعت) میں شامل ہوئے تھے تو کیا میں نے تمہیں اس سوال کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا۔ بھکشو نے کہا نہیں آقا۔ اور بات ختم ہوگئی۔

بدھ کے نظریہ لاروح کے مطابق اصل حقیقت تبدیلی ہے۔ یہ دلالت کرتی ہے کہ جو کچھ بھی حقیقی ہے وہ دائمی نہیں۔ کچھ بھی دائمی نہیں۔ قانون تغیر ہمہ گیر ہے۔ چنانچہ بدھ کسی دائمی یا ابدی روح پر یقین نہیں رکھتا۔ وہ روح یا نفس کے وجود سے انکار کرتا ہے۔ جسے ذہن کہتے ہیں وہ تصورات و خیالات کا بہاؤ ہے۔ سوچیں احساسات' خواہش وغیرہ ایک لمحے کی پیداوار ہیں۔ ہمارا ذہنی عمل شعور کے ایک بہاؤ جیسا ہے۔ اس بہاؤ سے ماورا کوئی

دائمی روح موجود نہیں۔ روح اور اکت کا بہاؤ ہے۔ نظریہ لاروح کی مراد دو چیزوں سے ہے۔ (1)۔ روح یا ذات غیر مستقل ذہنی اور جسمانی عوامل کا مجموعہ ہے' اور (2)۔ دنیا جوہر سے بنی ہے۔ یہ غیرپائیدار خصوصیات کا مجموعہ ہے۔ بدھ کہتا ہے کہ اگرچہ کوئی پائیدار جوہر موجود نہیں بلکہ بتدریج حالتوں کا ایک تسلسل موجود ہے جو ہماری زندگی کو متشکل کرتا ہے۔ بدھ اس مفہوم میں آواگون کا ماننے والا نہیں کہ روح ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں داخل ہوجاتی ہے۔ موجود نہ رہنے والی روح سے غیر ضروری لگاؤ دکھ کی وجہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تمام دکھوں کی جڑ "میں" کے احساس میں ہے۔ تصور ملکیت اور میرا تمہارا کا احساس روح کے غلط تصور کا نتیجہ ہے۔ روح کا ادراک اور نظارہ نہیں کیا جاسکتا اس لئے اس کا کوئی وجود نہیں۔ روح ہمارے تجربہ اور استدلال سے ماورا ہے۔

لہٰذا روح کا ناقابل ادراک' ناقابل نظارہ اور ناقابل احساس ہونا ہی بدھ کے نزدیک اس کے عدم وجود کی وجہ اور نظریہ لاروح کی بنیاد ہے۔ تاہم' جس طرح خالی پن اور لا شیئیست پر بھی ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور جس طرح علامہ اقبال نے ثبات کی نفی کرتے ہوئے بھی تغیر کو زمانے کا ثبات کہا تھا' اس طرح گوتم بدھ نے بھی دوبارہ جنم اور قانون کرم (عمل) پر یقین کیا۔ اس کی نظر میں "نروان" کا تجربہ عام عقلی ادراک سے زیادہ وسیع تھا۔ وہ نروان پانے یعنی چشم بینا سے اپنی ذات میں جھانکنے کو اعلیٰ ترین انسانی منزل قرار دیتا ہے۔ "نروان حاصل کرنے والا شخص موت کے بعد موجود رہتا ہے یا نہیں؟" اس سوال کا جواب بدھ نے یہ دیا کہ "بجھ جانے والا شعلہ شمال کی جانب گیا یا نہیں؟" بدھ مت کے مختلف فرقوں' مہایان' ہنایان اور تھیرواد وغیرہ نے روح اور نروان کے مطابق مختلف تصورات پیش کئے۔ یہاں ہم انہی کے حوالے سے غور کریں گے۔

بدھ مت کے عظیم ادب کے بنیادی مقدمات مابعدالطبیعیاتی نہیں بلکہ نفسیاتی ہیں۔ غم' تکلیف' عدم اطمینان اور دوسری گوناگوں ناخوشگواریاں جن کا حوالہ "دکھ" کے لفظ سے دیا جاتا ہے روزمرہ کی عام زندگی میں پوشیدہ ہیں انہیں صرف ترک "تشنگی" (تنہ) سے دور کیا جاسکتا ہے' اس کا ترجمہ اکثر "نفس امارہ" بھی کیا جاتا ہے جس میں ذاتی حوصلے' آرزوؤں اور تمناؤں کے علاوہ ہر طرح کی خودغرضیاں شامل ہیں راسخ لااعتقاد قسم کی مذہبی تعلیمات کے مطابق اس تشنگی کا سبب فطری بلکہ غلط انفرادیت کا تصور ہے۔ یعنی یہ کہ ہر ذی حیات کے اندر ایک مستقل بطن البطون' ایک روح ہے' ایک طرف تو اس عقیدے کی حمایت ابتدائی

تمعلو میں سارے بدھی فرقوں نے کی لیکن دوسری طرف دور حاضر کے علماء اس کے منکر ہیں کہ مہاتمابدھ نے اس کی تعلیم دی ہے اور وہ اس امر کے مدعی ہیں کہ مہاتمابدھ نے روزمرہ زندگی کے کمتر مہار پر ترک خودی اور ترک انفرادیت کی تعلیم دی لیکن انہوں نے ایک ازلی روح کے وجود کو برقرار رکھا' ہمارے لئے اس مفروضہ پر یقین کرنا مشکل ہے باوجود اس کے کہ پالی صحائف میں چند واضح ناہمواریاں ہیں اگر ہم مہاتمابدھ کی داستان زندگی پر اعتماد کرسکتے ہیں تو شجر دانش کے نیچے انہیں جو علم حاصل ہوا اس کی داستان حیرتناک طور پر طبع زاد ہے اور صرف اپنشدی داناؤں کے علم کی تکرار نہیں ہے جس میں بہت کم تبدیلیاں لائی گئی ہیں۔

مہاتمابدھ کا دیا ہوا عقیدہ جو بھی رہا ہو لیکن بدھ مذہب کی بنیادی تعلیمات کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا۔

اس عقیدے کا طریقہ کار یقیناً" بہت مبہم ہے' لیکن اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ خواہش جو مہاتما بدھ کے پہلے وعظ کے مطابق انسانی مصائب کی تہہ میں ہے اس کا قطعی نتیجہ جہالت ہے۔ یہ ایک ایسی کائناتی جہالت ہے جو خودی کے فریب کی جانب رہنمائی کرتی ہے اس جہالت کا قریب ترین رابطہ کائنات کے بنیادی مزاج سے ہے جس کی تین خصوصیات ہیں یہ معمور غم ہے (دکھ)' یہ فانی ہے (انچ) اور یہ بلاروح ہے (انت)۔

کائنات مغموم ہے بدھ مذہب کے ماننے والے یہ دعویٰ نہیں کرتے تھے کہ دنیا میں مسرت تھی ہی نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ کسی نہ کسی شکل میں غم زندگی کے ہر پہلو میں ناگزیر ہے "جس طرح سمندر کا صرف ایک مزا ہے" مہاتما بدھ نے کہا ہے "اس طرح میرے عقیدے کا بھی صرف ایک مزہ ہے (غم سے نجات کا مزہ) روزانہ زندگی میں غم سے بہت زیادہ دنوں تک فرار نہیں حاصل کیا جاسکتا۔"

یہ کائنات فانی ہے کہیں پر بھی کوئی مستقل وجود نہیں ہے اس موضوع پر بدھ مذہب اور ہیراکلیٹس کی تعلیمات میں اشتراک ہے' ہر وجود یا شے وہ کتنی ہی ثابت اور متجانس کیوں نہ ہو درحقیقت فانی اور مرکب ہے' انسان جو خود کو ازلی اور منفرد سمجھتا ہے' فی الحقیقت مرکب ہے پانچ نفسی و جسمی عناصر سے۔ جسم' جذبات' محسوسات' ذہنی احوال و شعور' یہ پانچوں ہر لحہ متغیر ہیں اور ان کی کوئی مستقل بنیاد نہیں ہے' ایک بوڑھا آدمی بظاہر وہی شخص نہیں ہے جو آج سے ستر سال قبل گود میں کھیلتا ہوا بچہ تھا اور بالکل اسی طرح وہ اطمینان نہیں ہے جو ابھی ایک لحہ پہلے تھا' ہر لحہ وہ بوڑھا انسان ختم ہوتا رہتا ہے اور ایک

CamScanner

نیا انسان جس کی علت پہلا انسان ہے وجود میں آتا رہتا ہے' بدھ مذہب وجود کا قائل نہیں ہے بلکہ ہوجانے کا قائل ہے' ہر چیز واقعات کے لحاتی ترکیبی اجزا میں مدغم ہوتی رہتی ہے یہ کائنات ہر دم متغیر ہے اور ثبات کا سارا تخیل اسی بنیادی جہالت کا ایک حصہ ہے جس سے غم پیدا ہوتا ہے۔

اسی طرح کوئی بھی روح لافانی نہیں ہے یہ کائنات ہے' روح کے تناسخ میں کوئی چیز بھی ایک زندگی سے دوسری زندگی میں انتقال نہیں کرتی -------- صرف ایک نئی زندگی واقعات کی زنجیر کی ایک کڑی کی حیثیت سے ابھرتی ہے جس میں بوڑھا بھی شامل تھا' دیوتا بھی روح ہیں اور اپنشدوں میں جس روح عالم کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایک فریب ہے' چنانچہ بدھ مذہب کا ہنایان فرقہ بے روح ہے اور جس کا کوئی خدا نہیں' کوئی بھی بدھی عالم اتنا دریدہ دہن نہیں تھا کہ دیوتاؤں کے وجود کا بالکل ہی انکار کرجاتا' لیکن ان کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کسی طرح بھی مافوق الفطرت یا انسان سے مختلف نہیں ہیں' بس یہ فرق ضرور ہے کہ ان کو عظیم تر مسرتیں اور اختیار حاصل ہیں۔

تناسخ کے عقیدے کو مہاتما بدھ نے اس وقت کے عام عقائد سے مستعار لیا تھا لیکن مندرجہ بالا مقدمات کی روشنی میں اس کے عمل کی تشریح مشکل ہوجاتی ہے اگر کوئی چیز ایک زندگی سے دوسری زندگی میں منتقل نہیں ہوتی تو ایک نومولود وجود کسی طور پر بھی اس وجود سے متعلق نہیں سمجھا جاسکتا جو مرچکا ہے اور جس کے اعمال نے موجودہ احوال کی تشکیل کی ہے پھر بھی وہ نیا وجود پچھلے وجود کے اعمال کے نتیجے میں مصائب و آلام سے دوچار ہوتا ہے یہ اعتراض اکثر بدھ مذہب کے مخالفین نے اٹھایا اور اس کا جواب چراغ کی لو کی تمثیل سے دیا گیا ہے جو دوسرے چراغ کو روشن کرسکتی ہے اور خود گل ہوجاتی ہے' اس تشبیہہ کے غیر تشفی بخش ہونے کے نتیجہ میں یہ بات کہی گئی کہ وہ بوڑھا آدمی اگرچہ وہی نہیں ہے جیسا کہ نوجوان تھا بیماری میں اپنی نوجوانی کی بداعمالیوں کے نتیجے میں مبتلا ہوتا ہے' اسی طرح ایک وجود کسی سابق وجود کی بداعمالیوں کی سزا بھگت سکتا ہے جو علت معلول کی اس زنجیر کی ایک کڑی ہے جس نے اسے موجودہ وجود تک پہنچایا ہے "فرد" اور "شخص" اور اسی طرح کی دوسری اصطلاحات ان جداگانہ لحاتی واقعات کے سلسلے کے محض آسان نام ہیں جو غیر معینہ طور پر جاری ہیں بالکل اسی طرح جیسے "رتھ" ایک آسان نام ہے' لکڑی اور معدنی اشیا کے ان ٹکڑوں کے مجموعہ کا جن کو ایک مخصوص انداز میں ترتیب دیا گیا ہے۔

استھوروادبدھ مسلک میں اگر کسی چیز کی کوئی مستقل حیثیت ہے تو وہ نروان (پالی میں اس کو نبان کہتے ہیں) ہے، یہ اس خیرو برکت کی حالت ہے جس کو بدھوں اور ارھاتوں یا اکمل جوودون نے حاصل کیا تھا ایک عام انسان جس نے اس کا تجربہ نہیں کیا ہے نروان کو نہیں سمجھ سکتا اور کچھ قدیم مغربی مفکرین کی رائے میں یہ فنائے کامل ہے۔ مہاتما بدھ کی طرف یہ بیان منسوب کیا جاتا ہے "میں نے یہ نہیں کہا ہے کہ مرنے کے بعد ارہنت کا وجود رہتا ہے اور میں نے یہ نہیں کہا کہ اس کا وجود نہیں رہتا ہے ------ کیونکہ ------ یہ روحانی کیفیت کا ترفع نہیں ہے اور نہ ہی یہ عقل اعلیٰ کا حصول ہے" اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نروان ایک کیفیت کا نام ہے نہ کہ بقا یا فنا کا۔ ارسطو کے قانون استثنائے متوسط کا نفاذ کبھی بھی ہندوستانی افکار پر نہیں ہوا اور ایک تیسری حالت جو وجود اور عدم وجود دونوں ہی سے بالاتر ہے ناممکن نہیں تصور کی جاتی تھی اگر پوری دنیا تغیر کی کیفیت میں ہے اور رواں ایک سکون کی حالت ہے تو یہ بھی کوئی قول متناقض نہیں ہے کیونکہ نروان کا تعلق ماورائے کائنات سے ہے یہ اس کی تہہ میں تو ضرور ہے لیکن اس کا جز نہیں ہے۔

یہ نظریہ اپنشدوں کے "روح عالم" کی نظریہ سے بہت زیادہ مختلف اور بجائے اس کو فنا کی ایک کیفیت سمجھا جاتا۔

چھٹا باب

جین مت کی "جیو"

مہاتما بدھ کے معاصرین میں بہت سے وسیع المشرب مذہبی معلمین تھے' ان میں سے ایک وردھمان تھے جو اپنے ماننے والوں میں مہابیر (شجاع اعظم) کے نام سے معروف تھے' جین مذہب (فاتحوں کا مذہب' جینا) جس کی بنیاد انہوں نے ڈالی بدھ مذہب سے بہت سے مقامات پر بہت بااثر بھی ہوگیا لیکن یہ مذہب کبھی بھی ہندوستان سے باہر نہیں پھیلا' بدھ مذہب کے برخلاف جین مذہب کے اصولوں اور ضابطوں میں کوئی بنیادی تبدیلی یا تغیر وقوع پذیر نہیں ہوا تھا۔

موریہ اور گپت عہد کے درمیان جین مذہب مشرق میں اڑیسہ سے لے کر مغرب میں متھرا تک پھیلا ہوا تھا' لیکن بعد کے زمانے میں یہ مذہب بالخصوص دو علاقوں میں مرکوز ہوگیا تھا۔ کاٹھیاواڑ گجرات اور راجستھان کے کچھ حصے جہاں شوئمبر فرقے والوں کا اثر تھا وادی گنگا کا علاقہ جو جین مذہب کا ابتدائی وطن تھا اس سے بالکل غیر متاثر رہا۔

اگرچہ جین صحائف اپنی آخری شکل میں بہت بعد میں مرتب ہوئے لیکن جینوں کے دونوں فرقوں کی بنیادی تعلیمات میں اتنا خفیف فرق ہے کہ دونوں کی بنیادی تعلیمات بے شک بہت قدیم معلوم ہوتی ہیں اور یقینی طور پر وہ وہی تعلیمات ہیں جو مہابیر نے دی تھیں۔ بدھ مذہب کی طرح جین مذہب بھی بنیادی طور پر مائل بہ الحاد ہے' اگرچہ وہ دیوتاؤں کے وجود کا منکر نہیں ہے' لیکن نظام کائنات میں ان کا کوئی اہم کردار نہیں تسلیم کرتا۔

جینیوں کے نزدیک اس دنیا کو نہ تو کسی خاص دیوتا نے پیدا کیا ہے' نہ وہ اس کا نظام چلاتا ہے اور نہ ہی وہ اس کو برباد کرتا ہے بلکہ یہ دنیا کائناتی قانون کے مطابق عمل کرتی رہتی ہے۔ یہ کائنات ابدی ہے اس کا وجود گردشوں کی لاتعداد تعداد میں منقسم ہے ہر گردش ترقی کے ایک عہد اور زوال کے ایک عہد پر مشتمل ہے آخری عہد کی طرح ہر عہد میں چوبیس تیر تھنکر' بارہ آفاق شہنشاہ (چکرورتی) اور مجموعی طور پر تریسٹھ عظیم انسان ہوتے ہیں جو

اس گردش میں ایک مستقل وقفہ پر رہتے ہیں' اس عہد کی معراج میں انسانوں کا قد بہت بڑھ جاتا ہے اور ان کی عمریں بہت زیادہ ہوجاتی ہیں انہیں قوانین یا ملکیت کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اشجار آرزو (کلپ ورکھ) انہیں ان کی ضرورت کی ہر چیز فراہم کرتے ہیں' اس وقت دنیا بڑی تیزی کے ساتھ زوال پزیر ہورہی ہے' اس عہد کا آخری تیر تھنکر اپنے زوان کی قطعی منزل میں پہنچ چکا ہے اور بتدریج صحیح مذہب ختم ہوجائے گا۔ مہابیر نے اپنے علم کل کی بنیاد پر اس عہد کے آخری جین کا نام اور پتہ بھی اپنے پیروؤں کو بتا دیا تھا' زوال کا یہ سلسلہ چالیس ہزار برس تک چلتا رہے گا' جب انسان اپنے قد کے اعتبار سے بونے ہوجائیں گے ان کی عمر صرف بیس برس کی ہوگی اور تمدن کی ساری چیزوں کو بھلا کر یہاں تک کہ آگ کا استعمال بھی بھول جائیں گے غاروں میں رہیں گے تب پھر حالات بدلیں گے اور ان میں پھر ارتقا شروع ہوگا تاکہ ایک بار پھر زوال پزیر ہوں اور پھر اسی طرح ابد تک ہوتا رہے گا بدھوں اور ہندوؤں کے علم الکائنات کے برخلاف جینیوں کے علم الکائنات میں کوئی ایسا قہر عظیم نہیں ہے جو کائناتی تباہی و بربادی کا سبب ہو۔

یہ کائنات زندہ ارواح (جیو) کے اور پانچ قسم کے غیرجاندار وجود اجیو کے باہم دگر عمل سے چلتی رہتی ہے وہ پانچ غیرجاندار وجود یہ ہیں:۔

(1) ایتھر (آکاش)' (2) حرکت کا ذریعہ یا حالت دھرم' (3) سکون کا ذریعہ یا حالت آدھرم' (4) وقت (کال) اور (5) مادہ (گل) ارواح صرف جانوروں اور نباتات کی زندگی کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ وہ پتھروں چٹانوں بہتے ہوئے پانی اور بہت سی دوسری فطری اشیا میں پائی جاتی ہیں جنہیں دوسرے جاندار تصور نہیں کرتے۔

روح اپنی فطرت کے اعتبار سے منور علیم اور مبارک ہے اس کائنات میں ارواح کی لامتناہی تعداد ہے جو سب بنیادی طور پر مساوی ہیں' لیکن ایک لطیف جوہری شکل میں مادہ کی آلائش کی وجہ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں' یہ لطیف مادہ جو انسانی بصیرت سے ماورا ہے کرم ہے جو ان نقائصوں کا ایک غیرمادی وجود ہے جن کی تعبیر مادی اعتبار سے پیش کی جاتی ہے یہ فطری طور پر منور روح' کرم کے مادے کی وجہ سے دھندلی اور تاریک ہوجاتی ہے اور اس طرح پہلے اسے ایک روحانی جسم عطا ہوتا ہے' اور پھر مادی جسم۔ روح کی اس دھندلاہٹ کی تشبیہہ اس روشن روغنی سطح سے دی گئی ہے جو گردوغبار کی تہوں کے جمنے کی وجہ سے ماند پڑ گئی ہو کرم روح کے ساتھ عمل کے نتیجے کے طور پر شامل رہتا ہے۔ ہر

CamScanner

عمل کسی نہ کسی طرح کرم کو پیدا کرتا ہے لیکن ظالمانہ اور خود غرضانہ قسم کے افعال دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ خطرناک قسم کے کرم کا باعث ہوتے ہیں' پہلے سے حاصل کردہ کرم دوسرے کرم کے حصول کا سبب بنتا ہے اور اس طرح آواگون کا چکر غیر معینہ طور پر چلتا رہتا ہے۔

ان قرائن کی بنیاد پر آواگون سے اسی صورت چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے جب اس کرم کو ختم کردیا جائے جو پہلے ہی روح کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور یقین دلاتا رہتا ہے کہ اب مزید کی ضرورت نہیں ہے یہ ایک ست رو اور دشوار سلسلہ ہے اور یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ بہت سی روحیں اس کو انجام دینے میں ناکام رہیں گی بلکہ ابد تک تناسخ میں پھنسی رہیں گی' کرم کی فنا (نرجرا) اسی وقت عمل میں آتی ہے جب انسان ریاضت شاقہ میں زندگی بسر کرے اور روح میں ہجوم (آشرو) کا تدارک (سم ور) اور کرم کا یقین (بندھ) صرف ایک محکم طور پر باضابطہ کردار سے متعین ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں یہ خطرناک قسم کی کیفیتں میں داخل نہیں ہوپاتی اور فوراً منتشر ہوجاتی ہے جب روح قطعی طور پر اپنے کو آزاد کرلیتی ہے تو فوراً کائنات کے نقطہ کمال تک اس کا ارتفاع ہوتا ہے جو فلک الافلاک سے اوپر ہوتا ہے اور یہاں وہ ابدالاباد تک ایک معطل ہمہ دانی کے عالم میں رہتی ہے۔

اگرچہ جین فلسفیوں نے اپنے اصول و ضوابط اور عملیات کے تصور کو بڑی لطافت سے نکھارا اور ترقی دی لیکن یہ تعلیمات بالکل ہی حتغیر رہیں' مہاویر اور دوسرے تیئیس (23) تیر تھنکروں کی پوجا مہاتما بدھ اور ہندو دیوتاؤں کی طرح ہوتی رہی لیکن جین مذہب نے اپنی دہریت میں کوئی مصالحت نہیں کی اور اس فرقے میں کوئی ایسی شاخ نہیں پیدا ہوسکی جس کا مقابلہ بدھ مذہب کی شاخ "مرکب اکبر" سے کیا جاسکے۔ جین مذہب دو ہزار سال سے زائد مدت سے اپنی صرف انہی تعلیمات کی بنیاد پر زندہ ہے۔

مکمل نجات عام انسان کے لئے ممکن نہیں اس معاملے میں جین مذہب کا اختلاف بدھ مذہب اور ہندو مذہب سے ہے جو صرف مستثنیات میں اس چیز کو مانتے ہیں نروان حاصل کرنے کے لئے تمام بندشوں کو توڑنا پڑے گا اس میں لباس کی بندش بھی شامل ہے جو طویل فاقہ کشی' اذیت کوشی' مطالعہ اور مراقبہ ہی کے ذریعہ کرم سے نجات مل سکتی ہے اور شدید ترین ضبط نفس ہی کے ذریعہ نئے کرموں کو روح کے اندر داخل ہونے سے روکا جاسکتا ہے اس لئے نجات کے لئے ایک خانقاہی زندگی ضروری ہے۔ کائنات بہت تیزی کے ساتھ زوال

CamScanner

پذیر ہو رہی ہے اور کوئی روح بھی نروان نہیں حاصل کر رہی ہے اور نہ ہی مستقبل قریب میں نروان حاصل کرنے کی کوئی امید ہے' چنانچہ اس پست اور ذلیل دور میں انسانی کمزوری کی رعایت کی خاطر لباس پہنے جاتے ہیں۔

جین مت کے صحائف میں کئی جگہوں پر روح کا ذکر ملتا ہے۔

دگمبر شاخ کی تعلیمات کی مثال درج ذیل اشعار میں ملے گی جو اپنی جامعیت کے اعتبار سے ممتاز ہیں ان اشعار کا مصنف چوتھی صدی عیسوی کا بھکشو پاد ہے:

"جسم' گھر' دولت' اور بیوی
اولاد' دوست' اور دشمن
سب کے سب روح سے مختلف ہیں
صرف ایک بیوقوف ہی انہیں اپنا سمجھتا ہے۔"

"چڑیاں تمام سمتوں سے آتی ہیں
اور شاخوں میں ایک ساتھ آرام کرتی ہیں
لیکن صبح کے وقت ہر چڑیا اپنی اپنی منزل کی طرف پرواز کرجاتی ہے
اور ہر سمت میں اڑنے لگتی ہے۔"

"موت میرے لئے نہیں ہے پھر میں کیوں ڈروں؟
بیماری میرے لئے نہیں ہے پھر میں کیوں ڈروں؟
میں کوئی بچہ نہیں ہوں نہ ہی میں جوان یا بوڑھا ہوں
یہ تمام میرے جسم کی حالتیں ہیں۔"

"روح ایک چیز ہے اور مادہ دوسری
یہی سچائی کا جوہر ہے
اس کے علاوہ جو کچھ بھی کہا جائے
وہ محض اس کی توضیح ہے۔"

CamScanner

آجی وک

ایک تیسرا آزاد فرقہ جو جین مذہب اور بدھ مذہب کے ساتھ ساتھ ابھرا آجی وکوں کا تھا یہ ایک ایسے درویشان مرتاض کا گروہ تھا جو تقریباً" جینیوں ہی جیسے شدید قسم کے ضبط نفس کے اصول پر عمل کرتے تھے' اس اصول میں مکمل برہنگی شامل تھی اس فرقے کے بانی گوشال مسکری پتر کے ضوابط اپنی اصل الاصول کے اعتبار سے اپنے ہمعصر اور سابق دوست مہاویر کے ضابطوں سے مماثل ہیں مہاویر ہی کی طرح انہوں نے قدیم علماء اور درویشوں کی پیروی کی جن کی تعلیمات کو انہوں نے فروغ بخشا اور ترقی دی' بدھی اور جینی دونوں ہی روایات کے مطابق ان کا تعلق ایک کمتر درجے کے خاندان سے تھا۔

آجی وکوں کی کوئی مذہبی تحریر ہم تک نہیں پہنچی اور ان کے متعلق ہماری جو معلومات ہیں ان کی از سرنو تشکیل و ترتیب بدھ مذہب اور جین مذہب کے مباحثوں سے ہوتی ہے یہ فرقہ یقینی طور پر ملحدانہ نظریات رکھتا تھا اور اس کی اہم خصوصیت شدید جبریت تھی عام طور پر کرم کے ضابطہ کی تعلیم یہ تھی کہ اگرچہ ایک انسان کی موجودہ حالت کا تعین اس کے گزشتہ افعال سے ہوتا ہے لیکن وہ اپنی تقدیر پر اس زندگی میں اور مستقبل میں خوش کرداری کو اختیار کرکے اثرانداز ہوسکتا ہے آجی وک کے فرقے کے ماننے والے اس کے منکر تھے پوری کائنات اپنی جزئی تفصیل کے ساتھ ایک غیر شخصی کائناتی اصول سے متعین اور مشروط ہوتی ہے اور یہ اصول "نیتی" یا تقدیر ہے' چنانچہ تناسخ کے سلسلہ کو کسی طرح بھی متاثر کرنا ناممکنات میں تھا۔

"تمام اشیاء جن میں سانس ہے تمام اشیاء جو جنم لیتی ہیں تمام اشیاء جن میں زندگی ہے طاقت' قوت یا اچھائی سے محروم ہیں بلکہ ان کا نشو و نما تقدیر اتفاق اور فطرت سے ہوتا ہے اور وہ وجود کے چھ درجوں میں مسرت و غم کا تجربہ کرتی ہیں' چوراسی لاکھ (8,400,000) ایسے بڑے یگ (مہاکلپ) ہیں جن میں سے نادان و دانا یکساں طور پر گزریں گے۔ اور اس طرح غم کا اختتام ہوگا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ خوش کرداری' اقرار صالح' ریاضت شاقہ یا پاکبازی کے ذریعہ نامکمل کرم مکمل کرلیا جائے یا اسی فعل کو ختم کردیا جائے جو پہلے تکمیل کو پہنچ گیا ہے یہ کبھی نہیں کیا جاسکتا' سمسار کے پیمانہ سے اس کو اس کی مسرت اس کے غم اور اس کے مقررہ اختتام سے بدلا جاسکتا ہے اس کو نہ تو کم کیا جاسکتا ہے اور نہ بڑھایا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی زیادتی یا کمی ہوتی ہے جس طرح تاروں کی ایک گیند

ہوتی ہے کہ جب اسے پھینکا جاتا ہے تو وہ پورے طور پر کھل جاتی ہے بالکل اسی طرح نادان و دانا یکساں طور پر اپنی راہ چلتے ہیں اور غم کا انسداد کر دیتے ہیں۔"

اگرچہ انسان کا کوئی عمل بھی اس کی تقدیر پر اثر انداز نہیں ہو سکتا لیکن آجی وک بھکشو شدید قسم کی ریاضتیں کرتے تھے کیونکہ جبر تقدیر نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا حالانکہ ان کے مذہبی حریف ان پر جنسی و اخلاقی کج روی کا الزام لگاتے تھے۔

دراوڑی آجی وکوں نے اپنے ضوابط کو بدھ مذہب کی شاخ "مرکب اکبر" کے انداز پر مرتب کیا، گوشال کو مہایان شاخ (مرکب اکبر) کے بدھ کی طرح ایک ناقابل بیان دیوتا کا رتبہ حاصل ہو گیا جبکہ تقدیر کا نظریہ ایک طرح کے پرمینڈین (Parmenidean) نظریے میں ارتقاپزیر ہوا جس کی رو سے تغیرات اور ساری حرکات فریب ہیں اور یہ دنیا فی الحقیقت ابدی طور پر بغیر کسی حرکت کے ساکن ہے یہ نظریہ ناگ ارجن کے نظریہ خلا سے کچھ کچھ مماثلت رکھتا ہے۔

ساتواں باب

زرتشت مت

زرتشت (660 تا 550 ق.م) نے شیطان کی پرستش کرنے والوں اور برے انسانوں کا مذہب تبدیل کیا۔ زرتشت مت آریائی نسل کا مذہب رہا ہے۔ اس میں اور ہندومت میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ دونوں ہی میں سوما ہوما پرستش کی اعلیٰ ترین اگنی (آتش) مرکزی دیوتاؤں میں سے ایک ہے۔ تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ زرتشت نے پرچار کیا کہ ہر مفید اور اچھی چیز اہورامزدا (خدائے علیم و خبیر) جبکہ ہر شرانگیز اور بری چیز اہرمن (شیطان) کی تخلیق ہے۔ یہ دونوں قوتیں یعنی اہورا مزدا اور اہرمن بالترتیب نور اور ظلمت ہیں۔ زرتشت نے نفی، تباہی، جھوٹ، جہالت بدی کو بری روح اور صداقت، ایمانداری، بدن و ذہن کی پاکیزگی کو مقدس یا پاک روح قرار دیا موت کے بعد نیک روحیں اہورامزدا کے مسکن میں قیام پذیر ہوتی ہیں۔

زرتشت کے مطابق اہورا مزدا کی تخلیقی خواہش اور سوچ کی تجسیم سپنیتامینیو یا روح القدس ہے۔ وہ اہورامزدا کے تصور جیسے ہی مثالی یا کامل وجود کی علامت ہے۔ تخلیق میں الوہی سوچ نے جب مادی صورت اختیار کی تو غیر کاملیت سامنے آئی اور روح القدس پر اہرمن کا سایہ پڑ گیا۔ یہ دونوں نیک اور بری روحیں جڑواں ہیں اور خدا کی چھاتی میں سے پیدا ہوئیں۔ پاک روح نے اپنی خلقی خصوصیت کی وجہ سے راستبازی جبکہ شیطانی روح نے مکاری کی راہ منتخب کی۔ شیطانی روح انسان کو مختلف طریقوں سے اپنی طرف مائل کرتی ہے۔

انسان فنا پذیر جسم اور لافانی روح سے بنا ہے۔ دانش یا استدلال کے علاوہ انسان کی اہم ترین روحانی صلاحیتیں ضمیر (نیک و بد کی شناخت)، روح اور محافظ روح ہیں۔ انسان اپنے ارادے میں آزاد ہے۔ وہ اپنے اچھے اور برے اعمال کرنے میں خودمختار ہے۔ اہورامزدا کی دو روحوں نے اپنی مرضی سے اچھائی اور برائی کی راہیں اختیار کیں۔ انسان کا ضمیر اسے نیکی اور بدی کی تمیز عطا کرتا ہے۔ جب کوئی راست باز آدمی مرتا ہے تو اس کا ضمیر اگلی دنیا میں اسے

مبارکباد دیتا ہے اور بے مثال حسن کی مالک دوشیزہ کے روپ میں خوش آمدید کہتا ہے۔ اس کے بے نظیر حسن سے خیرہ زدہ روح پوچھتی ہے کہ وہ کون ہے۔ دوشیزہ جواب دیتی ہے کہ وہ کوئی اجنبی نہیں۔ وہ ان اچھے خیالات' الفاظ اور اعمال کی شخصی صورت ہے جو اس روح نے اپنی زمینی زندگی کے دوران سوچے' کہے یا کئے تھے۔ دوسری طرف بدکار انسان کو آزمائش کے ایک تنگ پل سے' ایک بدصورت بوڑھی عورت کے ہمراہ گزرنا ہوتا ہے۔

زرتشت کی "گاتھاؤں" (صحائف) میں مقدس روح اہورامزدا سے علیحدہ ہے۔ بعد کے دور میں دونوں ایک ہی ہو گئے۔ 320 قبل مسیح میں اہل فارس ہستی کی دو بنیادی علتوں پر یقین رکھتے تھے۔ ایک تو نور یا باپ' اور دوسری تاریکی یا ماں۔

آٹھواں باب

کنفیوشیت

کنفیوشیت کا تعلق بنیادی طور پر اخلاقیات اور انسان کے سماجی پہلوؤں سے ہے۔ کنفیوشس کو عموماً" اخلاقیات کا معلم کہا جاتا ہے۔ اس نے خدا سے زیادہ انسان اور معاشرے میں انسان کے فرائض پر زور دیا ہے۔ کنفیوشس توثیق کرتا ہے کہ تمام انسان الوہی طور پر اچھے ہیں۔ اس نے کہا کہ تمام انسان پیدائش کے وقت اچھے ہوتے ہیں لیکن بہت سے لوگ آخر تک اچھے نہیں رہتے۔ کنفیوشس خلوص دل کے ساتھ معاشرے کی بھلائی' بہتری اور بہبود کا متمنی تھا۔ امن اور ہم آہنگی اس کا مثالی سماجی نظریہ ہے۔ اس کے چار بنیادی نظریے ہیں:

1- "Li" - درست راستہ یا درست رویہ۔ یہ ہماری داخلی فطرت اور رویے کا بنیادی اصول ہے۔
2- "Yi" - چیزوں کو سرانجام دینے کا بہترین انداز جو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ اپنی اپنی فطرت کے مطابق کام کریں اور یہی بہترین ہے۔
3- "Jen" - ساکھ' یعنی سماجی اعتبار سے بہترین کام کرنے پر آمادگی۔
4- "Chih" - اعلیٰ ترین مذہبی نمونہ۔ ایک مثالی حالت جو درجہ بدرجہ حاصل ہوتی ہے۔

چینی فکر بنیادی طور پر انسانیت پسندانہ ہے۔ چینی زندگی پر طاقتور انسانیت پسندانہ اثر کے نتیجہ میں چینی فکر مافوق الفطرت ہستیوں سے تعلق منقطع کرنے پر زیادہ مائل ہے۔ کنفیوشس نے کبھی بلاؤں یا آسمانی روحوں کے متعلق بات نہیں کی۔ کہیں کہیں اس نے "آسمان" کا ذکر تو کیا' لیکن آسمان سے اس کی مراد قادر مطلق ہستی' ہمہ گیر ذہن' اخلاقی

قلمرو یا علت اول ہے۔ چین میں اچھی یا بری فصل کو کسی دیوتا یا نیک و بدروح کی بجائے مشفق بادشاہ یا جابر کی وجہ سے قرار دیا جاتا ہے۔ کنفیوشس نے اجداد کی پرستش کی اجازت مذہبی وجوہ کی بناء پر نہیں بلکہ مرحوم والدین اور ان کے والدین کی یاد برقرار رکھنے کی خاطر دی تاکہ آئندہ نسلوں کے لئے اعلیٰ و اچھی خاندانی روایات کو زندہ رکھا جاسکے۔

نواں باب

مانی مت اور مزدیت

مانی مت

مانی (215ء تا 273ء) کا مذہب ہر مذہب کی اچھی باتوں کو قبول کرلیتا تھا۔ وہ زردشت، گوتم بدھ اور یسوع مسیح کو حقانیت کا علمبردار مانتا تھا۔ اور اپنے آپ کو ان کی تعلیم کا تکمیل کرنے والا بتاتا تھا۔ وہ کل دنیا کو ایک مذہب سکھانا چاہتا تھا۔ لیکن زردشتی موبدوں نے اسے "شیطان مجسم" قرار دیا۔ اور شاپور نے اسے ایران بدر کردیا۔ وہ بیس سال تک جلاوطن رہا اور شمالی ہند، چینی ترکستان، تبت اور خراسان میں پھرتا رہا۔ وہ ہرمزین شاپور کے زمانے (273ء) میں ایران واپس آیا۔ آخرکار اس کو موبدوں کی ریشہ دوانی سے بہرام نے بری طرح قتل کیا۔ وہ زندہ جلایا گیا۔ اور اس کی کھال میں بھوسا بھرا گیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر شاہی دروازے پر اس لئے لٹکایا گیا کہ آئندہ کوئی "کفر" نہ بکے۔

• مانی کا نظریہ کائنات قدیم ثنویت پر مبنی تھا۔ جس میں نور و ظلمت اور خیر و شر میں کشمکش کا ہونا مانا گیا تھا۔ اس عقیدہ میں مانی نے روحانیت بھر دی۔ مانی نور کو روح اور ظلمت کو مادہ قرار دیتا تھا۔ اس نے دنیا میں تین زمانے مانے تھے۔ ابتدائی درمیانی اور آخری پہلے زمانے میں اوپر نور ہی نور تھا۔ اور نیچے تاریکی تھی۔ اور دونوں جگہ نور و ظلمت کی اپنی اپنی حکومت قائم تھی۔ پھر ظلمت نے نور پر حملہ کیا اور پہلا دور حیات ختم ہوگیا۔

دوسرا زمانہ موجودہ دور کا ہے جس میں نور و ظلمت میں جھگڑا جاری ہے پھر انسان اول (آدم سے مراد نہیں ہے) نے روحانی طور پر ظلمت سے جنگ شروع کی جو شکست کھا کر گرفتار ہوا آخرکار چھوٹا لیکن اس کا کچھ نور دیووں نے نگل لیا۔ اس نور کو حاصل کرنے کے لئے دنیا پیدا کی گئی۔ جس کی نقل میں دیووں نے انسان کو پیدا کیا۔ لیکن انسان کا جسم مادی یا شیطانی ہے۔ اس میں وہ نور موجود ہے، جو روحانی انسان یہاں چھوڑ گیا اور اگر انسان نیک زندگی بسر کرے تو اس کے نورانی ذرات اپنے اصلی مرکز پر واپس جاکر ازلی نور سے واصل

زندگی بسر کرے تو اس کے نورانی ذرات اپنے اصلی مرکز پر واپس جاکر ازلی نور سے واصل ہوسکتے ہیں۔

تیسرا زمانہ قریب ہے جب پوری دنیا 468 سال تک جلتی رہے گی اور نور کا آخری ذرہ دنیا سے نجات حاصل کرکے اپنے مرکز پر پہنچ جائے گا اور نور کی حکومت پورے عالم پر ہوگی۔

مانی کی شہادت کے بعد اس کا مذہب رومن سامراج کے آخری حدود تک پھیل گیا۔ اور مشرق میں مرکزی ایشیا اور چین تک پہنچا۔

مانویت اب باقی نہیں۔ لیکن ایک فرقہ یزیدی اب بھی موجود ہے جو اس کی تعلیمات کو خفیہ طریقے پر مانتا ہے۔

براون مانویت کو نصرانی مزدیت (Christianised Zoroastriaism) کہتا ہے یعنی مزدیت پر تصوف کے اضافے سے مانویت بنی ہے۔ مزدیت میں روزے کا وجود نہیں مانی نے روزہ فرض قرار دیا۔ شادی بیاہ کو ختم کرنا چاہا تاکہ نسل انسانی ہی باقی نہ رہے۔

مانی کا خیال تھا کہ اصلی یسوع مسیح صرف روح ہی روح تھے۔ نقلی مسیح ایک "بیوہ کا لڑکا" تھا اور اسی کو سولی دی گئی۔ مسیح دنیا میں صرف روحانی شکل میں بحیثیت پیغمبر خدا آئے تھے۔ اور خود مانی اپنے آپ کو وہ فار قلیط یا مسیح موعود کہتا تھا۔

مزدیت

مانی کے تین سو سال بعد اس کا ایک قسم کا ہمنوا مزدک بن باد پیدا ہوا (470ء تا 529ء) وہ ایک طرح سے افلاطون کا بھی شاگرد کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ ملکیت مشترک' حتیٰ کہ زمین و زر ہی نہیں بلکہ زن کو بھی مشترک بنانا چاہتا تھا۔ ان خیالات نے نہ صرف زردشتی مذہب کو بلکہ حکومت ایران کو بھی اس کا مخالف بنا دیا۔ لیکن اس کا مقصد زیادہ تر تصوف یا ترک دنیا سے تھا اور زر' زمین ' زن کو ناقابل اعتنا سمجھ کر ان کو آزاد کر دینا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ دولت اور عورت ہی جھگڑے کی بنا مانی جاتی تھیں۔ وہ زردشتی کی ثنویت کو مانتا تھا اور آتش و آب و باد و خاک کو پاک اور مقدس رکھنا چاہتا تھا۔ شہزادہ نوشیرواں کے حکم سے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو غدر و فریب سے قتل کردیا گیا۔ اور جب وہ خسرو اول کے نام سے تخت پر بیٹھا تو پھر 531ء میں مزدکیہ کو قتل کیا گیا۔

شہرستانی کا قول ہے کہ مزدک بدھ اور ہندو مذہب والوں کی طرح تناسخ کے قائل تھے۔

حالانکہ یہ تعلیم ژنداوستا میں قطعاً" موجود نہیں ہے۔

اس نے مانی کی تعلیم سے نور و ظلمت کے فلسفہ کو سیکھا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میں نور کو عقلمند اور ظلمت کو بے وقوف و گمراہ سمجھتا ہوں۔

مزدک کا خیال تھا کہ روحانی دنیا بھی موجودہ دنیا کی طرح چلتی ہے۔ یعنی آسمان کا بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے اور اس کے سامنے چار قوتیں' تدبر' عقل' حافظ اور مسرت کھڑی رہتی ہیں۔ اور سات وزیروں کے ذریعے سے کام کرتی ہیں۔ یہ وزیر بارہ روحوں کے اندر گردش کرتے ہیں۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو اپنے اندر چار قوتوں' سات وزیروں اور بارہ روحوں کو جمع کرلیتا ہے وہ خدا سے ایسی دنیا میں واصل ہوجاتا ہے اور اس پر جملہ پابندیاں اٹھ جاتی ہیں۔

مزدک کی ایک کتاب تھی جو اب ناپید ہے عرب اس سے واقف تھے۔ ابن المقنع اور ایک اور شخص نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔

دسواں باب

سکھ مت کا "چراغ"

ہندومت کے نظام میں ذات پات اور فرسودہ عقائد کے خلاف جو آواز چھٹی صدی قبل مسیح میں گوتم بدھ اور مہاویر' اور ان کے بعد ویدانتیوں نے ساتویں صدی عیسوی میں اٹھائی اس کی بازگشت پندرھویں صدی میں گرونانک کے منہ سے سنائی دی۔ لیکن اس مرتبہ یہ آواز ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی مذہبی منافرت' ظاہری عبادت اور غیر انسانی رویوں کے خلاف بھی تھی۔ سکھ مت کو باقاعدہ مذہب کی شکل آخری اور دسویں گروگوبند سنگھ نے دی۔ گرونانک نے اسے بھائی چارے اور مذہبی رواداری کی بنیاد پر شروع کیا۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ ان کے خیالات سیاسی اور سماجی نوعیت کے تھے۔

گرونانک سے منسوب کردہ اقوال کا مجموعہ گرنتھ صاحب ہی سکھوں کا مقدس صحیفہ ہے۔ گرونانک نے کوئی باقاعدہ فلسفیانہ نظام تشکیل نہ دیا کہ جس میں وہ تناسخ ارواح یا حیات بعد از موت جیسے مسائل پر بات کرتے۔ ان کا موضوع اپنے دور کا انسان ہے۔ ان کی نظر میں خدا ناقابل نظارہ' لامحدود' ناقابل ادراک' ناقابل فہم' بے زمان' بے مکاں' بے ذات' لاولد' موجود بالذات' بندھوں اور خطروں سے پاک ہے۔ ایک جگہ وہ کہتے ہیں کہ "برہما اس کنول کے پتے سے پیدا ہوا تھا جو وشنو کی ناف سے نکلا تھا اور اس نے صاف اور بلند آواز میں وید بھی پڑھے' لیکن خدائے واحد کی عظمت کو نہ جان سکا' اور آواگون کے راز سے پردہ نہ اٹھا سکا۔" گرونانک نے اپنے ہم وطنوں کے فلسفیانہ خیالات اپنائے اور روح کے خدا میں سما جانے کو حتمی مسرت قرار دیا۔

گرونانک نے مسلمانوں کے خدائے واحد کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے عقیدہ آواگون کو بھی اپنے ذہن میں جگہ دی۔ وہ تناسخ ارواح پر یقین رکھتے تھے: "زندگی ایک دھرے پہ گھومتے ہوئے پہئیے جیسی ہے۔ اے نانک آنے اور جانے کا کوئی انت نہیں۔" انہوں نے سابق جنموں کا نظریہ اپنایا اور حال کی زندگی کو ماضی سے جوڑا۔ یقیناً موجودہ زندگی کے بعد

دوبارہ جنم ہوگا جس کی نوعیت کا تعین ہمارے اچھے یا برے اعمال کریں گے۔ حیات بعد از موت کا خیال ہی انسان کی روح کو سب سے زیادہ پریشان کرتا ہے' لہٰذا اس سے چھٹکارا اور نجات حاصل کرنا چاہیے تاکہ روح کو طمانیت نصیب ہوسکے۔ روح کی طمانیت حاصل کرنے کے ذرائع کے حوالے سے وہ وحدت الوجودی ہیں۔

مسلمانوں کی ظاہری عبادات پر تنقید کرتے ہوئے گرونانک نے قاضی اور نواب سے کہا کہ وہ اپنی روح میں خدا کی عبادت کریں۔ ان کے خیال میں خدا دنیا کی ہر چیز میں موجود ہے۔ انسان میں اس کی موجودگی کا ذریعہ روح ہے۔ "اندر کی روشنی تلاش کرو' ذات نہ پوچھو' کیونکہ موت کے بعد کوئی ذات نہ ہوگی۔" یہی اندر کی روشنی گرونانک کے نورانی خدا کا حصہ یعنی روح ہے۔ چنانچہ اللہ' برہم' ہری' رام' رحیم' گووند سب میں مختلف ناموں سے موجود ہے۔

تاہم' سکھ مت میں خدا باپ اور روحانی گرو کا عیسائی تصور بھی موجود ہے۔ گرو کی رحمت ہی مقدر تبدیل اور اعمال کا آئندہ رخ متعین کرسکتی ہے۔ ممکن ہے گرو کی روحانی حیثیت کا یہ تصور بعد کے گروؤں نے مغلوں کے خلاف لڑائی میں سکھوں کو ایک مرکز میں متحد رکھنے کے لئے دیا ہو۔ ورنہ گرونانک تو بہت سی جگہوں پر یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ خدا کے "نام" کا ورد' سچی عبادت' بھائی چارے کے اصول پر عمل اور راستبازی ہی نجات کا ذریعہ ہے۔

یوں ہم سکھ مت کے تصور روح کو کافی حد تک ہندوانہ قرار دے سکتے ہیں' لیکن اس میں وہ پیچیدگی موجود نہیں جو ہندومت اپنی دو ہزار سالہ تاریخ میں مختلف نظریات کے ساتھ تصادم کے نتیجہ میں اپنے اندر پیدا کرچکا تھا۔ وہ تو نہایت سادگی کے ساتھ کہتے ہیں: "سچے نام یعنی خدا کا ورد میرا چراغ ہے۔ جس میں دکھ کا تیل جلتا رہتا ہے۔ یہ چراغ روشنی دیتا اور دن کو معمور کرتا ہے اور یوں موت کے دیوتا یم سے ملاقات سے بچاتا ہے۔" گرونانک کا یہ چراغ (دیوا) ہی ان کی روح قرار دی جاسکتی ہے جو دکھ کا تیل ختم ہونے پر جسم سے نکل جاتی ہے۔

CamScanner

گیارھواں باب

تاؤ مت

شنتومت اور کنفیوشیت کی طرح تاؤ مت بھی مغربی محققین کا دیا ہوا نام ہے۔ اس مذہب کی بنیاد لاؤزے (604 تا 531 ق۔م؟) کے خیالات پر ہے۔ لاؤزے کا فلسفہ کنفیوشیت سے واضح طور پر مختلف ہے۔ کنفیوشس نے اچھی حکومت' قوانین عدل' نیک اطوار پر زور دیا جبکہ لاؤزے اخلاقیات کی بجائے لوگوں کی فطری بے ساختگی اور آزادی پر یقین رکھتا ہے۔ وہ لوگوں کے دل کو اندر سے ٹھیک کرنے کا خواہشمند تھا۔

اصطلاح "تاؤ" کی تعریف مختلف انداز میں کی جاتی ہے۔ مختلف لوگوں نے اس کا مطلب "راستہ"' "ابدی قوم"' "ابدی ہستی"' "استدلال" وغیرہ بتایا ہے۔ جدید سائنس میں تاؤ بطور "فطرت" موجود ہے۔ بدھسٹ "تاؤ" کی اصطلاح زوان کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ لاؤزے کے مطابق بے نام تاؤ واحد' ازلی و ابدی' لافانی اور ناقابل تردید ہے۔ چیزیں جس انداز یا طریقے میں موجود ہیں ان کے پس پردہ وجوہ یعنی اساسی وجوہ کارفرما ہیں:

تاؤ نے ایک کو پیدا کیا\
تاؤ نے دو کو پیدا کیا\
دو نے تین کو پیدا کیا\
تین نے دس ہزار چیزوں کو پیدا کیا۔

"دس ہزار چیزوں" سے "ہر چیز" مراد ہے کیونکہ قدیم وقتوں میں تقریباً" 10 ہزار الفاظ یا بانام چیزیں تھیں۔

بہ الفاظ دیگر ہم تاؤ کو دنیا کی ہر چیز کی "روح" کہہ سکتے ہیں۔ آجکل کی زبان میں جیسے ہم کسی ادارے' تنظیم' کلب وغیرہ کی "روح رواں" کا ذکر کرتے ہیں' اسی مفہوم میں "تاؤ" کو بھی روح قرار دینا ممکن ہے۔ یہ "تاؤ" یا روح رواں ضابطہ' نظم' ہم آہنگی' درست انداز'

CS CamScanner

ہم کسی ادارے، تنظیم، کام وغیرہ کی "روح رواں" کا ذکر کرتے ہیں، اسی مفہوم میں "تاؤ" کو بھی روح قرار دینا ممکن ہے۔ یہ "تاؤ" یا روح رواں ضابطہ، نظم، ہم آہنگی، درست انداز، درست رویہ ہے۔

بارھواں باب

شنتومیت کی "کامی"

شنتو کا لفظی مطلب "دیوتاؤں کا راستہ" ہے۔ قدیم قبیلہ داری نظام سے ابھرنے والے اس مذہب کو یہ نام بدھ مت سے جدا کرنے کے لئے 18 ویں صدی میں دیا گیا۔ شنتومت اور بدھ مت میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ شنتومت میں بے شمار روحوں "کامی" کی پرستش بنیادی عنصر ہے۔ کامی کا لفظی مطلب "برتر ہستیاں" ہے۔ معبودوں کی دو قسمیں ہیں: فطری دیوتا اور انسانی دیوتا۔ پہلی قسم روحوں کی جانوروں، پودوں، چیزوں، فطری مظاہر میں تجسیم کا نتیجہ ہے، اور دوسری قسم آباؤ اجداد کی پرستش کا۔ سورج کی دیوی، خوراک کی دیوی اور زمین کا دیوتا سب فائدہ بخش ہیں اور کامی میں شمار ہوتے ہیں۔ شنتو کے فطری دیوتا یعنی سورج، چاند، زمین، سمندر، پہاڑ، بارش، آگ، صاعقہ بنیادی طور پر عبادت کے حقیقی مادی معروض ہیں۔ چنانچہ شنتومت نہایت کثرت پرست ہے اور اس کے دیوتاؤں کی تعداد ایک سو سے زائد ہے۔ شنتو دینیات میں تمام دیوتا دانش، ہمت اور لطف و کرم، ذہانت، عزم اور محبت کی علامت ہیں۔

تیرھواں باب

مصر کی "با" اور "کا"

اولین زمانوں سے ہی مصر کے کئی مقامات پر سورج دیوتا 'را' کی پوجا ہوتی تھی' تاہم اس کی پوجا کا سب سے بڑا اہم مرکز 'اونو' شہر تھا۔ اسے 'ایونو' بھی لکھا جاتا ہے۔

قدیم مصریوں کا عقیدہ تھا کہ سورج دیوتا را (رے) کی 'روح' ایک مقدس پتھر میں رہتی ہے' اس پتھر کو وہ 'بن بن' یا 'بن' کہتے تھے۔ یہ پتھر اونو (اون) (ہیلیوپولس) شہر میں رکھا جاتا تھا۔ اسے وہ مربع شکل کا تراشتے اور اوپر کا سرا نوکیلا یعنی ہرم نما یا مخروطی بنایا جاتا۔ 'بن بن' کی شکل میں وہ سورج دیوتا کی پوجا کرتے تھے۔ اسی تراشیدہ مقدس مخروطی پتھر (بن بن) کو 'را' دیوتا کی 'روح' کا مسکن بھی خیال کیا جاتا تھا۔ یہ سنگ آفتاب یعنی 'بن بن' ننھے منے مقطوع ہرم پر نصب رہتا تھا۔ ----- اصل میں قدیم مصریوں کا عقیدہ تھا کہ "تخلیق کائنات" کے وقت سورج دیوتا 'را' کے حکم سے اولین پانیوں پر ایک چھوٹی سی چٹان ابھری تھی۔ اولین پانیوں اور ان کے سمندر کو اہل مصر 'نون' یا 'نن' کہتے تھے۔ اس چٹان کو پانی سے نکالنے کا مقصد یہ تھا کہ را دیوتا اس پر کھڑا ہو سکے اور اسی مقدس چٹان کو مصریوں نے 'بن بن' کا نام دیا۔

قدیم مصری ادب' خصوصاً" مذہبی اور اساطیری ادب میں انسان کے جسمانی' ذہنی اور روحانی عناصر یا حصوں کا ذکر بار بار آیا ہے۔ اور یہ عناصر تھے خت (فانی جسم)' زت (ابدی یا لافانی جسم)' ساحو' ساح' سع (روحانی جسم) کا (ہم زاد؟ قوت حیات)' با (روح۔ روح قلب) خو' (روح پیکر لطیف)' اب' (دل)' اخ (جوہر' نورانی پیکر' لافانی ہستی)' خابت۔ خائے بت' (سایہ)' سخم' (قوت۔ توانائی) اور 'رن' (نام) ----- مگر ایسا نہیں ہوا کہ مصریوں نے ان تمام عناصر کو انسانی جسم کا حصہ اپنی طویل مذہبی تاریخ کے کسی ایک ہی وقت یا عہد میں قرار دیا ہو بلکہ ہوا یہ کہ مختلف ادوار میں مختلف عناصر انسانی بدن کے حصے تسلیم کئے گئے۔

انسانی بدن کے مختلف حصوں کے لئے ان کے ہاں متعدد الفاظ مستعمل تھے' لیکن

مصریوں نے ان الفاظ سے وابستہ تصورات کو واضح طور پر کبھی بیان نہیں کیا۔
دراصل مصریوں کا خیال تھا کہ مکمل انسانی وجود کی تشکیل کے لئے ضروری تھا کہ تین اہم عناصر یعنی 'کا' (ہم زاد۔ قوت حیات)' 'با' (روح قلب) اور 'اخ' (جوہر۔ نورانی پیکر) بدن میں جمع ہوجائیں۔ علاوہ ازیں مصریوں کے نزدیک انسانی ہستی یا جسم 'کا' 'با' اور 'اخ' کے علاوہ اور بھی عناصر کا مجموعہ تھا۔ مثلاً خائبت (سایہ)' رن (نام) وغیرہ۔ ان سب عناصر سے مل کر انسان کی ذات مطلق' تشکیل پاتی تھی۔ ------- بہرحال انسانی جسم کن کن عناصر پر مشتمل تھا۔ اس سلسلے میں مصریوں کے عقائد و نظریات مختلف تھے ------- کچھ محققین کے مطابق مصریوں کے نزدیک انسانی جسم کے عناصر تھے 'کا' (ہم زاد۔ قوت حیات)' 'خو' (روح۔ پیکر لطیف) اور 'خت' (جسم)۔ بعض محققین کے خیال میں یہ عناصر 'با' (روح قلب)' خائبت (سایہ)' ساحو' (ساح' ۔ روحانی جسم۔ حنوط شدہ جسم) رن (ذاتی نام) اور سخم (قوت۔ توانائی) تھے۔ اس کے علاوہ کچھ محققین کے نزدیک عناصر جسم میں زت (ابدی جسم)' 'با' (روح قلب)' اخ (جوہر) اور سخم (قوت) شامل تھے۔ بہرحال جب انسان آسمان پر دوبارہ زندہ ہوجاتا تو اس کے جسم کا ہر عنصر اس کے ساتھ مل جاتا تھا۔

قدیم مصری لٹریچر کی شاید ہی کوئی صنف ایسی ہو جس کے مختلف ادب پاروں میں ایک لفظ کا بہت حوالہ اور ذکر نہ آتا ہو اور وہ لفظ ہے 'کا'۔ اس کا تعلق نہ صرف انسان اور انسانی جسم بلکہ دوسری مخلوق اور اشیا سے بھی بہت گہرا تھا۔ 'کا' ایک ایسا قدیم مصری لفظ ہے کہ اس کے مترادف معنی میں آج کل کی کسی بھی زبان کا کوئی بھی ایک ہی لفظ استعمال کرنا تقریباً" ناممکن ہے یوں کہا جائے کہ کسی بھی زبان کے ایک لفظ میں 'کا' کے بالکل صحیح معنی یا مفہوم کو ادا نہیں کیا جاسکتا۔ ماہرین نے اس لفظ 'کا' کے مختلف ترجمے کئے بھی مگر ان میں سے کوئی ایک بھی ترجمہ بامعنی اور بالکل درست تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ میں 'کا' کے لئے صحیح صحیح اور حتمی مفہوم پر مبنی کوئی ایک لفظ استعمال کرسکوں ------- ویسے 'کا' کا ایک ترجمہ ہم زاد بھی کیا گیا ہے جسے سو فی صد تو کیا بڑی حد تک بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔

'کا' ایک مابعدالطبیعیاتی ہستی تھی۔ اور اس کی شکل و صورت اور خصوصیات اسی شخص جیسی ہوتی تھی جس کا وہ 'کا' ہوتا تھا۔ 'کا' دراصل غیرواضح' مبہم اور پیچیدہ خصوصیات کا مجموعہ تھا۔ اس لئے کوئی بھی تو ایک لفظ ایسا نہیں ہے جو ان تمام خصوصیات کا مفہوم ادا کرسکتا

ہے۔ "کا" بیک وقت اولین 'مادہ' (جوہر) تھا اور کائناتی 'مادہ' بھی۔ وہ زندگی اور غذائیت کا منبع تھا' وہ ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں اور توانائیاں بخشتا تھا' نسل کا محافظ اور خالق تھا۔ محافظ روح' ہم زاد اور قوت تولید تھا ------ "کا" دیوتاؤں اور انسانوں کے جسم کا ایک لازمی حصہ یا عنصر تھا۔ لوگ مرجاتے مگر ان کے "کا" زندہ رہتے۔ مصریوں کے نزدیک "کا" انسان کا محافظ تھا' رہنما تھا' قوت حیات تھا۔ یعنی ان کے خیال میں "کا" انسان کے اندر ایسی قوت یا عنصر تھا جو اسے زندہ رکھتا تھا۔ اس طرح "کا" انسان کے لئے گویا رشد و ہدایت کا سرچشمہ تھا۔ "کا" ایسی قوت' بھی تھی جو انسان کو پیدا کرسکتی تھی۔ علاوہ ازیں وہ ایسی حقیقی ہستی یا ذات تھی جو محسوس کرتی تھی جو سوجھ بوجھ رکھتی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل مصر مختلف ادوار میں اس کے معنی یا مراد مختلف لیتے رہے۔ مثلاً کردار' ذہن' ذات' طبیعت یا مزاج اور فرد یا انفرادیت بھی مفہوم لیا جاتا رہا ------ ایک خصوصیت کے لحاظ سے "کا" کی نوعیت "ناگزیر کا" کی بھی ہوتی تھی۔ قدیم مصری عبارتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "ناگزیر کا" آسمان پر رہتا تھا۔ مصریوں کے عقیدے کے مطابق یہ "ناگزیر کا" ایسا 'ات' (باپ) تھا جو انسان کو زندہ رکھتا تھا۔ ایسا محافظ تھا جو فرعون کو موت کے تمام تر خوف سے نجات دلاتا تھا ------ "کا" غذائیت کا صدر نشین تھا۔ مرنے والوں کے ساتھ جو اشیائے خوردنی رکھی جاتی تھیں وہ بھی اپنے اپنے "کا" میں تبدیل ہوجاتی تھیں۔ چنانچہ ان تمام اشیائے خوردنی کے جتنے بھی "کا" تھے۔ وہ ارفع ترین اور "ناگزیر کا" ان سب سے کا سربراہ تھا۔ یہ "ناگزیر کا" ذہنی و اخلاقی قوتوں کا بھی سربراہ تھا' وہ بدن کو فی الفور صحت مند بنا دیتا تھا۔ اور جسمانی و روحانی زندگی عطا کرتا تھا ------ "کا" ایسا عنصر تھا جو 'مقدس' اور 'آسمانی' تھا۔ اس کا نام (کا) عبارتوں میں ایک ایسی ہستی کی صورت میں لکھا جاتا ہے جو حفاظت اور عبادت کے انداز میں اپنے دونوں بازو اٹھائے کھڑا ہوتا تھا۔ مصر کے قدیم ترین ٹوٹموں (TOTEMS) یا مذہبی علامتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے ہاں اس وقت بھی "کا" کے بارے میں تصور موجود تھا۔ زمانے گزرتے گئے اور "کا" ایک دیوتا کی صورت اختیار کرگیا اور پھر قدیم زمانوں میں اس سے کسی دیوتا کا تعین کیا جانے لگا اور ساتھ ہی اس کا نام یعنی لفظ نتر (دیوتا) لکھدیا جاتا۔

متعدد قدیم عبارتوں وغیرہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے نزدیک ------ انسان کا جسم اور "کا" دو بالکل الگ الگ چیزیں تھیں۔ اور آسمان پر ملنے سے قبل 'زمین' پر ان دونوں کا ایک ہونے کی حد تک باہمی ربط یا تعلق بالکل نہیں تھا اور یہ زمین پر ساتھ ساتھ

نہیں رہتے تھے ...... "کا" اور "زت" (جسم) کے جداگانہ ہونے کا ایک ثبوت قدیم بادشاہت (2684 ق م) کی عبارتوں سے بھی ملتا ہے۔ مصری کسی کے مرنے کا ذکر کرتے وقت موت کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کرتے بلکہ اس کی بجائے ملائم سے ملائم الفاظ اور لب و لہجے میں بیان کرنے کی کوشش کرتے تھے مثلاً کسی کے مرنے کو وہ اپنی زبان میں "سب ان کا اف" کہتے تھے جس کے معنی ہیں "اپنے "کا" کے پاس چلا جانا" چنانچہ جب کوئی مرتا تھا تو وہ اس قسم کے فقرے بولتے ہوں گے "وہ اپنے "کا" کے پاس چلا گیا" یا وہ "اپنے "کا" کے پاس چلا گیا ہے"۔

بعض علمائے تحقیق کا خیال ہے کہ قدیم مصریوں کے عقیدے کے مطابق "کا" انسانی جسم کا "ہم زاد" ہوتا تھا۔ زمین پر جب بھی کوئی شخص پیدا ہوتا اس کا "کا" بھی اس کے ساتھ پیدا ہوتا تھا۔ اور ساری زندگی اسی کے ساتھ رہتا تھا' البتہ موت کے وقت "کا" بدن کا ساتھ چھوڑ جاتا اور جب مرنے والے کو حنوط کر کے وہی آخری رسوم ادا کی جاتیں جو اسر (اوزیرس) دیوتا کے مرنے پر اس کے لئے ادا کی گئی تھیں تو ان رسوم کی وجہ سے "کا" بھی حنوط شدہ لاش کے پاس واپس آجاتا اور مقبرے میں مرنے والے کے جسم کے پاس رہتا تھا۔ لوگوں کے "کا" کے لئے نذرانے کے طور پر خوراک اور پانی ہمیشہ چڑھایا رہتا تھا۔

مقبروں میں مرنے والوں کے صرف "جسم" ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ عام طور پر ان کے "کا" بھی ان کے جسموں کے ساتھ رہتے مگر یہ اپنی مرضی سے جب چاہتے ادھر ادھر گھوم پھر سکتے تھے۔ "کا" انسان سے آزاد ہوتا تھا اور اس کے کسی بھی مجسمے میں داخل ہو کر رہ سکتا تھا۔ وہ کھاتا پیتا بھی تھا ...... مقبرے میں جب بھی "کا" حنوط شدہ جسم کے ساتھ رہتا تو اسے وہاں اشیائے خورد و نوش کی ضرورت ہوتی تھی۔ وہ گوشت اور پھولوں کی خوشبو سے بہت ہی محظوظ اور خوش ہوتا تھا پھر مصریوں کا عقیدہ تھا کہ اگر کھانے پینے کی چیزیں مقبروں میں نہ پہنچائی گئیں تو پھر مرنے والوں کے "کا" مجبوراً" مقبروں سے باہر آکر گھومنے پھرنے لگیں گے اور فضلہ وغیرہ کھانے اور گندا پانی پینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس بات کا بطور خاص خیال رکھا جاتا کہ مرنے والوں کے "کا" کے لئے مقبروں میں اشیائے خوردنی نذرانوں کی صورت میں وافر مقدار میں پہنچائی جاتی رہیں۔

ہر زمانے کے مصری اسر (اوزیرس) اور اس کے ساتھی دیوتاؤں سے یہ دعا مانگا کرتے کہ ان کے "کا" کی خاطر کافی مقدار میں چڑھاوے عنایت کیا کریں۔ اگر ناسازگار حالات کی وجہ

سے 'کا' کے لئے چڑھاوے چڑھانے کا سلسلہ جاری نہ رہتا اور 'کا' کے لئے بچ بچ کی اشیائے خورد و نوش مقبروں میں پہنچانا ممکن نہ رہتا تو ایسی صورت میں مصریوں کا عقیدہ یہ تھا کہ 'کا' یہ منتر پڑھے گا اور اس کی ضروریات پوری ہو جائیں گی۔

"میں اپنے دل کا مالک ہوں' اور اپنے سینے کا' اور اپنے
ہاتھوں کا' اور اپنے منہ کا' اور اپنے تمام اعضاء کا' اور
اپنے تدفینی چڑھاووں کا (مالک ہوں)"

غیر متمدن انسان کو ایک ایسی چیز یا 'ہستی' پر یقین کامل تھا' جو اس کے خیال میں حیات' قوت' غذائیت' ذہانت اور طلسم کا مرکز و منبع تھی۔ اسے 'منا' کا نام دیا گیا تھا۔ غیر متمدن انسان کے اس 'منا' اور 'کا' میں جتنی مشابہت ہے اتنی مشابہت 'کا' کے ساتھ کسی اور چیز کی نہیں۔ 'منا' کی طرح 'کا' انفرادی یا 'واحد' بھی اور 'مجموعہ' بھی تھا۔ مصریوں کے نزدیک آسمان پر تمام دیوتاؤں کا ایک 'کا' رہتا تھا جو اصلی 'کا' تھا مصری تحریروں میں اس کے بارے میں لکھا ہے۔

"تو سارے دیوتاؤں کا ---- 'کا' ہے' تو ان کی رہنمائی کرتا
ہے' تو ان پر حکومت کرتا ہے۔ تو تمام دیوتاؤں میں طاقتور
ہے تو فنا نہیں ہوتا اور تیرا 'کا' 'منا' نہیں ہوتا"۔

'کا' پوری زندگی' تمام ساحرانہ قوتوں' تمام طاقت اور اقتدار کا 'مسکن' تھا جس طرح ابتدا میں قبیلے کے ہر فرد میں 'منا' حلول کئے رہتا اور پھر جس طرح بعد کے زمانوں میں وہ (منا) کسی بھی قبیلے والوں کے مختلف دیوتاؤں میں خاص طور پر موجود ہوتا تھا۔ اسی طرح "اصل ناگزیر کا" ہر "انفرادی کا" میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ آسمان کے ہر باسی کے لئے 'انفرادی کا' باپ کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ یہ 'انفرادی کا' صحت' قوت اور غذائیت کا ضامن تھا ---- بعض علماء کا خیال ہے کہ 'کا' اصل میں ایک آسمانی مخلوق تھی اور یہ کہ یہ خیال غلط ہے کہ 'کا' انسانی جسم کا ہم زاد ہوتا تھا اور ہر انسانی بدن کے ساتھ پیدا ہوتا اور اسی کے ساتھ رہتا تھا اور انسان کے مرنے پر ہی اس سے الگ ہوتا تھا ---- 'کا' آسمان پر رہتا تھا۔

مصر والے دیوتا کو 'منتر' کہتے تھے۔ بعض محققین کے نزدیک "منتر" اور 'تر' سے مراد وہ کھجور کے درخت کی سالانہ افزائش سے لیتے تھے۔ زیادہ واضح طور پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ تمام نباتات کی باقاعدہ اور دوبارہ پیدائش کا اظہار لفظ 'تر' سے ہوتا ہے۔ قدیم ترین مصریوں کے خیال میں دیوتا کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہمیشہ ایک ہی حالت یا کیفیت میں رہتا تھا۔ وہ

وہ انسان اور جانور کی طرح نہ تو پلتا بڑھتا تھا اور نہ ہی پل بڑھ کر مرتا تھا۔ چنانچہ 'نتر' کا مفہوم ہوا "ابدی ہستی" جسے موت یا فنا نہ تھی۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ 'نتر' کی جو تعریف اوپر کی گئی ہے وہ ایک حد تک 'کا' پر بھی صادق آتی ہے گویا بات یہ بنی کہ 'دیوتا' اور 'کا' میں کچھ خصوصیات قدر مشترک کی حیثیت بھی رکھتی تھیں۔ مصریوں کے نزدیک کسی دیوتا کی طاقت تباہ یا بے اثر بنانے کا طریقہ یہ تھا کہ اس دیوتا سے اس کا 'کا' الگ کردیا جائے' مرنے کے بعد 'کا' اور 'زت' کے اتصال سے جو کامل ہستی' وجود پزیر ہوتی وہ روح (با) جوہر (اخ) اور قوت (سخم) کا مرکب ہوتی۔ "کامل جسم یا ہستی" یعنی مرنے والا "دیوتا کی صورت" (ارو نتر) اختیار کرلیتا اس کے بعد مصری اسے دیوتا (نتر) کہنے لگے ——— بعد کے زمانوں کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ دیوتاؤں اور بادشاہوں کے چودہ 'کا' ہوتے تھے اور ان میں یہ چودہ خصوصیات مجسم ہوگئی تھیں:

1- ساحرانہ قوت 2- جسمانی قوت 3- شہرت

4- دولت 5- شادابی (صحت) 6- غذائیت

7- شرافت 8- بصارت 9- سماعت

10- تدفینی سامان 11- دانشمندانہ ذہانت

13- علم 14- ذائقہ

اہل مصر روح کو 'با' کہتے تھے۔ لیکن روح کے بارے میں مصریوں کا نظریہ ہمارے آج کل کے نظریے سے مختلف تھا ——— مصریوں کے نزدیک 'با' کا تعلق دل سے تھا۔ اس لئے وہ اسے "روح قلب" یعنی دل کی روح بھی کہتے تھے تاکہ "با" اور 'اخ' (نورانی پیکر؟) میں فرق روا رکھا جاسکے۔ 'با' کی طرح 'کا' سے بھی متعلق ہوتی تھی۔ یہ 'کا' کے اندر یا اس کے ساتھ مقبروں میں رہتی تھی اور نذرانوں میں اپنا حصہ بٹاتی تھی ——— کچھ محققین کا خیال ہے کہ مصریوں کے نزدیک انسانی 'با' روح کا حصہ تھی یا یہ کہ 'با' انسان کا 'روحانی' حصہ تھی۔ 'با' صرف انسان ہی نہیں بلکہ کسی بھی جاندار کی وہ چلتی پھرتی 'روح' تھی جو عملی کام کرنے پر قادر تھی' جب انسان مرجاتا تو 'با' اس کی ہستی یا وجود کو برقرار رکھتے ——— 'با' کی جمع 'باؤ' تھی اور 'باؤ' اپنے جسم سے الگ ہوکر عملی قوتوں کی شکل اختیار کرلیتے تھے' وہ زندہ

انسان کی ایسی علامت تھے جو اس سے فاصلے پر ظاہر ہوتی تھی۔ گویا وہ انسان کی ذات کا علیحدہ ہو جانے والا ایسا حصہ تھے جو اس سے دور سرگرم عمل رہتا تھا۔ 'باؤ' کا ترجمہ 'قوت' ہی کیا جاسکتا ہے لیکن اس سے مراد ایسی قوت ہے جو مکانی قیود سے آزاد تھی اور اس جگہ سے دور سفر کر سکتی تھی جہاں وہ شخص موجود ہوتا جس میں 'باؤ' حلول کئے ہوتی تھی۔

مذہبی لٹریچر پر مبنی پیپرسوں میں 'با' کو باز کی شکل میں بنایا جاتا تھا جس کا سر اور منہ انسانی ہوتا تھا۔ 'نب تت' نامی ایک قدیم مصری شخص کے لئے ایک پیپرس پر 'کتاب الاموات' کا ایک باب لکھا ہوا ملا ہے جو اس کے مقبرے میں دفن کیا گیا تھا۔ اس پیپرس پر باز کی تصویر اس طرح بنائی گئی ہے کہ وہ انسانی شکل والے باز کی صورت میں حنوط شدہ جسم کے لئے 'ہوا اور خوراک' لے کر اڑتا ہوا اوپر سے نیچے تدفینی گڑھے کی طرف آرہا ہے اس حنوط شدہ جسم سے ہی 'با' کا تعلق تھا ----- یہاں ایک بات ذہن نشین کرلینے کے قابل ہے کہ قدیم مصری زبان میں کوئی بھی مخصوص اور موزوں لفظ ایسا نہیں تھا جو روح کے بارے میں ہمارے آجکل کے نظریے کے مطابق تصور کا اظہار کرسکتا' وہ روح جو موجودہ مذہبی نظریات کے مطابق انسان کا روحانی اور لازمی حصہ ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی' کہ لفظ روح کا مفہوم و تصور صحیح صحیح اجاگر کرنے کے لئے قدیم مصری زبان میں کوئی لفظ نہیں تھا' اس سے بھی توثیق ہوتی ہے کہ قبطی یعنی عیسائیت قبول کرلینے والے مصر کے اصل باشندے روح کے لئے یونانی لفظ 'سائیکی' (Psyche) بولتے تھے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ روح کا صحیح معنوں میں مترادف کوئی لفظ قدیم مصری زبان میں مستعمل نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو قبطی مصری (Copts) اپنے ہی ملک کا لفظ کسی بھی شکل میں استعمال یقیناً کرتے یونانی نہ لفظ اپناتے ---- متعدد مذہبی عبارتوں کی رو سے 'با' سورج دیوتا 'را' یا پھر آخرت کے مصنف دیوتا اسر (اوزیرس) دیوتا کے ساتھ آسمان پر رہتی تھی۔ مصریوں کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ جب کوئی آدمی مرجاتا ہے تو 'با' اسے چھوڑ کر آسمان پر چلی جاتی ہے اور وہاں دیوتاؤں اور نیک لوگوں کی روحوں کے ساتھ رہنے لگتی۔ اسر (اوزیرس) دیوتا کی مملکت میں جب مرنے والوں کے اعمال جانچے جاتے تو عظیم ترازو کے ایک پلڑے میں مرنے والے کا دل اور دوسرے پلڑے میں پر رکھ کر وزن کیا جاتا۔ یہ سچائی اور حق کی علامت تصور ہوتا تھا۔ وزن کے دوران روح 'با' اس کے نزدیک کھڑی رہتی اور اپنی صفائی پیش کرتی ------ قدیم مصری عقیدے کے مطابق دیوی دیوتاؤں کے بھی 'با' ہو سکتے تھے۔ مصریوں کے نزدیک فرعون کی روح (با) زمین پر

اس (فرعون) کے ساتھ نہیں بلکہ دیوتاؤں کے ساتھ آسمان پر رہتی تھی اور جب فرعون مرنے کے بعد اپنے 'کا' سے مل جاتا تو وہ ازخود 'با' ہو جاتا تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ دیوتا جس حالت میں بھی اپنی زندگی گزارتے تھے 'با' ہونا دیوی دیوتاؤں کی اسی حالت کے مترادف تھا۔

'با' ایسا روحانی عنصر تھی جو اپنی 'جسمانی قوت' کے بل پر آزادانہ طور پر نمودار ہو سکتی تھی اور اپنے مالک ----- یعنی جس انسان سے اس کا تعلق ہوتا ----- کے نمائندے کی حیثیت سے اپنی مرضی کے مطابق کام کر سکتی تھی۔ وہ اپنی مرضی سے مادی اور غیر مادی شبیہ اختیار کر سکتی تھی۔ اپنے اصل دنیاوی اور مادی حنوط شدہ بدن کو دیکھنے دھرتی پر آجاتی' چنانچہ وہ تدفینی کمرے میں مرنے والے کے ساتھ رہ سکتی تھی۔ مقبرے میں ایک راستہ ضرور بنایا جاتا تاکہ 'با' اس میں سے ہو کر اس کمرے میں جا سکے جہاں مرنے والے کی حنوط شدہ لاش رکھی جاتی تھی ----- 'با' جہاں چاہے آ جا سکتی تھی' عموماً" اسے کھلی جگہوں پر گھومنا پھرنا پسند تھا اور وہ ان جگہوں پر پھرتی تھی جو مرنے والوں کو اپنی زندگی میں پسند تھیں۔ مثلاً وہ اس تالاب پر جاتی جہاں آنجہانی اپنی زندگی میں جایا کرتا تھا' اس درخت کے پاس جاتی جس کے نیچے مرنے والا اپنی زندگی میں ٹھنڈی شامیں گزار کر لطف اندوز ہوتا تھا۔

مصریوں کے نزدیک زندگی میں انسان کے روحانی عناصر کم از کم دو مخصوص ہستیوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک کو وہ 'کا' کہتے تھے اور دوسرے کو 'اخ'۔ 'اخ' کا تشخص' یا 'ہستی' ناقابل فنا تھی ----- 'اخ' ایسا مادہ ہے جس سے قدیم مصری زبان کے متعدد ایسے الفاظ مشتق تھے جن کے معنی 'چمکنا' اور' 'مؤثر ہونا' بنتے ہیں بہرحال 'اخ' کے معنی ہیں "بمنور روشن"۔ 'اخ' سے ایک امکانی مراد ماہرین نے 'نورانی پیکر' بھی لی ہے۔ مصریوں کے نزدیک فرعون کی "ہستی کامل" کی مخصوص یا امتیازی حالت 'نورانی جسم' تھا۔ 'اخ' روح کی کوئی دوسری قسم یا صورت یا شکل نہیں تھی۔ جب فرعون 'با' بن جاتا تو ساتھ ہی وہ 'اخ' کا درجہ بھی حاصل کر لیتا تھا۔ 'اخ' کے بارے میں مصری عبارتوں میں لکھا ہے -----

"جس طرح (انسانی) بدن کا تعلق دھرتی سے ہے اسی
طرح 'اخ' کا تعلق آسمان سے ہے"۔

ساحو (ساح۔ ع) وہ ایسے بدن کو کہتے تھے جو علم' قوت اور رفعت حاصل کر لیتا تھا۔ اس طرح یہ جسم (ساحو) ان کے نزدیک برقرار رہتا تھا اور خراب نہیں ہوتا تھا۔ ساحو (روحانی جسم)' روح کے ساتھ باتیں کر سکتا تھا وہ آسمان پر جا کر مبارک اور روحانی مسرت حاصل

رنے والے کے ساتھ رہ سکتا تھا ------ مصریوں کا یہ خیال بھی تھا کہ لاش کو حنوط کرنے اور اس پر منتر پھونکنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصل مادی جسم سے ایک اور جسم ظہور میں آتا ہے جو صورت شکل کے لحاظ سے اصل جسم کے بالکل مشابہ ہوتا ہے لیکن یہ اتنا غیرمادی ہوتا تھا کہ اسے ہم 'روحانی جسم' کہہ سکتے ہیں۔ ساحو میں انسان کے فطری جسم کی ذہنی اور روحانی خصوصیات مجتمع ہوجاتی تھیں۔ 'ہری عبارتوں' کے کئی ٹکڑوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسم (ساحو) آسمان میں دیوتاؤں کے ساتھ رہتا تھا اور انسانی روح' اسی بدن میں رہتی تھی۔ جدید شہنشاہی دور (575 ق۔م) میں اس روحانی جسم' یعنی ساحو کا ذکر نسبتاً" بہت کم ملتا ہے اصل میں بعد کے زمانوں کے لوگ گوشت پوست کے اصل جسم کی دوبارہ زندگی کے زیادہ قائل تھے ------ ساحو دعاؤں اور مذہبی رسوم کی ادائیگی کی وجہ سے فانی جسم سے ظہور پذیر ہوتا تھا۔ یہ دعائیں اور رسمیں تعلیم یافتہ پجاری پڑھتے اور ادا کرتے تھے۔

'با' (روح قلب) کے ساتھ خو (روحانی جسم) کا اکثر ذکر ملتا ہے۔ ایسا معلوم پڑتا ہے کہ اہل مصر اسے نہایت لطیف وجود گردانتے تھے۔

دل کو اہل مصر 'اب' بھی کہتے تھے اور حاتی (حتی) بھی۔ 'اب' (دل) کا تعلق روح (با) کے ساتھ بہت قریبی اور گہرا تھا۔ 'اب' حیوانی زندگی اور انسانی نیکی و بدی کا سرچشمہ تھا' مصریوں کے نزدیک انسان کے دل کو محفوظ رکھنے کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ پورے انسانی بدن میں صرف دل (اب) ہی وہ عضو تھا جسے عالم آخرت میں حساب اخروی کے وقت الگ کرلیا جاتا تھا اور پھر اسے ترازو میں رکھ کر سچائی یا حق (مات) کے پر سے تولا جاتا۔ اگر پلڑے برابر رہتے تو انسان بے گناہ قرار پاتا اور بخشا جاتا اور اگر 'پر' کا پلڑا بھاری رہتا تو مرنے والے انسان کو گناہگار قرار دیا جاتا۔ وہ دل (اب) کو روحانی اور فکری زندگی کا مرکز خیال کرتے تھے۔ یہی انسانی عضو تھا جس سے نیکی اور بدی ظاہر ہوتی تھی۔ دل ہر اس چیز کا آئینہ دار تھا جسے ہم آج کی زبان میں ضمیر کہہ سکتے تھے ان کے نزدیک دل ذہانت کا مسکن تھا اور ذہانت کا جوہر یا 'روح' بھی دل میں رہتی تھی۔ ذہانت کی اس 'روح' کو وہ 'اب' کہتے تھے۔ 'اب' ارادے اور خواہش کی مظہر تھی۔

انسانی جسم کا سایہ 'خائبت' (خائے بت) کہلاتا تھا۔ اس کا 'با' (روح) سے گہرا تعلق تھا۔ یہ انسانی بدن کا ناگزیر عنصر تسلیم کیا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ 'کا' کی طرح 'خائبت' کا گزارہ بھی اس شخص کے مقبرے میں نذر کی ہوئی اشیاء خوردنی و نوشیدنی پر تھا جس شخص

سے یہ سایہ متعلق ہوتا تھا۔ 'کا' کی ہی مانند 'خائبت' کا بھی انسانی جسم سے جداگانہ وجود تھا۔
خائبت (خائے بت) بھی اپنی مرضی سے جہاں جی چاہے آجا سکتا تھا۔

سخم سے مراد "قوت۔ توانائی" بھی لی گئی ہے۔ اہل مصر سخم کو غالباً" انسان کی قوت حیات کی غیرمادی تجسیم خیال کرتے تھے۔ سخم آسمان پر انسانوں کے 'خو' (ارواح) کے ساتھ رہتی تھی مذہبی عبارتوں میں اس کا ذکر و (ارواح)' کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اوپر مصر کی قدیم تہذیب میں ملنے والے ایسے نظریات اور عقائد کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر روح یا روحانیت کے ساتھ بنتا ہے۔ مصر دنیا کی قدیم ترین تہذیب تھی۔ دنیا کے دیگر علاقوں نے ابھی وحشی پن سے آگے قدم نہیں بڑھایا تھا کہ اہل مصر تہذیب و تمدن کی نہایت اعلیٰ حالتوں تک پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے فلسفہ' شاعری اور داستانوں کے ساتھ ساتھ مابعدالطبیعیاتی مسائل پر بھی غور کیا۔ ان میں روح کا تصور لافانیت کی خواہش کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ اس تصور نے بالخصوص یہودیت' عیسائیت اور اسلام کو بہت متاثر کیا جن کا مطالعہ ہم آگے چل کر کریں گے۔

چودھواں باب

سومیر

سومیر کی قدیم تہذیب کا تصور بھی تخلیق کائنات کے تصور سے منسلک ہے۔ ہم تک اس قدیم دور کی صرف کچھ ادھوری داستانیں ہی پہنچی ہیں جو اپنا روپ بدل کے دوسرے مذاہب اور معاشروں میں ابھی تک موجود ہیں۔ سومیر کے کسی فلسفی یا باقاعدہ سوچنے والے ذہن کے خیالات سے ہم محروم ہیں کہ جس نے روح کے بارے میں تفصیلاً" بات کی ہوتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت عقل انسانی نے اتنی ترقی ہی نہ کی تھی کہ ان سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کرتی جو آج بھی حل طلب ہیں۔ سومیر کے دیوی دیوتا ہی اصل میں ارواح سعید اور ارواح خبیثہ تھے۔ روحیت پرستی میں انسان ہر مظہر فطرت اور ہر زندہ چیز کی روح کو پوجتا تھا۔ اس سے اگلے دور میں اس نے ان ارواح کو ہی دیوتا بنا لیا۔ بیشتر مذاہب نے ان تمام ارواح کے سردار، روح الاروح، نور الانوار یعنی خدا کو معبود بنایا۔

سومیر کی تہذیب موجودہ عراق میں تھی۔ فضا روحوں سے پر تھی ہر طرف شفیق فرشتے محافظ تھے۔ اور شیطان بدروحیں محافظ دیوتا کو بے دخل کرکے جسم و روح پر ملکیت قائم کرنے کی کوشش میں مصروف رہتیں۔

اس ابتدائی دور میں بھی مذہب کی عظیم اساطیر صورت پزیر ہو رہی تھیں۔ مردے کے ساتھ قبر میں کھانا اور ہتھیار بھی دفن کئے جاتے، اس لئے ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ سومیری حیات بعد از موت پر یقین رکھتے تھے۔ لیکن یونانیوں کی طرح انہوں نے بھی اگلی دنیا کی تصویر کشی آفت زدہ سایوں کے تاریک مسکن (پاتال) کے طور پر کی جہاں تمام مرنے والے بلاامتیاز اترتے ہیں۔ ابھی تک انہوں نے بہشت اور دوزخ، ابدی سزا و جزا کا تصور نہیں کیا تھا۔ وہ عبادت اور قربانی "ابدی زندگی" کے لئے نہیں بلکہ مادی دنیا میں قابل محسوس فائدوں کی خاطر کرتے تھے۔

آج کی طرح قدیم عراقیوں کے سامنے بھی کچھ مسئلے تھے، کچھ سوال تھے، جن میں سے

بعض ان کے مشاہدے اور بعض ان کے "نظریہ کائنات" کی روشنی میں پیدا ہوئے تھے' ابن مریم سے کم از کم تین ہزار برس پیشتر عراق کی سومیری قوم میں ایسے مفکر اور معلم ضرور پیدا ہوئے جو ان مسائل اور سوالات کے جوابات دینے کی کوشش میں عمر عزیز صرف کر گئے اور مرنے سے پہلے علم کائنات (اور علم دینیات بھی) اپنی حد تک مرتب کر گئے' اپنی اس سعی حاصل خیز میں وہ اتنے اونچے چلے گئے تھے اور اپنے ان نتائج پر انہیں ایمان کی حد تک اس قدر اعتماد تھا کہ آگے چل کر ان کے نکالے ہوئے نتیجے اور عقیدے مشرق قریب کے الہامی اصولوں اور عقیدوں کے سنگ بنیاد بن کر رہ گئے۔

سومیریوں اور بابلیوں کی فلاسفی' دینیات اور علم کائنات اور آفرینش کے متعلق قریباً" ساری معلومات کی عمارت ان کی ادبی تخلیقات' خصوصاً" داستانوں' کہانیوں' مناجاتوں اور ارسطو کی بنیادوں پر کھڑی ہے' اگر یہ بنیادیں ہٹا دیں تو کچھ باقی نہیں رہتا۔

کائناتی ڈھانچے کی ساخت کے متعلق سومیری دانشور اپنے بنیادی نظریوں کو بڑے واضح اور نکھرے ہوئے' غیر متنازعہ فیہ اور طے شدہ حقائق پر مبنی سمجھتے تھے' انہی نظریات سے انہوں نے یہ استنباط کیا کہ تکوین کائنات کیسے ہوئی؟ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ سب سے پہلے "اولین سمندر" موجود تھا۔ وہ اس سمندر' بہ الفاظ دیگر پانی کو اولین علت ازلی اور محرک اول خیال کرتے تھے' لیکن انہوں نے خود سے یہ سوال نہیں پوچھا کہ اس ازلی اصول اول یعنی سمندر سے پہلے زمان و مکان میں کیا چیز تھی؟ ------ مذکورہ سمندر میں کسی نہ کسی طرح کائنات وجود میں آئی' ان کی یہ کائنات "زمین و آسمان" پر مشتمل تھی اور اسے وہ "انکی" کہتے تھے یعنی "آسمان و زمین" (ان = آسمان' کی = زمین) اور یوں ان کے نظام کائنات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

غلاف دار آسمان مسطح اور ہموار زمین کے اوپر قائم تھا' ان دونوں کے درمیان متحرک ہوا پھیلی ہوئی تھی جو انہیں جدا کئے ہوئے تھی' اس ہوا سے چاند' سورج اور ستارے بنے ہوئے تھے زمین و آسمان کی جدائی اور اجرام فلکی کی تخلیق کے بعد نباتاتی' حیواناتی اور انسانی زندگی نے آنکھ کھولی۔

وہ کون سی قوت تھی جس نے تخلیق کائنات کا آغاز کیا اور قرنوں تک ------ روز بروز سال بہ سال موجودات کو پیدا بھی کرتی رہی اور نظام کائنات کو بھی چلاتی رہی؟ اس سوال کے تفصیلی جواب کے لئے ہمیں پھر سومیریوں کی ادبی تخلیقات ہی کو کھنگالنا ہوگا۔ سومیری

فلاسفر اور علمائے دین (کلیے کے طور پر) جانداروں کے ایک ایسے گروہ پر ایمان رکھتے تھے جو شکل و شباہت میں تو انسان کے سے تھے لیکن تھے مافوق الفطرت اور لافانی' فانی آنکھ انہیں دیکھ نہیں سکتی تھی اور یہ ہستیاں تجسیم انسانی اختیار کئے ہوئے تھیں۔ یہی ان دیکھی اور ابدی ہستیاں تھیں جو ایک باقاعدہ نظام اور باقاعدہ طور پر تجویز شدہ آئین کے تحت امور کائنات کو چلاتی اور کنٹرول کرتی تھیں۔ مافوقیت کی حامل یہ غیرمرئی ہستیاں کائنات کے مختلف صیغوں اور اشیا کی الگ الگ نگران تھیں چنانچہ سومیری کتبوں سے ایسی کتنی ہی چیزوں کا پتہ چلتا ہے جو کہ ان ابدی نگرانوں سے مخصوص تھیں مثلاً آسمان' سورج' چاند ستارے' سیارے' ہوا' آندھی' طوفان' زمین' سمندر اور دریا پہاڑ' میدان' شہر' ریاست' پشتہ' خندق' چراگاہ' کھیت' کدال' خشتی' سانچے' ہل' اناج اور مویشی وغیرہ ------ سومیری دانشوروں کے مذکورہ بالا فرضی کلیئے کے پس پردہ ایک منطقی نتیجہ کام کر رہا ہے' وہ ان انسان نما غیرمرئی ہستیوں کو دیکھ تو نہ سکتے تھے' چنانچہ اب صرف ایک ہی ذریعہ ان کے پاس رہ گیا تھا' جس سے وہ اس سلسلے میں کوئی کلیہ قائم کرتے اور وہ ذریعہ تھا انسانی معاشرے کا مشاہدہ۔ چنانچہ اب بات یہاں آکر ٹھہری کہ سومیری اہل خرد کسی مرئی چیز اور واقعہ سے کسی غیرمرئی شے اور وقوعے کے متعلق استدلال کیا کرتے تھے' وہ برابر دیکھ رہے تھے کہ تمام قابل تصور اور نظر آنے والی چیزوں اور اداروں مثلاً ملکوں' شہروں' مندروں' کھیتوں' چراگاہوں' مویشیوں' اناجوں اور اوزاروں کی رکھوالی اور محاسبہ مختلف انسان کرتے ہیں' اگر یوں نہ ہوتا تو ملکوں اور شہروں میں ویرانی کی خاک اڑنے لگتی' مندر اور محلات کھنڈر بن جاتے' کھیتوں اور مرغزاروں پر بیابان اور صحرا چڑھ دوڑتے' ان سب مشاہدوں سے سومیریوں نے یہ منطقی نتیجہ نکالا کہ کائنات اور اس کے متنوع مظاہر کا بھی اسی طرح کنٹرول اور دیکھ بھال ہوتی ہے' اس کی نگرانی اور نظم و ضبط کا ذمہ دار کون تھا؟ کائنات بحیثیت مجموعی اس خطے سے کہیں زیادہ وسیع و عریض تھی' جس میں انسان بستا تھا۔ اس لئے انہوں نے ایسی مافوق الفطرت ہستیوں کا تصور پیش کیا جو لازمی طور پر انسانوں سے ناقابل قیاس حد تک مضبوط' بااثر اور مقتدر تھیں' اور ان کا لافانی ہونا انتہائی ضروری تھا' اگر وہ امر نہ ہوتیں تو ان کی موت پر کائنات منتشر اور دنیا ختم ہو جاتی (یہی سب باتیں بابلیوں کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہیں) ان مذکورہ انسان نما فوق العادات' غیرمحسوس اور ابدی ہستیوں کو سومیری "سومیری دنگر" کہتے تھے اور "دن گر" کے معنی ہیں دیوتا۔

انسان کی تخلیق کے متعلق بابلی اور عبرانی نظریات میں واضح فرق ہے' بابلی روایت کی رو سے انسان "کنگو" دیوتا کے خون سے بنایا گیا تھا' جو خود بھی تھا تو دیوتا ہی' مگر دیوتاؤں کا باغی' انتہائی فتنہ جو اور مفسد' بابلیوں کے خیال میں انسان کی تخلیق اس وجہ سے ہوئی کہ وہ دیوتاؤں کی خدمت کرے اور انہیں فکر معاش سے آزاد کردے' لیکن بائبل کی رو سے انسان مٹی سے پیدا کیا گیا تھا' اور مقصد یہ تھا کہ انسان تمام جانوروں پر حکومت کرے' سومیریوں کا نظریہ تھا کہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی' اور خالق کی نیت یہی تھی کہ انسان نہ صرف دیوتاؤں کی خدمت بجالائے بلکہ ان کے لئے کمائے اور انہیں محنت و مشقت کی زندگی سے چھٹکارا دلائے' اور ایک سومیری کہانی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دو دیوتاؤں کے خون سے بھی تخلیق انسانی ہوئی تھی۔

ایک سومیری منظوم کہانی کو مویشی اور اناج کا نام دیا گیا ہے' اس کی اہمیت خاص طور پر اس لئے ہے کہ اس میں تخلیق انسانی کا بھی ذکر ہے' اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس ضرورت کے تحت انسان کو پیدا کیا گیا تھا' اس کہانی کے خاص کردار مویشیوں کے دیوتا لہار (لاہار) اور اس کی خوبصورت اور فیاض بہن اشنن دیوی ہیں' یہ دونوں دیوتاؤں کے "حجرہ تخلیق" میں پیدا ہوئے تاکہ انو دیوتا کے بچوں اور مقلدین یعنی انوناکی کو کھانے کے لئے خوراک اور پہننے کے لئے کپڑے مل سکیں لیکن انوناکی عدم واقفیت کی بنا پر مویشیوں اور اناج سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکے اور بھوکے رہتے تھے' چنانچہ ان کو آرام پہنچانے' خدمت کرنے اور ضروریات بجالانے کے لئے انسان کی تخلیق کی گئی۔ مندرجہ ذیل ترجمہ تقریباً" لفظی ہے۔

"زمین اور آسمان کے پہاڑ پر انو دیوتا نے انوناکی کو پیدا کیا (اس وقت) اشنن اور اتو کا نام پیدا نہیں کیا گیا تھا اتو دیوی کے لئے (مندر کا) مقدس احاطہ نہیں بنا تھا۔ کوئی بھیڑ نہ تھی' نہ بھیڑ نے کوئی میمنا جنا تھا۔ کوئی بکری نہ تھی اور بکری سے کوئی لیلا پیدا نہیں ہوا تھا۔ بھیڑ نے اپنے دو اور بکری نے اپنے تین بچوں کو جنم دیا تھا' انوناکی عظیم دیوتا' زیرک اشنن اور لہار کے ناموں سے آگاہ نہ تھے' تیس دنوں کا شش اناج اور چالیس دنوں کا شش اناج موجود نہیں تھا' چھوٹے اناج کو ہستانی اناج اور مقدس مخلوق کے انجوں کا وجود نہ تھا' اتو دیوی پیدا نہیں ہوتی تھی کیونکہ روئیدگی کا سر نہیں ابھرا تھا۔ بادشاہ ------

پیدا نہیں ہوا تھا' میدانوں کا دیوتا سموگن آگے نہیں آیا تھا' جب پہلے پہل انوناکی پیدا ہوئے' تو وہ نوع انسانی کے برعکس نہ تو روٹی کھانا جانتے تھے اور نہ کپڑے پہننا۔ وہ بھیڑوں کی طرح پودے کھاتے اور کھائی سے پانی پیا کرتے .... ان دنوں دیوتاؤں کے حجرہ تخلیق میں ان کے گھر دل کگ میں لہار اور اشنن کو پیدا کیا گیا' لہار اور اشنن کی پیداوار انوناکی کھاتے مگر سیر نہ ہوتے تھے' بھیڑوں کے پاکیزہ باڑے میں انوناکی خوش ذائقہ شم دودھ پیتے لیکن سیری نہیں ہوتی تھی' ان پاک اور اچھے باڑوں کی خاطر انسان کو سانس بخشا گیا۔"

انسان کی تخلیق کے بعد لہار اور اشنن کو زمین پر بھیجا گیا' وہ اپنے ساتھ تمدنی برکت لے کر آئے تھے۔

"ان دنوں انکی' ان لل سے کہتا ہے' ان لل باپ' لہار اور اشنن جنہیں دل۔ کگ میں پیدا کیا گیا ہے ہم دل کگ سے نیچے (زمین پر) اتار دیں۔" انکی اور ان لل کے مقدس حکم پر لہار اور اشنن دل ککگ سے نیچے اترے' انکی اور ان لل نے لہار کے لئے بھیڑ بکریوں کا باڑا بنایا۔ اس (لہار) کو انہوں نے افراط پودے اور جڑی بوٹیاں دیں' اشنن کے لئے انہوں نے ایک گھر بنایا' ہل اور (بیلوں کی گردن کا) جوا اسے دیا' لہار اپنے باڑے میں' باڑے کی دولت میں اضافہ کرنے والے کی حیثیت سے اور اشنن کسی مہربان فصلوں کی طرح' فصلوں کے درمیان کھڑی تھی' وہ (بھی) فیاض تھی۔ آسمان سے نازل ہونے والی فراوانی کو لہار اور اشنن نے زمین پر پیدا کیا۔ زمین میں وہ "زندگی کا سانس" لائے' دیوتاؤں کے قوانین کو (دونوں) نے لاگو کیا۔ گوداموں کے ذخیروں میں اضافہ کیا۔ اناج سے گوداموں کو بھر دیا' غریبوں کے خاک دھول سے بھرے ہوئے گھروں میں جاکر انہوں نے خوشحالی بخشی' وہ دونوں جہاں کہیں بھی کھڑے ہوتے ہیں' اس جگہ کو معمور کر دیتے ہیں' جس جگہ وہ بیٹھتے ہیں وہاں کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں' انہوں نے انو' اور انلل کے دل کو مسرت عنایت کی۔"

تخلیق انسانی سے متعلق ایک سومیری کہانی ملی ہے' اکثر سومیری کہانیوں کی طرح یہ بھی پانیوں کے دیوتا انکی' اور زمین کی دیوی ننِ ہرسگا کے گرد گھومتی ہے' لیکن اس میں ننِ ہرسگا کے بجائے اس کا وصفی نام ننِ مح آیا ہے۔ ننِ مح کے معنی ہیں "عظیم خاتون۔" چنانچہ زیر نظر کہانی میں اس کا یہی نام آتا رہے گا۔ اس کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ نمو (اولین سمندر)' دھرتی ماتا ننِ مح اور عقل و دانش کے دیوتا انکی' کی مشترکہ کوششوں سے نسل انسانی وجود میں آئی۔

انکی اور ننِ مح کی کہانی سے پتہ چلتا ہے کہ:

"ان ابتدائی دنوں میں دیوتاؤں کو اپنی بقا کی خاطر سارے کام خود ہی کرنا پڑتے تھے۔ سب دیوتا درانتیاں' کدالیں اور دوسرے آلات کشاورزی استعمال کرنے پر مجبور تھے' انھیں نہریں کھودنے اور اپنی روٹی حاصل کرنے کے لئے ماتھے کا پسینہ بہانا پڑتا تھا' پر وہ اس محنت و مشقت کی زندگی سے خوش نہ تھے' اور جب دیویاں بھی پیدا ہوگئیں تو ان کا کام اور بھی مشکل ہو گیا' دیوتاؤں نے شکایت کی' انھیں توقع تھی کہ ان کی مدد کے لئے دوراندیش دیوتا ان کی کچھ نہ کچھ ضرور مدد کرے گا' مگر وہ تو ہر وقت اپنی مسہری پر پڑا خواب شیریں کے مزے لیا کرتا' آنکھ نہ کھولنے کی تو گویا اس نے قسم کھا رکھی تھی۔"

آخر اس کی ماں' تمام دیوتاؤں کو جنم دینے والی نمو دیوی دیوتاؤں کے آنسو جمع کر کے پاس لائی اور بولی:

"میرے بیٹے اپنے بستر سے اٹھ'
اپنی ------ سے کوئی دانشمندانہ کام کر'
دیوتاؤں کے لئے خدام پیدا کر'
وہ (انسان) ان (دیوتاؤں) کے لئے دگنا پیدا کریں ------"

نمو کا بیٹے کے پاس جانا بے کار نہیں گیا' اس نے اس مسئلہ پر خوب غور کیا' پھر ماں سے بولا:

"ماں جس مخلوق کا تو نے نام لیا موجود ہے'
اس پر دیوتاؤں کا عکس ڈال'
اپسو کے اوپر مٹی کے دل کو گوندھ

اچھے اور اعلیٰ صورت گر' (اس) مٹی کو موٹا کریں گے'
تو انسان کے اعضاء پیدا کر
نن مح تیرے اوپر کام کرے گی۔
بناتے وقت زچگی کی دیویاں تیرے قریب ہوں گی'
ماں! اس (نومولود) کے نصیبے کا اعلان کر'
نن مح اس پر دیوتاؤں کا عکس ڈالے گی
"یہ آدمی ہو گا......"

زچگی کے وقت نن مح نے نمو کی مدد کی' نن مح کے ساتھ زچگی کی آٹھ دیویاں بھی اس کام میں ہاتھ بٹانے کو حاضر تھیں' اس طرح اپسو کے اوپر کی' مٹی پیدا ہوئی اور اسی سے انسان کی تخلیق ہوئی' افسوس کہ اس مقام پر آکر کہانی کا بے حد اہم حصہ اتنی بری طرح ضائع ہوچکا ہے کہ وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس مٹی سے آخر انسان کس طریقے سے پیدا ہوا۔

پندرھواں باب

بابل کی "دکشر"

بابلیوں نے محض ابدیت کے تصور سے کوئی تسکین حاصل نہ کی۔ ان کا مذہب ارضی حیثیت میں عملی تھا۔ دعا کرتے وقت وہ آسمانی انعامات نہیں بلکہ زمینی چیزیں مانگتے تھے۔ وہ قبر میں جانے کے بعد اپنے دیوتاؤں پر اعتبار نہیں کر سکے۔ یہ درست ہے کہ ایک عبارت مردوک کو "مردوں میں زندگی پیدا کرنے والے" کے طور پر بیان اور "طوفان کی کہانی" دو زندہ بچ جانے والے انسانوں کو تاابد زندہ پیش کرتی ہے، لیکن موت کے بعد ایک اور زندگی کا بابلی تصور یونانیوں جیسا تھا۔ مردہ انسان .... ولی اور بدمعاش، جوہر کامل اور احمق سب ایک ہی طرح .... زمین کے پیٹ کے اندر تاریک اور چھاؤں دار دنیا میں جاتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی دوبارہ روشنی نہ دیکھتا۔ ایک بہشت موجود تھی، لیکن صرف دیوتاؤں کے لئے۔ ارالو .... جہاں سب انسان جاتے تھے .... بار بار سزا کی جگہ تھی، خوشی کبھی نہیں۔ وہاں مردہ بندھے ہوئے ہاتھوں پاؤں کے ساتھ تاابد سردی سے ٹھٹھرتا اور بھوکا پیاسا لیٹا رہتا، جب تک اس کے بچے تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد قبر میں خوراک نہ رکھ دیں۔ زمین پہ بالخصوص عیاری دکھانے والے لوگوں کو خوفناک ایذائیں ملتی تھیں۔ کوڑھ انہیں کھا جاتا یا پھر کوئی اور بیماری، جسے ارالو کے نر اور مادہ دیوتا نرگل اور الت ان کی اصطلاح کے لئے لگا دیتے تھے۔

زیادہ تر نعشیں محرابوں میں دفنائی جاتیں۔ چند ایک کو جلایا جاتا اور ان کی باقیات کو مرتبانوں میں محفوظ کر دیتے۔ نعش کی حنوط کاری نہیں کی جاتی تھی لیکن پیشہ ور نوحہ گر اسے دھو کر خوشبو لگاتے، خوبصورت لباس پہناتے، گالوں پر روغن کرتے، پلکوں کو مزید کالا بناتے، انگلیوں میں انگوٹھیاں ڈالتے اور لبلن کا ایک جوڑا بھی مہیا کر دیتے تھے۔ عورت کی نعش کے ساتھ عطر کی شیشیاں، کنگھیاں، سنگھار پنسلیں اور مسکارہ بھی رکھ دیا جاتا تھا تاکہ وہ اگلی دنیا میں اپنی مہک اور رنگت کی حفاظت کر سکے۔ اگر مردہ مناسب طریقے سے نہ دفنایا جائے تو

وہ زندہ کو اذیت دیتا۔ اور اگر بالکل ہی نہ دفن کیا جائے تو روح کھانے کی تلاش میں روڈکاروں اور گندی نالیوں میں گشت کرتی اور سارے شہر کو کسی وبائی مرض میں مبتلا کر سکتی تھی۔ تصورات کا یہ ملغوبہ یوکلیڈ کے تصورات جیسا ہم آہنگ تو نہیں۔ لیکن سادہ لوح بابلی کو اپنے دیوتاؤں اور پروہتوں کو اچھی طرح کھلانے پلانے پر اکسانے کے لئے کافی تھا۔

کھانا اور مشروب عام چڑھاوا تھا کیونکہ ان چیزوں میں یہ فائدہ تھا کہ اگر دیوتاؤں نے ان کا پوری طرح سے استعمال نہ کیا تو یہ ضائع نہیں جائیں گی۔ بابلی قربان گاہوں پر اکثر میمنے کی قربانی دی جاتی تھی اور ایک قدیم بابلی منتر انوکھے انداز میں یہودیت اور عیسائیت کی تشبیہیت کی پیش بینی کرتا ہے۔ "انسان اپنی زندگی کے بدلے میں میمنا قربان کرتا ہے۔" قربانی ایک پیچیدہ رسم تھی' جس کے لئے پروہت کی ماہرانہ خدمات درکار تھیں۔ مقدس روایت کے تحت رسم کا ہر وظیفہ اور لفظ طے شدہ تھا اور ان سے کوئی بھی ناپختہ انحراف کا مطلب یہ ہو سکتا تھا کہ دیوتا نے بغیر کھا رہے ہیں۔ بحیثیت مجموعی اہل بابل کے لئے مذہب کا مطلب اچھی زندگی کی بجائے درست انداز میں رسم کی ادائیگی کرنا تھا۔ دیوتاؤں کے سامنے اپنا فرض ادا کرنے کے لئے معبدوں کو موزوں قربانی کی نذر کرنا اور مناسب دعاؤں کا ورد کرنا پڑتا تھا۔ آسمان کو خفا کئے بغیر وہ اپنے شکست خوردہ دشمن کی آنکھیں نکال سکتا تھا اور قیدیوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ اور باقی جسم بھٹی میں زندہ بھون سکتا تھا۔ ان جیسے طویل اور مذہبی جلوسوں میں حصہ لینا (تعظیم کے ساتھ شامل ہونا) جن میں پروہت مردوک کی شبیہہ ایک عبادت گاہ سے دوسری تک لے جاتے ہیں اور ان کی موت اور حیات نو کا مقدس ناٹک کھیلتے تھے' اصنام کو خوشبودار تیلوں سے تر کرنا' ان کے سامنے لوبان جلانا' انھیں امیرانہ پوشاکیں پہنانا' زیورات سے سجانا' عشتار کے جشن عظیم میں اپنی بیٹیوں کے کنوار پن کا چڑھاوا چڑھانا' دیوتاؤں کے ساتھ کھانا اور مشروب رکھنا اور پروہتوں کے ساتھ فیاضی برتنا...... پارسا و متقی بابلی روح کے لئے یہ بنیادی کام تھے۔

اہل بابل کی چند عمدہ ترین ادبی تحریریں وہ مناجات ہیں جو ایک عمیق اور مخلص پارسائی میں سانس لیتی ہیں۔ مغرور نبوکد نضر کو عاجزی کے ساتھ مردوک سے مخاطب ہوتے سنیں:

اے مالک' تیرے بغیر کیا ہست ہو سکتا تھا؟
کیونکہ بادشاہ تیرا پیارا ہے تو اس کا نام پکارتا ہے۔
تو جیسے چاہے گا اس کے رتبے میں برکت دے گا'

اور اس پر ایک بلاواسطہ راہ کی عنایت کرتا ہے۔
میں تیرا مطیع بادشاہ'
وہی ہوں جیسا تیرے ہاتھوں نے مجھے بنایا ہے'
تو میرا خالق ہے'
تو نے مجھے انسانوں کی جمیعتوں پر حکومت سونپی۔
اپنی رحمدلی کے مطابق' مالک ....
اپنی دہشتناک قوت کو محبت بھری مہربانی میں بدل'
اور میرے دل میں
اپنی الوہیت کے لئے تعظیم پیدا کر
اپنے خیال کے مطابق بہترین عطا کر۔

بابلی تصور گناہ نے ان فریادوں اور آہوں کو زیادہ خلوص عطا کیا۔ گناہ روح کی محض نظری حالت ہی نہیں تھا۔ بیماری کی طرح گناہ بھی جسم پر کسی شیطان کا تسلط تھا جو اسے تباہ کرسکتا تھا۔ دعا شیطان کے خلاف ایک منتر جیسی تھی جو اس جادوئی قوتوں کے سمندر سے نکل انسان پر قابض ہوجاتا تھا' جس میں قدیم مشرق زندہ اور متحرک تھا۔ بابلی نکتہ نظر کی رو سے یہ غارتگر شیطان ہر کہیں گھات لگائے بیٹھے تھے۔ وہ درزوں میں چھپے تھے' دروازوں یا حتیٰ کہ چنخنیوں اور جوڑوں میں سے اندر سرک آتے۔ اور جب بھی کوئی گناہ لمحہ بھر کے لئے بھی دیوتاؤں کی مہربان سرپرستی سے نکلتا تو وہ شیطان کسی بیماری یا پاگل پن کی صورت میں اپنے شکار پر جھپٹ پڑتے۔ دیو' بونے' لیلیتھ اور سب سے بڑھ کر عورتیں بھی' محض ایک بری نگاہ کے ساتھ' ان انسانوں کے جسم میں تخریبی روح داخل کرنے کی قوت رکھتی تھیں۔ جن کے وہ خلاف ہوں۔ ان شیطانوں کے خلاف جزوی تحفظ تو جادوئی منتروں' طلسماتوں اور تعویزوں سے مہیا ہوتا تھا۔ جسم پر دیوتاؤں کی شبیہیں بنانا' شیطانوں کو ڈرا کر بھگانے کے لئے عموماً" کافی ہوتا۔ چھوٹے چھوٹے پتھروں کی مالا یا زنجیر بنا کر گردن میں لٹکا لینا خصوصاً" موثر تھا۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری تھا کہ خوش قسمتی کے ساتھ موزونیت رکھنے والے پتھر لئے جائیں اور دھاگہ پیش نظر مقصد کے مطابق سفید' کالا یا سرخ ہو۔ کنوارے بچوں کا بنا ہوا دھاگہ بالخصوص طاقتور تھا۔ لیکن ان ذرائع کے علاوہ پرجوش منتروں اور جادوئی رسم کے ذریعہ شیطان کی جھاڑ پھونک کرنا بھی دانشمندی تھی ـــــ مثلاً

مقدس دریاؤں دجلہ و فرات کے پانی سے جسم پر چھینٹے مارنا .... یا پھر شیطان کی ایک شبیہہ بنا کر اسے کشتی میں رکھنے کے بعد موزوں منتر کے ساتھ پانی میں بھیجا جاسکتا تھا۔ اگر کشتی کو اوندھا کیا جاسکے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ مناسب منتر کے ساتھ شیطان کو اپنے انسانی شکار کا جسم چھوڑنے اور جانور (پرندہ' سور یا عموماً" میمنا) کے جسم میں داخل ہونے پر مائل کیا جاسکتا تھا۔

بابل کی سب سے زیادہ اہم اور قابل ذکر داستان انوماالش کی ہے جس میں ہمیں روح کے بارے میں قدیم ترین اور غیر واضح تصور نظر آتا ہے۔ خیال رہے کہ قدیم تہذیبوں میں دیوتاؤں اور نیک و خبیث روحوں میں زیادہ فرق نہ تھا۔ بابلیوں کا مقبول ترین دیوتا مردوخ یا مرودک اس داستان کا ہیرو ہے۔ یہی مردوخ بابلی دیوی' دیوتاؤں کا سربراہ تھا' انوماالش کا اصل مقصد بھی مردوخ کی عظمت کے گن گانا تھا اجرام فلکی کی تخلیق اسی نے کی۔ اسی نے دنیا میں نظم و ضبط قائم کیا اور نور پیدا کیا مردوخ کے پجاریوں نے اس سے وہ کام یا کارنامے بھی منسوب کردیئے جو اصل میں کسی وقت دوسرے دیوتاؤں سے مخصوص تھے۔ بعل اور ایا دیوتاؤں کی جگہ بھی اس نے ہتھیا لی۔ انو اور دوسرے برگزیدہ دیوتاؤں نے مردوخ کی بالادستی بخوشی تسلیم کرلی مردوخ کو شروع زمانوں میں کچھ ایسی اہمیت حاصل نہ تھی۔ وہ بابل کے ان دیوتاؤں میں سے ہے جو سب سے آخیر میں نمایاں پوزیشن کے مالک بنے تھے۔ اسے انوماالش کا ہیرو اور بابل کے تمام دیوتاؤں کا سردار مشہور بابلی مقنن بادشاہ حمورابی (2067/2525 ق م) کے چند صدیوں بعد جاکر بنایا ہوگا اور یہ وہ وقت تھا جب مردوخ کی حیثیت کو عوام نے تسلیم کرلیا تھا۔

انوماالش میں تخلیق کائنات کا عمل یوں بیان کیا گیا:

"جب اوپر آسمان کا نام بھی نہ رکھا گیا تھا'
اور نیچے ٹھوس دھرتی کا نام بھی نہ سوچا گیا تھا۔
جب صرف قدیم ترین اپسو ان کا سرچشمہ'
اور ممو
اور غیض آلود تیامت' دونوں کی ماں'
اپنے پانیوں کو ملا کر ایک کر رہے تھے۔
جب دلدل نہ تھی'

کسی کھیت کی حد بندی نہ ہوئی تھی'
کوئی زمین نظر نہ آتی تھی۔
جب ابھی کوئی بھی دیوتا پیدا نہ ہوا تھا
کسی (دیوتا) کا نام بھی نہ رکھا گیا تھا
کسی کا نصیبہ مقرر نہ ہوا تھا۔
پھر دیوتاؤں نے جنم لیا۔

یہاں بابلیوں نے کائنات کی ابتدائی کیفیت پیش کی ہے۔ گو اصل عبارت بڑی مختصر ہے۔ تاہم اس سے اتنی بات ضرور نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ بابلی موجودات عالم کے آغاز یا ابتدا کے متعلق کیا نظریہ رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک سب سے پہلا عنصر پانی تھا' شروع میں ہر طرف پانی موجیں مار رہا تھا۔ اس وقت کھاری اور میٹھے پانی ایک لامحدود اور بے کنار اور اتھاہ سلسلے کی آغوش میں مربوط تھے اس لئے الگ الگ سمندروں' دریاؤں اور جھیلوں کا کہیں پتہ نہ تھا' دریاؤں کا پانی میٹھا ہوتا ہے' اور سمندروں کا کھاری' چنانچہ بابلیوں کے نزدیک سمندروں اور دریاؤں کی غیرموجودگی میں شیریں اور نمکین پانی الگ نہ ہوسکتے تھے' سمندروں اور دریاؤں کا عدم وجود بھی شاید ان کے خیال میں مذکورہ پانیوں کے غلط ملط ہونے کا ثبوت قرار پاتا ہوگا' پانیوں پر تاریکیاں چھائی تھیں' نہ اوپر آسمان تھا اور نہ نیچے زمین۔ دلدلیں' جزیرے غرضیکہ کوئی چیز ابھی نہ بن پائی تھی' دیوتا سے تھے ہی نہیں اور نہ ان کی تقدیروں کا تعین ہوا تھا۔

ہر طرف ہیولی ہی ہیولی یا بے نظمی تھی اور وہ پانی تین عناصر یا بہ الفاظ دیگر تین دیوی دیوتاؤں پر مشتمل تھا' اپسو' تیامت اور ممو۔ اپسو اولین گہرائیوں کا باپ' سب کا خالق اور شیریں پانیوں کا مظہر تھا۔ اپسو کو انہوں نے عمیق یا گہراؤ کی تجسیم قرار دے لیا تھا اور سمندر یا عمق ہر چیز کو ڈھانپے ہوئے تھا۔ اپسو دراصل اکادی لفظ ہے اور اس کا مطلب ہے "گہرائی' عمق۔" اس کے علاوہ اس کا ایک مفہوم وہ اور بھی لیتے ہیں یعنی "دانش گاہ" اور یہ دانش گاہ وہ جگہ تھی جہاں اکادیوں اور بابلیوں کا محبوب دیوتا ایا (سومیریوں کا انکی) رہتا تھا' اکادی شروع شروع میں "اپسو" کو ایا کی ماں سمجھتے تھے گویا یہ ان کے نزدیک مونث تھی۔ وہ اسے زگارون' یا زگرون بھی کہتے تھے' جس کا مطلب ہے 'آسمان' یا "وہ ماں جس نے زمین و آسمان پیدا کئے۔" اپسو کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ اکادیوں کی زمین کی دیوی تھی'

لیکن اس کی مختلف صفات پر نظر ڈالنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اپسو ہمارے ان ظاہری زمین و آسمان کا مظہر نہیں تھی بلکہ درحقیقت یہ وہ سب سے پہلی گہرائی تھی جس سے بعد میں زمین اور آسمان دونوں ہی وجود میں آئے۔ بہرحال انوماالش میں اپسو ہمارے مذکر اور تیامت کے شوہر کی حیثیت سے آتا ہے۔

اس تثلیث کا دوسرا رکن یا عنصر بے نظمی کی "روح" اور "مادر کل" تیامت تھی۔ تیامت کے معنی سمندر کے ہیں' یہ نمکین پانیوں کا سمندر تھی' یہ لفظ اشوریوں کے ہاں بھی مستعمل تھا اور بائبل میں بھی آیا ہے۔ (پیدائش 1/2) بائبل میں اسے تاحوم لکھا گیا ہے۔ جس کے معنی گہراؤ یا گہرائی کے ہیں اشوری اسے تمتو (گہرا سمندر) کہتے تھے اور بائبل میں بھی اس سے مراد گہرائی یا گہراؤ لی گئی ہے۔ تیامت عبرانیوں کی تاحوم کے مترادف ہے اور تاحوم اپسو کی مانند آبی گہرائی کی تجسیم ہے۔ اس طرح اپسو اور تیامت ہم معنی ہیں۔ جے ہیوٹ (J-Hevit) نے تیامت کے معنی کچھ اور ہی دیئے ہیں یعنی "ذی مخلوق کی ماں" مت بہ معنی ماں اور تیا بہ معنی جاندار مخلوق۔ تیامت اصل میں عمق یعنی (اپسو) کا نسائی روپ ہے۔ بہت سے علما کا خیال ہے تیامت اور اپسو کبھی ایک ہی چیز تھی یا یوں کہہ لیں کہ اکاو والے عمق کو اپسو اور بابل والے تیامت کہتے تھے لیکن انوماالش میں انہیں الگ الگ مان کر جوڑے کی حیثیت سے روشناس کرایا گیا۔ اپسو جو پہلے خود بھی مونث تھا اب آکر تیامت کا شوہر بن گیا۔ یہ نظریہ بھی ٹھیک ہے کیونکہ ان بابلیوں کا خیال تھا کہ پیدائش کا سلسلہ آگے چلانے کے لئے میاں بیوی کا ہونا ضروری ہے اور اس لئے بھی کہ چونکہ انوماالش میں حق و باطل کی کشمکش یا جنگ ہے چنانچہ بابلیوں کے لئے لازمی تھا کہ وہ تیامت کو کسی کا شریک کار دکھاتے' جو (تیامت) بعد میں باطل کی سب سے بڑی قوت یا علامت بن گئی تھی چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے قدیم دیوی اپسو ہی کو تیامت کا شوہر بنا دیا۔ اس کے علاوہ ان دونوں کو میاں بیوی کی حیثیت سے پیش کرنے کی سب سے بڑی وجہ بابلیوں کا وہ نظریہ تھا جس کے تحت وہ ہر حرکت یا عمل اور کائنات کی "زیست" سے متعلقہ ہر چیز کے لئے مذکر اور مونث کا ہونا ضروری خیال کرتے تھے۔ عراقی تیامت کو عام طور پر ایک بہت ہی بڑی اور کریہہ النظر صورت میں دکھاتے تھے۔ قدیم اور جدید عہد ناموں (بائبل) میں "تاحوم" سے متعلقہ جو تخیل ملتا ہے وہ بھی اسی قسم کا ہے' جیسا کہ بابلیوں کا تیامت کے بارے میں تھا۔ بائبل میں رہب' یوماتان اور یوحنا عارف کا مکاشفہ (عہد نامہ جدید) میں لال اژدھے کا ذکر

CS CamScanner

دہو ہے۔ ان کے متعلق بائبل میں جو نظریات اور عقیدے آئے ہیں وہ قریباً" وہی ہیں جو عراق میں تیامت سے پھوٹے تھے۔

تیسرا ممو تیامت اور اپسو کا بیٹا تھا' محققین ابھی تک یہ نہیں طے کرپائے کہ ممو کس چیز کی نمائندگی کرتا تھا' چونکہ یہ "بابائے کل" اپسو اور "مادر کل" تیامت کا بیٹا تھا اس لئے بہت ممکن ہے کہ بابلی ممو سے مراد وہ بادل اور کہر لیتے ہوں جو آبی اور ہیولی یا بے نظمی سے اٹھتی رہتی تھی۔

انوماالش کے مذکورہ بالا ٹکڑے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بابلیوں کی نظر میں کائنات کے اولین اجداد ملے جلے پانی تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک مقام ایسا ہے جہاں بڑے پیمانے پر کھاری اور میٹھا پانی ایک دوسرے سے ملتا رہتا ہے اور یہ وہ جگہ تھی جہاں نمکین پانی کی خلیج فارس اور اس کے ساتھ ہی جنوبی بابل کے میٹھے پانیوں کی فراخ اور وسیع جھیلیں اور دلدلیں تھیں اور یہ دلدلیں فرات اور دجلہ کے شیریں پانیوں سے بنی تھیں۔ مدوجزر کے باعث ان جھیلوں اور دلدلوں میں قریباً" روزانہ ہی زبردست ہلچل مچی رہتی تھی' شاید کی تلاطم خیزیاں بابلیوں کو سوچنے پر مجبور کرگئیں کہ سمندر میں کوئی بڑا عفریت رہتا ہے۔ اس آبی اتار چڑھاؤ کا باعث وہی ہے' اسی دیو یا شیطان صفت "عنصر" کو بابل والے تیامت ماننے لگے موجودہ بصرہ (عراق) کے عرب کے ذہن میں اسی عفریت یا یوں کہہ لیجئے کہ تیامت کا آج بھی مبہم سا تصور موجود ہے۔ اس سے پوچھا جائے تو کہہ اٹھے گا دھرتی تلے ایک عظیم الجثہ بیل یا جن ہے جو زلزلہ لہرا دیتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس قسم کے بابلی تصورات بصرہ کے عربوں میں ہی نہیں بلکہ مختلف ملکوں میں نہ جانے کب سے پھیل چکے ہیں۔ تیامت اژدھے کے روپ میں ایک ایسا ہولناک عفریت تھی جس نے دیوتاؤں اور دنیا کے امن و سکون کو درہم برہم کرنے کی پوری لیکن ناکام کوشش کی۔

دیوتا اور ابتدائی بے نظمی یعنی اپسو اور تیامت ہمعصر تھے۔ دیوتاؤں اور اپسو تیامت کے باہمی رشتے کے انوماالش میں ابہام کی وجہ یہ ہے کہ قدیم عراق اس سلسلے میں مختلف نظریات یا عقائد رکھتے تھے چنانچہ جب ان مختلف عقائد میں مطابقت یا مصالحت ہوئی تو اس کے نتیجے میں انوماالش میں ابہام یا الجھاؤ پیدا ہوا۔ اتنا بالکل واضح ہے کہ جس وقت دیوتاؤں کا ظہور ہوا ان کی تیامت کے ساتھ ٹھن گئی اور ان کی باہمی کش کش یا لڑائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے نظمی اور انتشار سے ہی نظم و ضبط نمودار ہوا۔

CamScanner

عراق سے ایک لوح ملی ہے جس پر دیوی دیوتاؤں کے دس جوڑوں کے نام درج ہیں۔ ان میں لمو اور لحامو' انشر اور کشر' انشرگل اور کشرگل' انشر اور نن شر' دوار اور درالار۔ الالا اور (اس کی بیوی) بلیلی وغیرہ شامل ہیں۔ اس کتبے یا فہرست کی رو سے لمو اور لحامو اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن انوماالش میں لمو اور لحامو کو جداگانہ گروہ سے منسلک بتایا گیا ہے۔ انشر اور کشر سے لمو اور لحامو کی یہ علیحدگی اس لئے دکھائی گئی کہ انوماالش کے مرتبین بے نظمی سے نظم و ترتیب کی طرف ارتقائی کیفیت لازمی طور پر پیش کرنا چاہتے تھے اور یہ نکتہ ایسا ہے جو تکوین عالم کے بابلی نظریئے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

مدتیں گزر گئیں اور پھر لمو اور لحامو کے ملاپ سے ایک اور مقدس جوڑا عالم وجود میں آیا' یہ تھے انشر اور کشر' انشر شوہر تھا اور کشر بیوی۔ انشر ہر اس چیز کی روح تھی جو اوپر ہے اور کشر ہر اس چیز کی "روح" جو نیچے ہے۔ انشر کے معنی ہیں "وہ جو ہر شے کا اوپر احاطہ کرتا ہے۔" ان وہی مادہ ہے جو انو (دیوتا) کے نام میں بھی موجود ہے۔ ان کے معنی ہیں اونچا' بلند' آسمان اور شریا شار کا مطلب ہے "کل۔ مجموعیت۔" کشر کا مفہوم ہے وہ "قوت جو نیچے کی ہر چیز کا احاطہ کرتی ہے۔" اس کے علاوہ انشر کے معنی "آسمان کا بادشاہ" اور کشر کے معنی "زمین کی ملکہ" کے بھی ہیں۔ (ان = آسمان' شریا شار = بادشاہ اور کی = زمین) انشر اور کشر سے عراقیوں کی مراد اس مٹی سے تھی جو دریا اور سمندر کے سنگم کے آس پاس دائرے یا افق کی شکل میں دور دور تک جمی اور تہ آب مٹی (یعنی لمو اور لحامو) کے اوپر بیٹھتی چلی گئی۔ اس دائرے یا انگشتری نما مٹی کے اوپر کا حصہ انشر اور نچلی پرت کشر تھی۔ اس طرح گویا عراقیوں کے خیال میں زمین اور آسمان کی تخلیق ایک ہی مٹی سے ہوئی اور بعد کے زمانوں میں آسمان اپنی موجودہ حالت میں اوپر چلا گیا۔

انوماالش میں انشر کا ذکر لمو اور لحامو اور دیوتاؤں کی تثلیث (انو' ایا اور بعل) کے درمیان آیا ہے' "انشر کا تذکرہ اس مقام پر غالباً" اس لئے کیا گیا ہے کہ انوماالش میں مذہبی ہم آہنگی پیدا کرنا مقصود تھا۔ اس قسم کی دانستہ کوشش انوماالش میں صاف نظر آتی ہے' لیکن قدیم بابلی علماء نے یہ مذہبی ہم آہنگی سمونے کی خاطر بابل کی دوسری مقبول عام کہانیوں سے مولو حاصل کیا تھا ــــــ اشوری قوم کا رب عظیم اشور (دیوتا) تھا اور اشوری اپنی بے پناہ جنگی کامرانیوں کے بعد ایک عرصے تک نمایاں پوزیشن کے حامل رہے ہیں چنانچہ اشوریوں کی اسی اہمیت یا یوں کہہ لیجئے کہ اشور دیوتا کے مرتبے کے پیش نظر اشور کو انوماالش میں "

انشر" کے نام سے دیدہ دانستہ ایک مخصوص مقام یا مرتبہ دیا گیا' اشور اصل میں انشر ہی تھا' اور شمالی عراقیوں یعنی اشوریوں نے اپنے دیوتا جنوب یعنی بابل والوں سے مستعار لئے تھے۔ کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ تمام بابلی دیوتا اشوروں کے ہاں بھی پوجے جاتے تھے بلکہ یہ ہے کہ اشور والوں کے دیوتا بابل میں بھی موجود تھے اور یہ "بابلی الاصل" ہی تھے۔ اشور دیوتا کا اصل یا ابتدائی نام اشور نہ تھا۔ ایسے شواہد موجود ہیں جن کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اشور کا درحقیقت ایک اور نام تھا اور وہ تھا "انشر" ملک اشوریہ کے "صوتیاتی اصولوں" کی وجہ سے انشر بدل کر "اش۔ شر" بن گیا۔ اشور کے لئے جو صفاتی علامتیں استعمال کی گئی تھیں۔ ان کا مطلب بنتا ہے کہ "اچھا خدا" نہ صرف اشوریہ زبان بلکہ عبرانی میں بھی اشر کے معنی ہیں " مہربان ہونا" فیض بخشنا" خوش اقبال بنانا۔" غرض انشر سے "اش شر" بنا اور اش شر سے اشور اور اس طرح شور اصل میں جنوب (یعنی بابلیوں) کا دیوتا تھا۔ ہومل (Hommel) وغیرہ کا خیال ہے کہ اشور کے جنوب (یعنی بابل) میں بھی نینوا نام کی ایک اور بستی تھی' یہیں کے لوگوں نے شمال یعنی ملک اشوریہ میں جاکر اسی نام کی ایک بستی بسائی۔ یہ نو آباد شہر وہی مشہور و معروف نینوا تھا جسے بعد کے اشوری فرمانرواؤں نے اپنی سلطنت کا دارالحکومت بنایا۔

انشر کا اشتقاق بالکل اسی طرح نامعلوم ہے جیسے کہ بابل کے کئی اور دیوی دیوتاؤں مثلاً عشتار' سن اور مردوخ وغیرہ کی اشتقاقیات کا کچھ پتہ نہیں چل رہا' انشر اور کشر قدیم دیوتاؤں میں سے تھے اور یہ پرانے دیوتا بعد میں آنے والے دیوتاؤں مثلاً انو' بعل اور ایا وغیرہ کے پیشرو یا بزرگ تھے بابلی اور اشوری دیومالا میں کشر کی کوئی اہمیت نہ تھی' تاریخی یا مذہبی عبارتوں میں کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ یوں لگتا ہے جیسے اسے بابلی علماء نے انشر کی بیوی کی حیثیت سے تخلیق کرلیا ہو اور بس۔

انشر اور کشر کائنات کی تقسیم کو دو مخصوص یا بڑے واضح حصوں میں ظاہر کرتے ہیں جب "بے نظمی" کی تقسیم ہوئی تو گویا یہ اس کے حتمی طور پر ختم ہوجانے کی طرف پہلا قدم تھا۔ انشر اور کشر کی تخلیق دراصل اس فیصلہ کن فتح کا نکتہ آغاز تھی جس کے نتیجے میں تیامت کا خاتمہ ہوا' انوماایلش جس موجودہ شکل میں پائی جاتی ہے' اس کی رو سے انو' بعل' ایا اور تاریخی دور کے دوسرے اہم برتر دیوتاؤں کی پیدائش سے قبل تیامت اور دیوتاؤں کی اس ہولناک جنگ کا آخری فیصلہ نہ ہوسکا تھا' اس کے باوجود ذرا غور سے دیکھا جائے تو انوماایلش کے عقب سے ایک ایسی قدیم تر کہانی جھانکتی نظر آتی ہے جس میں پیش کردہ لڑائی کا ہیرو انشر تھا اور اس کی مدد کو "انو" کچھ اور بھی دیوتا تھے۔

سولھواں باب

یونان کی "مادی اور خیالی روح"

یونان فلسفیانہ زرخیزی کے لحاظ سے ہندوستان کا ہم پلہ اور کچھ حوالوں سے برتر بھی نظر آتا ہے۔ یونانی فلسفہ کی ابتداء اساطیر سے ہوئی جن میں تخلیق کائنات کا نظریہ مختلف انداز میں پیش کیا گیا۔ انہیں داستانوں میں ہمیں روح کا تصور ملتا ہے۔ روح پر بعد کے یونانی فلسفیوں، افلاطون، سقراط، بقراط، ژینوفون، فیثاغورث وغیرہ نے زیادہ صراحت سے بات کی۔ یونانی ہندوستانیوں کے برعکس اگلی زندگی کی بجائے اپنی موجودہ زندگی پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اس لئے ان کے ہاں روح کے تصور نے زیادہ پیچیدگی حاصل نہیں کی۔

خصوصاً" چھٹی صدی قبل مسیح سے پہلے یونان میں دینتات اور اسطوری خیالات کا دور دورہ تھا۔ ان خیالات پر ہومر اور بالخصوص بیسیارڈ کی صنمیاتی کہانیوں کی گہری چھاپ تھی۔ ان اساطیر کے مطابق دیوتاؤں کے ظہور سے زمانوں پہلے ہر طرف بے شکل اور بے نظم مادہ پھیلا ہوا تھا۔ اندھیرے اور ہرسو محیط انتشار سے رات، اری بس یعنی بے پایاں گہرائی اور ہوا نے جنم لیا۔ پھر عجائب کا ایک عجوبہ ظاہر ہوا۔ اس ڈراؤنے اور بے انتہا خلا سے ایک اعلیٰ ترین چیز "محبت" پیدا ہوئی۔ سیاہ پروں والی شب نے ہوا سے ملاپ کرکے اری بس کے رحم میں رو پہلی انڈا دیا۔ زمانوں کے بعد اس انڈے سے "جگمگاتی محبت" برآمد ہوئی۔ اسے اروز یعنی عشق کہتے تھے۔ یونانیوں کے مطابق یہ عشق ہی پوری زندگی کا سرچشمہ تھا، نور حیات بھی اور نور محبت بھی۔ شاید ہم ڈھیلے ڈھالے طور پر اس "محبت" یا "عشق" کو ہی یونانیوں کی "روح ازل" کہہ سکتے ہیں جو ساری دنیا تخلیق کرنے کا باعث بنی۔ ہمارا مقصد صرف روح کے طے شدہ لفظ سے منسوب کردہ خیالات کی بجائے روح کے تصور کو پیش کرنا ہے۔

پھر تخلیق کے کئی مرحلوں میں زیوس (سورج دیوتا)، جانوروں، پانی، پودوں، دیوتاؤں وغیرہ کی تخلیق کے بعد انسان کی باری آئی۔ انسان کی تخلیق کے وقت ہمیں روح کا تصور

زیادہ واضح طور پر مل سکتا ہے۔ تخلیق انسان کا فریضہ دیوتاؤں نے پرومیتھیئس (لفظی مطلب دور اندیش) اور اس کے بھائی ایپی میتھیئس (کوتاہ اندیش) کو سونپا۔ ایتھنا دیوی کی رضامندی سے پرومیتھیئس نے ہی انسان تخلیق کرنے کا عزم کیا تھا۔ اس نے پینوپیس کے مقام سے مٹی اور پانی لے کر آدمی بنایا جو جانوروں سے زیادہ خوبصورت اور معزز دیوتاؤں کی طرح سیدھا تھا۔ پھر ایتھنا دیوی نے اس میں "زندگی کا سانس" پھونک دیا۔ روح انسانی ان مقدس لیکن منتشر عناصر سے ترتیب دی گئی جو اولین تخلیقی عمل سے بچ رہے تھے۔ خلق انسان سے فارغ ہو کر پرومیتھیئس آسمان پر سورج تک پہنچا اور وہاں سے آگ چرا لایا جس پر اسے ابدی سزا ملی۔ یہ "سنہری دور" کے واقعات ہیں جس میں عورت کا وجود نہیں تھا۔ دیوتاؤں نے مردوں کو سرکشی کی سزا دینے کے لئے انہیں عورت دی۔ بعض علمائے تحقیق کا خیال ہے کہ پرومیتھیئس کے انسان کو مٹی اور پانی سے بنانے اور ایتھنا کے اس میں روح پھونک دینے کی روایت یونانیوں نے بابلیوں کی داستان گل گامش سے لی ہے۔

بلاشبہ یونانی صدیوں تک سورج دیوتا زیئس کو شہنشاہ کونین مانتے رہے لیکن اس کے باوجود اکثر یونانی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے کہ تمام دنیا کی خالق کوئی دیوی ہو گی نہ کہ دیوتا۔ یونانی کہانیوں میں ماضی کے متعلق جو کچھ تخیل پیش کیا گیا ہے اس میں بے جان مقامات اور جاندار ہستیوں یا شخصیات میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا' زمین کو وہ ایک ٹھوس میدان مانتے تھے۔ یونانی کہانی کار تمام کائنات کو خود اپنی طرح ذی روح سمجھتے تھے۔ لہٰذا روح دار یا زندہ ہستیاں تخلیق کا عمل شروع ہونے سے پہلے بھی موجود تھیں۔ آیئے اب مختلف فلسفیوں کے نظریہ روح کا جائزہ لیتے ہیں۔

تھیلس کہتا ہے کہ دنیا کا ہر ذرہ جاندار ہے' مادہ اور زندگی ناقابل علیحدگی اور ایک ہیں' جانوروں اور انسانوں کے ساتھ ساتھ پودوں اور دھاتوں میں بھی ایک لافانی روح موجود ہے۔ یہ قوت حیات شکل تو بدل لیتی ہے لیکن فنا نہیں ہوتی۔ تھیلس کہنا چاہتا تھا کہ زندہ اور مردہ کے درمیان کوئی بنیادی فرق نہیں۔ اس سے کسی نے کہا کہ اگر وہ زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں سمجھتا تو پھر مر کیوں نہیں جاتا۔ تھیلس نے جواب دیا: "کیونکہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔" اس نے اپنے آپ کو جاننا زندگی کی اعلیٰ ترین اور نصیحت کرنا بدترین چیز قرار دیا۔ وہ روح کی طرح خدا کو بھی بے ابتدا و بے انتہا' لافانی اور لامحدود خیال کرتا تھا۔

اناکسی مانڈر کے مطابق ابتدا میں زمین سیال مائع حالت میں تھی' بیرونی حدت نے زمین کا کچھ حصہ سکھا کر زمین بنا دیا۔ زندہ اجسام پانی میں سے درجہ بدرجہ پیدا ہوئے' زمینی جانور شروع میں مچھلیاں تھے۔ کبھی انسان مچھلی تھا۔ اناکسی مانڈر کے شاگرد اناکسی مینیز نے کہا کہ تمام عناصر ہوا میں پیدا ہوئے۔ روح بھی ہوا ہی ہے جو ہمیں بے قرار رکھتی ہے۔ چنانچہ دنیا کی ہوا ہر جگہ موجود روح' سانس' یا خدا ہے۔ یہی خیال بعد میں یونانی فلسفہ پر غالب آگیا اور رواقیت پر عیسائیت میں جگہ پائی۔

ہیراکلیٹس کثرت میں وحدت تلاش کرتا رہا ــــــ یعنی دنیا کی بے ترتیبی اور تغیر میں ذہن کو استحکام دینے والی یگانگت اور ترتیب۔ اس نے کہا کہ "سب کچھ واحد ہے۔" لیکن فلسفے کا مسئلہ یہی ہے کہ "واحد" کیا ہے۔ ہیراکلیٹس نے اس کا جواب "آگ" دیا۔ شاید اس پر فارسی آگ پوجا کا اثر تھا۔ اس نے آگ کو ہی روح اور خدا قرار دیا۔ "یہ دنیا خدا اور نہ ہی کسی انسان نے بنائی' بلکہ یہ ہمیشہ سے موجود تھی' ہے اور رہے گی۔" ہر چیز آگ کی ایک صورت ہے۔ اس روح کائنات آگ کے اندر مسلسل تبدیلیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ زندگی کی تمام حالتیں اسی تبدیلی کا نتیجہ ہیں۔ "زندگی اور موت ایک ہی ہیں۔ اسی طرح سونے اور جاگنے' جوانی اور بڑھاپے میں کوئی فرق نہیں۔" آگ' تبدیلی اور تضادات کا اتحاد ہیراکلیٹس کے نظریہ روح و خدا کی بنیاد ہیں۔ وہ چڑھاوے چڑھانے اور بتوں کے سامنے عبادت کرنے والوں پر ہنستا ہے۔ وہ انسان کی لافانیت کو مسترد کرتا ہے۔ باقی تمام چیزوں کی طرح انسان بھی تبدیلی سے بھرپور شعلہ ہے۔ پھر بھی انسان آگ ہے۔ روح یا حیات بخش عنصر تمام چیزوں میں موجود ابدی توانائی کا حصہ ہیں' لہٰذا وہ کبھی نہیں مرتا۔ ہر لمحے ہمارا کوئی حصہ مرتا ہے جبکہ "کل" زندہ رہتا ہے۔ زندگی زندہ رہتی ہے اور ہم مرجاتے ہیں۔ جس طرح روح زندگی کے غیر مختتم طور پر متغیر شعلے کی زبان ہے' اسی طرح خدا پائیدار آگ اور دنیا کی ناقابل فنا توانائی ہے۔ المختصر ہر آدمی کی روح الگ الگ نہیں بلکہ یہ تمام ارواح ایک ہی بڑی آفاقی آگ والی روح کا حصہ ہیں۔

ایمپی ڈوکلیز کہتا ہے کہ دنیا کے وجود میں آنے کا عمل گول دائرے کی مانند ہے جس کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ کوئی انتہا۔ اس دائرے کی حرکت میں محبت اور ہم آہنگی کی قوت استعمال ہو رہی ہے۔ وہ اس حرکت یا عمل کو یا بذات خود دائرے کو رحیم دیوتا کا نام دیتا ہے۔ ایمپی ڈوکلیز روح کے قلب ماہیئت کے نظریہ کو مانتا تھا۔ اس نے ایک حیاتی محسوسات یا

حسیاتی پہچان کا نظریہ بھی پیش کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر حس خمسہ کے محسوس کرنے کے لئے اس کے مطابق ایک شے ہے۔

فیثاغورث نے محسوس کیا کہ کسی بھی چیز کے اجزاء کا عددی رشتہ ہی اس کا بنیادی اور پائیدار پہلو ہے۔ غالباً" صحت جسم کے مختلف حصوں یا عناصر میں ایک مناسب ریاضیاتی تعلق یا تناسب تھی۔ اور شاید روح بھی ایک کی عدد ہی تھی۔ مصر اور مشرق قریب میں پرورش پانے والے فیثاغورث کا تصوف اس موقع پر آشکار ہوتا ہے۔ اسے یقین تھا کہ روح تین حصوں میں تقسیم ہے: احساس' وجدان اور استدلال۔ احساس کا مرکز دل جبکہ وجدان اور استدلال کا دماغ میں ہے۔ پہلے دو حصے یعنی احساس اور وجدان انسانوں کے ساتھ ساتھ جانوروں میں بھی ہیں' جبکہ تیسرا حصہ استدلال صرف انسانوں سے تعلق رکھتا اور لافانی ہے۔ موت کے بعد روح ہیڈز (پاتال) میں کچھ عرصہ تک رہتی ہے اور پھر دنیا پر کسی نئے جسم میں لوٹ آتی ہے۔ اور قلب ماہیئت کا یہ سلسلہ صرف پاکباز زندگی گزارنے سے ہی ختم ہو سکتا ہے۔ فیثاغورث نے اپنے پیروکاروں کو یہ بتا کر محظوظ کیا کہ اس نے کبھی ایک طوائف کی صورت میں جنم لیا تھا۔ اور پھر ایک جنگجو بن کر بھی دنیا میں رہا۔ وہ ایک مار کھائے ہوئے کتے کے چلانے کی آواز سنتے ہی فوراً" اسے بچانے بھاگا اور کہا کہ اُسے اس کتے میں اپنے آنجہانی دوست کی چیخیں سنائی دی ہیں۔ فیثاغورث کے یہ نظریات یونان' افریقہ اور ایشیا میں بڑھتے ہوئے فکری لین دین کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

یونان میں جوہریت پسند (Atomist) مکتبہ فکر کا بانی لیوسی جس نامی شخص تھا۔ جبکہ ڈیماکریٹس نے اس مکتبہ کو شہرت دی۔ اس کا خیال تھا کہ کائنات ایٹم یا ذرات سے بنی ہوئی ہے۔ یہ ذرات محدود ہیں اور ایک دوسرے سے جدا یا الگ الگ ہیں۔ لیکن انہیں الگ الگ کرنے کے لئے خلا موجود ہے۔ لہٰذا آفاقی حقائق دو ہیں مادی ذرات اور خلاء۔ جوہریت پسندوں کا مزید خیال یہ تھا کہ "نظریہ مادی ذرات" (The Atomic Theory) کے تحت اگر کسی قسم کے مادے یا مادی وجود کی وضاحت ہوگی تو وہ اس مادے کی شکل' حجم اور ذرات کی حالت کے مطابق ہوگی۔ جن ذرات سے وہ مادی وجود بنے ہوئے ہیں۔ ان کا یہ نظریہ تھا کہ آگ شفاف گول ذروں کی بنی ہوئی ہے' اور یہ کہ روح آگ کی غیر معمولی طور پر شفاف صورت ہے۔ اور موت کے وقت چونکہ روح کے ذرات بکھر جاتے ہیں اس لئے روح بھی جسم کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے لہٰذا دوسری زندگی ناممکن ہے ڈیموکریٹس نے ایک ادراک کا

CamScanner

نظریہ بھی پیش کیا (Theory of Perception) جس کے مطابق' مادی اشیا اپنے تصورات یا پرچھائیوں Images کو خلا میں آگے بڑھاتے تھے اور یہ Images یعنی تصوراتی عکس یا پرچھائیاں انسانوں کے حواس خمسہ سے ٹکراتے تھے اور یہ عمل اس طرح تھا جیسے ایک ایٹمز اپنے جیسے دوسرے ایٹمز کی طرف جاتے تھے۔

بقول ڈیماکریٹس یہ خیال اس حالت میں درست ہے جب روح پوری طرح مطمئن ہو۔ اس کا یہ خیال بھی تھا کہ اشیا کی حسی صفات' جیسا کہ بو' ذائقہ' رنگ وغیرہ ان چیزوں کے اپنے اندر نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ صرف اس طریقے کا اظہار کرتے ہیں۔ جس کے ذریعے وہ انسانی حواس خمسہ سے ٹکراتے ہیں' اور یہ اس لحاظ سے ہماری طرح ہیں۔ اگرچہ ڈیماکریٹس نے بہت سے اخلاقی اصول بھی بیان کئے ہیں لیکن ان کا تعلق کسی طرح بھی اس کی اٹامک تھیوری سے نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی کوئی سائنسی اہمیت نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس کے دنیاوی تجربات پر مبنی عام تاثرات ضرور ہیں۔ ان اخلاقی اصولوں میں سے ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان کو اپنی ذات کے اندر خوش رہنا چاہیے اور خود کو زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ دراصل مندرجہ بالا نصیحت قناعت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اپنی قسمت کے لکھے پر قناعت کرنی چاہیے۔ اس کا خیال تھا کہ اصل خوشی دولت کے باعث نہیں بلکہ دل و دماغ یا روحانی قناعت کے باعث حاصل ہوتی ہے۔

وہ سکون قلب اور روحانی مسرت کے لئے دعا کیا کرتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ یہ دونوں چیزیں اعتدال اور سادگی سے حاصل ہوتی ہیں۔

افلاطون کے فلسفیانہ نظام کی تشکیل میں پارمینائیڈز' ہیراکلیٹس اور سقراط کے خیالات و نظریات کی کارفرمائی نمایاں ہے۔ ویسے تو افلاطون نے اپنے ہمہ گیر فلسفیانہ نظام کی تشکیل کے لئے اپنے سے پہلے کے بہت سے فلاسفر کے خیالات سے استفادہ حاصل کیا لیکن اس کے ہمہ گیر نظام کی تشکیل میں پارمینائیڈز اور سقراط کے خیالات و نظریات کا حصہ غالب ہے پھر ان دونوں میں سے بھی افلاطون سقراط سے زیادہ متاثر نظر آتا ہے۔

اس کی ایک مناسب وجہ یہ نظر آتی ہے۔ سوفسٹس کی آمد سے پہلے تک سارا فلسفہ کائنات اور مادی دنیا کی مادی اشیا کے وجود میں آنے اور پھر ختم جانے کے راز کو معلوم کرلینے کی ایک سائنسی جستجو پر مشتمل ہے۔ انسان کی اپنی ذات اور انسان کی سماجی نفسیات' انسان کا ضمیر اور انسان کے سماجی مسائل اور ان کا کوئی مناسب حل تلاش کرنا۔ فلسفے کا یہ

سماجی رخ سوفسٹس کی آمد سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن ایک منفی انداز کی خودغرضی سوفسٹس کے نظریات کی نمایاں صفت بن کر ان کے سارے نظریات اور افکار پر چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ پھر انسانی نفسیات کی الجھی گرہوں کو کھولنے اور انسان کے سماجی مسائل کو حل کرنے کے لئے مثبت انداز فکر کی ابتدا سقراط سے ہوئی۔ اور افلاطون سقراط کا ایک قریبی ساتھی اور شاگرد تھا۔ لہٰذا افلاطون کے ہمہ گیر فلسفیانہ نظام میں سقراط کے خیالات کا عنصر غالب ہے۔

افلاطون ایک "خالق" یعنی "Supreme Creator" کا ذکر کرتا ہے جو پوری کائنات کو چلاتا ہے اور اس کا حکمران ہے۔ اور جو تمام انسانوں کی زندگیوں کی رکھوالی کرتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس خالق کا دوسرے تمام تصورات سے کیا تعلق ہے؟ خاص طور پر خدا کے تصور کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے؟ اور اگر خدا اس سب سے بڑے تصور سے الگ ہے تو کیا خدا اس بڑے ترین تصور کی "علت" یعنی اسے پیدا کرنے والا ہے۔ اور اگر ایسا ہے تو پھر تصور کی اپنی اہمیت جو اس نظام کے تحت ہے وہ ختم ہوجاتی ہے بلکہ افلاطون کا پورا تصوراتی نظام تباہ ہوتا ہے۔ کیونکہ افلاطون تو یہی کہتا ہے کہ کسی چیز کی حقیقت اس چیز کے اپنے وجود میں نہیں بلکہ اس کے تصور میں پنہاں ہے۔ اور یہ کہ 'تصور ایک حتمی یا اصل حقیقت ہے۔ افلاطون کے اصول کے مطابق تو خدا کے ہونے کی وجہ خود خدا نہیں بلکہ خدا کا تصور ہے۔ لیکن افلاطون خود بھی اس فلسفے کو بیان نہیں کرپاتا اور چھوڑ دیتا ہے۔

افلاطون نے اپنے ڈایلاگ سمپوزیم "Symposium" میں اس مسئلے پر بحث کی ہے کہ دوسری تمام اخلاقی یا روحانی مصروفیات فلسفے ہی کے تحت عمل پزیر ہوسکتی ہیں دوسرے لفظوں میں فلسفہ ہی سب سے بڑا روحانی عمل یا مصروفیت ہے' "Spiritual activity" ہے۔ اور اس ساری بحث کو "ڈوکٹرین آف ایروس یا لو" کے تحت بیان کیا ہے "Doctrine of Eros or Love" افلاطون کا یہ نظریہ ہے کہ محبت کا تعلق ہمیشہ خوبصورتی سے ہے۔ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ کسی جسمانی شکل میں پیدائش سے پہلے انسانی روح' جسم کے بغیر یا بے جسم حالت میں تھی اور تصورات یا خیالات کی دنیا میں رہتے ہوئے گہری اور خالص فکر یا سوچ بچار کے عالم میں تھی۔ لیکن جونہی اس نے انسانی جسم میں دخول کیا تو وہ حواس خمسہ کے جہان میں ڈوب گئی یا مدغم ہوگئی۔ اور اس طرح وہ تصورات یا خیالات کے اس جہان کو بھلا بیٹھی جہاں وہ انسانی جسم میں دخول سے پہلے رہتی تھی۔ اور یہاں' یعنی حواس خمسہ کے

CS CamScanner

جہاں میں وہ جب کسی خوبصورت چیز کو دیکھتی ہے تو اسے خوبصورتی کے اس ایک تصور کی یاد آتی ہے جو خیالات کی دنیا میں تھا۔ اور جب روح ایک کے بعد دوسری خوبصورت چیز کو دیکھتی ہے تو اسے یقین ہوجاتا ہے کہ یہ تو اسی خوبصورتی کے ایک خاص تصور والی خوبصورتی ہے جو اپنے آپ کو ان خوبصورت چیزوں میں پیش کررہی ہے۔ اور خوبصورتی کے علاوہ بدصورتی کا تصور بھی تھا۔ اور دنیا کی بدصورت چیزوں میں اس بدصورتی کے تصور کی بدصورتی جھلکتی ہے۔

روح ایک خوبصورت چیز سے محبت کے جذبہ سے آشنا ہوجاتی ہے تو پھر وہ دوسری خوبصورت چیزوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ پھر وہ خوبصورت اجسام سے آگے بڑھ کے خوبصورت ارواح کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور آخرکار وہ خوبصورت علوم "Sciences" کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے۔ اس طرح روح' خوبصورت چیزوں کو دیکھ اور پرکھ لینے کے بعد آگے بڑھتے ہوئے' خوبصورتی کے ایک تصور کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے۔ اور اب روح کی محبت کا مرکز' خوبصورت چیزیں نہیں بلکہ اصل خوبصورتی کے ایک تصور کا علم یا فہم و ادراک قرار پاتا ہے۔ اور اس ایک تصور کے فہم و ادراک کے بعد اس کی جستجو یہ ہوتی ہے کہ وہ تصورات یا خیالات کے پورے نظام کو سمجھے۔ اور اس طرح وہ فلسفہ کے جہان میں داخل ہوجاتی ہے۔

لیکن یہ "روح" اصل میں ہے کیا چیز؟ افلاطون اس کا تفصیلاً جواب دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسانی روح اپنی بھی قسم میں دنیا کی روح سے ملتی جلتی ہے۔ اور یہی انسانی جسم میں حرکت کی وجہ ہے' اور اسی میں انسان کا عقلی استدلال "Reason" پنہاں ہے۔ انسانی روح کا تعلق آفاقی تصورات کے جہان سے بھی ہے اور حواس خمسہ کے جہان سے بھی۔ یہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔ اور دونوں حصوں میں سے ایک حصہ پھر دو حصوں میں تقسیم ہے۔ اوپر والا حصہ عقلی استدلال والا ہے جو آفاقی تصورات کے جہان کا ادراک کرتا ہے' یہ بناوٹ میں سادہ اور ناقابل تقسیم ہے۔ اور چیزوں کا تباہ ہونا دراصل ان کے اجزا کا بکھر جانا ہے۔ لیکن روح کا عقلی استدلال والا حصہ چونکہ بناوٹ میں سادہ ہے لہذا اس کے حصے نہیں ہیں۔ اس لئے یہ فنا نہیں ہوسکتا' لہذا یہ غیرفانی ہے۔ جبکہ روح کے غیراستدلالی حصے فانی ہیں اور یہ اچھے اور برے میں تقسیم ہیں۔ جو اچھے حصے ہیں ان سے بہادری' عزت داری سے محبت اور اسی قسم کے نیک اور اچھے جذبات کا تعلق ہے۔ جبکہ برے حصے سے حیاتی بھوک کا تعلق

ہے۔ "Sensuous appetities" اور چونکہ اچھے حصے میں تھوڑا سا عقلی استدلال ہے لہٰذا اس میں اچھی اور عظیم جذبوں کی پہچان ہے۔

افلاطون روح کے عقلی استدلال والے حصے کے غیرفانی ہونے کے نظریے کو "فلسفہ یاداشت" سے منسلک کرتا ہے۔ "Doctrine of Recollection" اس فلسفہ یاداشت کا مطلب یہ ہے کہ تمام علم اسی علم کو دوبارہ یاد کرنے کے مترادف ہے جس کا تجربہ روح کو آفاقی تصورات کے جہان میں اس وقت ہوا جب وہاں جسم کے بغیر رہ رہی تھی۔ یعنی روح نے جسم میں دخول سے پہلے آفاقی تصورات کے جہان میں جو باتیں یا چیزیں دیکھیں یا جن کا تجربہ کیا وہ ان کو جسم میں دخول کے وقت اپنے ساتھ لائی۔ لہٰذا روح جسم میں دخول کے بعد آہستہ آہستہ ان تمام تجربات کو یاد کرتی ہے اور یہی علم کی اصل صورت ہے۔ لیکن روح کے ساتھ آنے والا علم حواس خمسہ کے جہاں کی معمولی باتوں کا علم نہیں بلکہ یہ عقلی استدلال ہے جو آفاقی تصورات کے ادراک سے مماثل ہے۔

اس تھیوری کے مطالعہ سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ یہ ہندوؤں کے دوسرے جنم کے نظریے سے بالکل مختلف ہے۔ جس کے مطابق کسی آدمی کے مرجانے کے بعد اس آدمی کی روح کسی اور بچے کی شکل میں جنم لیتی ہے۔ اور جب وہ بچہ بڑا ہوجاتا ہے تو اس کو یا اس کی روح کو اپنے پہلے جنم یا زندگی میں گزرے ہوئے واقعات بھی کچھ کچھ یاد آتے ہیں۔ کہ پچھلے جنم میں فلاں تھا یا فلاں کا بیٹا تھا اور فلاں جگہ رہتا تھا وغیرہ وغیرہ۔

کیونکہ افلاطون کی بیان کردہ روح اپنے پہلے جنم کی باتوں کی یادداشت نہیں رکھتی بلکہ اس روح کے پاس ان باتوں یا تجربات کی یادداشتیں ہیں جو اس نے آفاقی تصورات کی دنیا میں اس وقت دیکھے جب وہ جسم میں دخول سے پہلے بے جسم حالت میں وہاں رہ رہی تھی۔

- افلاطون اپنے ڈائیلاگ "مینو" "Meno" میں اس کی ایک مثال پیش کرتا ہے۔ اس ڈایلاگ میں سقراط کو ایک غلام لڑکے سے گفتگو کرتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ یہ لڑکا حتمی طور پر حساب کے علم سے ناواقف ہے اور بمشکل تمام اتنا جانتا ہے کہ مربع یا چوکور کیا ہوتا ہے۔ نقطہ یہ ہے کہ سقراط اس لڑکے کو کچھ بتاتا یا سمجھاتا نہیں۔ بلکہ بڑی چابکدستی سے اس سے سوالات پوچھتا ہے۔ سقراط صرف ایک خاص انداز میں سوالات پوچھ کر اس سے حساب اور جیومیٹری کے کچھ مسئلے حل کرواتا ہے۔ یعنی لڑکا اپنی ظاہری بے علمی کے باوجود سقراط کے سوالوں کے جوابات دیتا ہے۔ اور اس مثال سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ لڑکے نے وہ علم

بھی سکول میں کسی استاد سے نہیں سیکھا بلکہ حساب اور جیومیٹری کا یہ علم اس لڑکے کی روح کے جسم میں دخول سے پہلے والی زندگی کے تجربات کی یادداشت ہے۔ افلاطون کا یہ نظریہ تھا کہ روح جو علم اپنے ساتھ لاتی ہے وہ خاص طور پر حساب اور جیومیٹری کا علم ہے۔ اور اپنی اس تھیوری میں افلاطون فیثاغورث کے ہندسوں یا اعداد کے فلسفے سے متاثر نظر آتا ہے۔

ارسطو بنیادی طور پر مادیت پسند تھا۔ اس نے روح پر اسی حوالے سے بات کی۔ وہ کہتا ہے کہ روح جسم میں کوئی اضافی یا سکونت پذیر چیز نہیں بلکہ جسم کے ساتھ ہی ہم توسیع (Co extensive) ہے۔ بذات خود اپنی پرورش' نشو و نما اور زوال کا باعث بننے والا جسم ہی روح ہے۔ روح نامیاتی جسم کے وظائف کا مجموعہ ہے' یہ جسم کے لئے وہی حیثیت رکھتی ہے جو منظر آنکھ کے لئے۔ بایں ہمہ عملی پہلو بنیادی ہے۔ اعمال یا وظائف (Functions) ہی ڈھانچے (سٹرکچرز) بناتے ہیں' خواہشات اعضاء کو ڈھالتی ہیں' روح جسم کی صورت گری کرتی ہے۔ "تمام فطری اجسام روح کے اعضاء ہیں۔ ایک مخصوص حوالے سے بات کی جائے تو تمام موجود چیزیں روح ہیں' کیونکہ تمام چیزیں اوراکات یا پھر خیالات ہیں۔" ارسطو کہتا ہے کہ روح کے تین مدارج ہیں۔ غذائی' حیاتی اور منطقی۔ غذائی یا نشو و نمائی حصے میں پودے' جانور اور انسان شریک ہیں۔ جانوروں اور انسانوں میں حیاتی روح بھی ہے' یعنی محسوس کرنے کی صلاحیت۔ اعلیٰ درجہ کے جانوروں اور انسانوں میں "منفعل منطقی" روح موجود ہے۔ صرف انسان ہی "مستعد یا فاعل منطقی" روح کا مالک ہے۔ روح کا آخری حصہ کائنات کی خالق اور منطقی قوت یعنی خدا کا حصہ ہے' لہٰذا یہ لافانی بھی ہوا۔ لیکن یہ لافانیت غیر شخصی ہے۔ جسم نہیں بلکہ صرف قوت باقی بچتی ہے۔ کوئی فرد غذائی' حیاتی اور منطقی صلاحیتوں کا مرقع ہے۔ وہ تولید یا موت کے ذریعہ سے ہی غیر شخصی لافانیت حاصل کرتا ہے۔

ارسطو نے کہا کہ مابعدالطبیعیات کی طرح آرٹ کا مقصد بھی چیزوں کی بنیادی/لازمی صورت کو قبضہ میں کرنا ہے۔ یہ زندگی کی نقل یا نمائندہ ہے' نہ کہ مشینی قسم کا نقش ثانی۔ آرٹ کسی مادے کی روح کی نقل کرتا ہے نہ کہ جسم یا خود مادے کی۔ اور اصل جوہر کی اس بصیرت اور عکاسی کے ذریعہ بدصورت چیز بھی خوبصورت ہو سکتی ہے۔

سترھواں باب

ارواح پرستی' قدیم ترین مذہب

انسان کے قدیم آباء جو لنگور' چمپانزی اور گوریلا کے چچیرے بھائی تھے ابتداء میں انہیں کی طرح درختوں میں بسیرا کیا کرتے تھے۔ یخ کے طویل زمانوں میں جب جنگل برفانی تودوں کی لپیٹ میں آ گئے وہ پہاڑوں کی کھوہوں میں رہنے لگے۔ زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے دو ٹانگوں کے بل چلنا سیکھ لیا جس سے ان کے ہاتھ کام کے لئے آزاد ہو گئے اور وہ لٹھ تھام کر گھومنے پھرنے لگے لٹھ ان کے بچاؤ کا ہتھیار بن گیا اور وہ اس سے جانوروں کا شکار بھی کھیلنے لگے۔ قدیم پتھر کے زمانے ہی میں انہوں نے لکڑیاں رگڑ کر آگ سلگانے اور اسے محفوظ کرنے کا طریقہ معلوم کر لیا تھا۔ آگ کے الاؤ ان کی اندھیری راتوں کو روشن بھی کرتے تھے اور درندوں کو غار کے قریب پھٹکنے سے روکتے بھی تھے۔ لٹھ اور آگ کے استعمال سے ایک نیا حیوان وجود میں آیا جسے نیم انسان کہا جاتا ہے۔ نیم انسان نے قدرت کے جبر کو توڑ کر رکھ دیا جس سے دوسرے حیوانات آج تک آزاد نہیں ہو سکے۔ رفتہ رفتہ اس نے لٹھ کے سرے سے نوکیلا پتھر باندھ کر برچھا بنا لیا جب کہ دوسرے درندے بدستور پنجوں اور دانتوں سے کام لیتے رہے۔ اس ہنرمندی کی تہ میں وہ تبدیلیاں کارفرما تھیں جو یخ کے زمانوں میں قدرت کے شدائد کے خلاف طویل کشمکش کرتے ہوئے اس کے مغز سر میں واقع ہوئی تھیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے مغز سر کے حجم میں اضافہ ہو گیا اور دوسرے یہ کہ مغز سر کے اس حصے میں جسے نیوکارٹکس کہتے ہیں سوچ اور خودشعوری کی صلاحیتیں بیدار ہو گئیں۔ اس جوہر ذہن کی نشو و نما نے جہاں اس کے ذہن میں عقدوں کا شعور پیدا کیا وہاں انہیں سلجھانے کے لئے وسائل بھی فراہم کئے۔ داخلی پہلو سے دوسرے حیوانات درندے اور پرندے بدستور جبلتوں کے اسیر رہے اور آج بھی ہیں جب کہ نیم انسان کے ذہنی ارتقاء نے ان جبلتوں کے تصرف کو توڑ دیا اور اپنی نئی فکری صلاحیتوں کے طفیل اس نے فطرت کے قوانین کو سمجھنے اور انہیں اپنے حق میں ڈھالنے کا آغاز کیا۔ برچھے کے استعمال'

آگ کی دریافت، پہیے اور کشتی کی ایجادات اور گفتگو نے اس کے اعتماد نفس میں اضافہ کیا۔ اس نے ہڈی کی سوئی اور چمڑے کے تسمے سے کھالیں سی کر جاڑے کی ٹھنڈک سے محفوظ رہنے کا راز معلوم کرلیا اور گوشت کے ٹکڑوں کو آگ پر بھون کر زیادہ خستہ اور مزیدار بنالیا۔ اس نے ذہنی ترقی کے باعث جہاں اپنے خارجی ماحول کے ساتھ مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کی وہاں اس کی داخلی دنیا میں بھی عجیب و غریب تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ نفسیات کا ایک قانون ہے کہ انسانی ذہن سدا حرکت میں رہتا ہے۔ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی بات سوچتا رہتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ایک صحیح الدماغ شخص کا ذہن جامد ہوجائے یا سوچنا چھوڑ دے۔ سوچ کا یہ عمل بیداری ہی سے خاص نہیں ہے بلکہ سوتے میں بھی جاری رہتا ہے۔ اسی کے کارن ہم خواب دیکھتے ہیں جو انسان سے خاص ہے۔ بے شک حیوانات اور پرندے بھی ذہن رکھتے ہیں لیکن خودشعوری کے نہ ہونے کے سبب وہ خواب نہیں دیکھ سکتے نہ یہ بے زبان اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کرسکتے ہیں۔

ہمارے نیم انسان کو اپنے مخصوص ذہنی جوہر کے طفیل ہتھیار بنانے، خوراک ذخیرہ کرنے، تن ڈھانپنے یا کتے اور گدھے کو سدھانے میں کچھ زیادہ دقت محسوس نہیں ہوئی لیکن خواب اس کے لئے پریشانی کا باعث بن گئے ہوں گے۔ یہ بات تو ممکن نہیں تھی کہ وہ خوابوں کے بارے میں نہ سوچتا یا خوابوں کی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرلیتا چنانچہ خارجی مظاہر کے اسباب کی تلاش کے ساتھ ساتھ اس نے داخلی عالم پر بھی غور کرنا شروع کیا اور اپنی توفیق کے مطابق اسے سمجھنے کی کوشش بھی کی۔ وہ دیکھتا کہ سوتے میں اس کا جسم تو غار میں دراز ہے لیکن وہ جنگلوں میں شکار کھیلتا پھرتا ہے یا اپنے مرے ہوئے عزیزوں سے ملاقاتیں کررہا ہے۔ اس عجیب و غریب صورت احوال کی یہی توجیہہ کی جاسکتی ہے کہ اس کے اندر کوئی شے ایسی موجود ہے جو سوتے میں اس کے جسم سے جدا ہوجاتی ہے اور جاگنے پر لوٹ آتی ہے اس کے ساتھ اس کا روزمرہ کا مشاہدہ تھا کہ اس کی زندگی کا انحصار سانس کی ڈوری پر ہے۔ جب تک یہ ڈوری باقی ہے انسان زندہ رہتا ہے اور اس کے ٹوٹ جانے سے مرجاتا ہے۔ سانس کی اس ڈوری یا ہوا کے اس جھونکے کو ابتدا میں وہ روح سمجھتا رہا۔ چنانچہ قدیم زبانوں میں روح -------- عربی میں ہوا کا جھونکا -------- کے لئے جو الفاظ مستعمل ہیں ان کا لغوی معنی ہوا کا جھونکا یا سانس ہی ہے جیسا کہ رواح (عبرانی) سائکی (یونانی) آتما (سنسکرت) اسپئرٹ (لاطینی) کے لغوی معنی سے ظاہر ہے۔ شدہ شدہ ان الفاظ کے لغوی معنی تو

سانس یا ہوا کا جھونکا ہی رہے لیکن اصطلاحی معنی بدل گئے اور روح کا اطلاق بھوت چلتی پھرتی کایا یا ہمزاد پر کرنے لگے جو انسان کی ہم شکل ہے۔ اس کی پیدائش کے ساتھ معرض وجود میں آتی ہے اور موت کے بعد کسی دوسرے پراسرار عالم کو چلی جاتی ہے۔ روح کے مفہوم کی یہ تبدیلی بنی نوع انسان کی تاریخ میں بڑی انقلاب آفریں اور دوررس ثابت ہوئی کیونکہ مذاہب عالم کی بنیاد اسی تصور پر اٹھائی گئی تھی۔

پتھر کے زمانوں کے انسان کی ذہنی و قلبی واردات کو سمجھنے کے لئے آسٹریلیا' افریقہ' ملائشیا وغیرہ کے وحشی قبائل کے مشاہدے اور نفسیات سے رجوع لایا جاتا ہے۔ انسان کے قدیم آباء بھی آجکل کے وحشی قبائلیوں اور بچوں کی طرح حقیقت خارجی اور تخیل میں فرق روا نہیں رکھتے تھے یعنی تخیلاتی عالم ہی کو حقیقی عالم سمجھتے تھے۔ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ بچے کھلونوں کو اپنے آپ پر قیاس کرکے انہیں بھی اپنی ہی طرح جیتی جاگتی اور باشعور ہستیاں مان لیتے ہیں۔ وہ اپنے کھلونوں سے باتیں کرتے ہیں' ان کا بیاہ رچاتے ہیں۔ ایک بچہ کہتا ہے "ہٹ جاؤ! میرا کتا کاٹ کھائے گا۔" دوسرا کہتا ہے "میرا گھوڑا پیاسا ہے۔ اس کے لئے پانی لاؤ۔" ایک بچی کہتی ہے "میری گڑیا تمہارے گڈے سے روٹھ گئی ہے۔ دیکھو وہ اس کی طرف پیٹھ کئے بیٹھی ہے" دوسری کہتی ہے "میں اپنے گڈے کے لئے مٹھائی لا رہی ہوں بے چارہ کل سے بھوکا بیٹھا ہے۔" اس طرح بچے اپنے ہی خیالات اور احساسات کو اپنے کھلونوں سے منسوب کرلیتے ہیں اور یوں اپنی تخیلاتی دنیا کو حقیقی مان لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب یہ بچے بڑے ہوجاتے ہیں تو ذہنی بلوغت کے ساتھ ان پر تخیلاتی عالم اور حقیقی عالم کا فرق واضح ہوجاتا ہے اور وہ اپنے بچپن کے کھلونوں کو بے شعور اور بے جان مان لیتے ہیں۔ لیکن پتھر کے زمانے کا انسان ہزاروں برسوں تک ذہنی بلوغت سے ناآشنا رہا اور بعض پہلوؤں سے وہ آج بھی ذہنا" نابالغ ہے۔ وہ عمر بھر اپنے تخیلات کے بنائے ہوئے عالم ہی کو حقیقی سمجھتا رہا ہمارے بچوں کی طرح وہ بھی بے جان اشیاء کو اپنے آپ پر قیاس کرکے ذی حیات اور ذی روح خیال کرتا اور ان سے اپنے ہی جیسے احساسات و جذبات منسوب کیا کرتا تھا۔ جس سے روحوں کے مت' کا آغاز ہوا۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ دنیا کی ہر شے میں روح کا بسیرا ہے۔ سورج' چاند' دھرتی' تارے' چشمے' دریا' جھیلیں' پہاڑ' پتھر' درخت' پھل' پھول' پرندے چرندے سب ہی اسی کی طرح زندہ اور ذی روح ہیں اور اسی کی طرح ایک دوسرے سے پیار یا نفرت کرتے ہیں' لڑتے جھگڑتے ہیں' کھاتے پیتے ہیں بیاہ کرتے ہیں روٹھ

جاتے ہیں مان جاتے ہیں۔

قدیم انسان کے ذہن میں خارجی و داخلی یا معروضی اور نفسیاتی کا فرق بھی ناپید تھا آج کل کے وحشی قبائلیوں کی طرح اس کا بھی عقیدہ تھا کہ جو واردات انسان کے خارج میں واقع ہوتے ہیں وہی اس کے داخل میں رونما ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ روحوں کے 'مت' کی شکل پذیری دو مراحل میں ہوئی تھی۔

1- بے جان اشیاء سے روحیں منسوب کرنا (Animism)

2- ہر ذی حیات کو ذی روح سمجھنا (Animatism)

کائنات کے مظاہر اور اشیاء سے اپنی ہی طرح کی روحیں منسوب کر کے قدیم انسان نے پہلے پہل کائنات سے اپنا ذہنی اور جذباتی رشتہ جوڑنے کی کوشش کی۔ روحوں کے اس مت کے اثرات و نتائج بنی نوع انسان کے دل و دماغ پر بڑے گہرے ہوئے علم انسان کے طلبہ نے جادو' شمن مت' دیومالا' مذہب' سریت سے لے کر لوک بات' لوک شاعری' لوک گیتوں' لوک کہانیوں اور توہمات میں ان آثار کا کھوج لگایا ہے۔ شمن اور جادوگر اپنے ٹونکوں میں ہمیشہ نیک اور بدروحوں سے مدد مانگتے رہے ہیں۔ آسمان سورج' چاند' تاروں وغیرہ پر قابو پانے کے طریقے بتاتے رہے ہیں۔ آسمان' سورج' چاند' تاروں وغیرہ میں روحوں کا بسیرا تسلیم کرنے سے دیومالا کی تدوین عمل میں آئی۔ مذاہب عالم کی بنیاد بھی روح کی بقا کے تصور پر رکھی گئی ہے۔ صوفی اور ویدانتی انفرادی روح کو روح کل کا عضویاتی حصہ مانتے رہے ہیں اور اس میں کھو جانے کے لئے تب جپ اور ریاضت کرتے رہے ہیں۔ شاعری کے اسالیب اور تمثیلیں اس قیاس کی تخلیق تھیں کہ آسمان' بادل' پھول اور درخت وغیرہ روح و ذی حیات ہیں اس لئے شاعر ان سے قلبی رابطہ پیدا کرلیتا ہے۔

ان سب پر روحوں کے مت کے گہرے اثرات ثبت ہوئے ہیں اور انہیں روحوں کے مت کی طرح کائنات کے ساتھ انسان کے ذہنی و جذباتی رابطے کی مختلف صورتیں سمجھا جاسکتا ہے۔ فی الفور ہم ان آثار و روایات اور توہمات کو سپرد قلم کریں گے جو روحوں کے مت سے یادگار ہیں۔

عام عقیدہ یہ ہے کہ روحیں جو آدمی کی زندگی پر اثرانداز ہوتی ہیں دو قسم کی ہیں۔ خبیث اور سعید یا نیک اور بد۔ نیک روحیں آباء و اجداد کی ہیں جو وقتاً" فوقتاً" اپنے عزیزوں

کے آڑے آتی ہیں اور لوگ مشکل وقت میں ان سے رجوع لاتے ہیں۔ آباء پرستی اسی عقیدے کی پیداوار ہے۔ روما اور چین (انقلاب سے پہلے کا چین) میں خاص اہتمام سے اجداد کی روحوں کی پوجا کی جاتی تھی۔ ان کے لئے خوبصورت معبد تعمیر کئے جاتے تھے۔ ان کے بتوں کے سامنے کھانے چن دئے جاتے تھے۔ رومیوں کے ہاں برے لوگوں کی روحوں کو لاروے اور نیک لوگوں کی روحوں کو مانس کہا جاتا تھا۔ وہ لاروے سے خوفزدہ رہتے تھے اور مانس کی تکریم کرتے تھے۔ مغول اور تاتار روحوں کے مسکن کو تنگری کہتے تھے اور ان کے لئے چڑھاوے لے جاتے تھے۔ وہ پروہت کے توسط سے ان روحوں سے رابطہ کرتے تھے۔

اکثر اقوام میں یہ عقیدہ موجود رہا ہے کہ خاص تقریبات پر بزرگوں یا پرکھوں کی روحیں اپنے سابقہ مسکن کو لوٹ آتی ہیں چنانچہ لذیذ کھانوں کا دسترخوان ان کے لئے بچھایا جاتا تھا۔ عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ نیک لوگوں کی روحیں اپنے مزاروں میں زندہ رہتی ہیں اور اپنے عقیدت مندوں کی مشکلات دور کرنے پر قدرت رکھتی ہیں۔ اسی لئے لوگ مزاروں پر منتیں مانتے ہیں اور قیمتی چڑھاوے نذر کرتے ہیں مراد بر آنے پر یہ لوگ ان مزاروں پر جا کر چوکی بھرتے ہیں اور منت کے چاول پکوا کر بطور تبرک لے جاتے ہیں۔ بانجھ عورتیں مزار کے قریب اگے ہوئے پیڑ کی شہنیوں پر رنگ برنگی دھجیاں باندھ کر حصول اولاد کی خاطر منتیں مانتی ہیں۔ سندھ میں ایسے درخت کو ولی مانا جاتا ہے اور اسے تھگڑ پیر کہا جاتا ہے (تھگڑ بہ معنی دھجی) بلوچی عورتیں اسی مقصد کے لئے شاہ وسادا کے مزار پر اگے ہوئے درخت سے ہم کنار ہوتی تھیں۔ ہندو عورتیں پیپل کے درخت کو زندہ تسلیم کرتی ہیں۔ اور اولاد کی خاطر اس کا پر کما (طواف) کرتی ہیں اسی طرح تلسی' کنول' پلاس کی پوجا کی جاتی ہے۔ گویے گوالیار میں تان سین کی قبر پر اگے ہوئے املی کی درخت کے پتے چباتے ہیں تاکہ ان کا گلا سریلا ہو جائے۔ نجد میں عورتیں اولاد نرینہ کے لئے ضرار بن ازور کی قبر کے قریب اگے ہوئے پیڑ سے ہم کنار ہو کر منت مانتی تھیں چنانچہ اسے بدعت سمجھ کر محمد بن عبدالوہاب نے کٹوا دیا تھا۔

بدروحوں میں شیاطین' بھوت پریت' غول' نسناس' آل' راکشس' دیو' پری' پون' شیخ سدو' چڑیل' ڈائن عفریت وغیرہ کا ذکر لوک کہانیوں میں تواتر سے آتا ہے اور سادہ لوح عوام کے ساتھ بعض اچھے خاصے پڑھے لکھے بھی ان پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ کتابوں میں قلیانوس کو

شیطان کا باپ بتایا گیا ہے۔ جو سوماس بن جان کا بیٹا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شیطان کے چار ماتحت ہیں۔ ملیتہ' جاسوس' ملبوط اور یوسف اور نو بیٹے ہیں۔ ذوالبیبون' وسین' اوان' خفان' مرا' نفیس' مزلوت' داسم اور ولہان۔ ان میں ہر ایک کے سپرد ایک کام کیا گیا ہے۔ مثلاً ذوالبیبون بازاروں میں گھومتا پھرتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے' وسین آدمی کو غم اور اندیشے دیتا ہے' اوان بادشاہوں کا درباری اور ندیم ہے۔ اور انہیں ظلم و ستم پر اکساتا ہے' خفان شرابیوں کا سرپرست ہے۔ مرا گانے بجانے والوں اور ناچنے والیوں کے پاس رہتا ہے۔ نفیس آتش پرستوں کا آقا ہے' مزلوت افواہیں پھیلاتا ہے' داسم میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ ان کی اولاد بیشمار ہے۔ جو دنیا میں ہر کہیں پھیلی ہوئی ہے۔ اور لوگوں کو برائی پر آمادہ کرتی رہتی ہے۔ مسلمانوں کا ایک فرقہ یزیدیہ جو ملک شام میں پایا جاتا ہے۔ شیطان کو ملک طاؤس کہتا ہے جو کوئی شیطان کو برا کہے یہ لوگ اسے جان سے مار دیتے ہیں۔

بعض شاعروں نے شیطان کو بطل جلیل یا ہیرو کا درجہ دیا ہے۔ کیونکہ اس نے ہمیشہ کی ذلت اور رسوائی قبول کرلی لیکن اپنی آزادی فکر پر آنچ نہ آنے دی چنانچہ بلیک' ملٹن اور اقبال آزادی اور حفظ خودی کے باعث اسے ہیرو مانتے ہیں

شیطان کا تصور مجوسیت سے یادگار ہے۔ بنی اسرائیل ابتدا میں شیطان کے قائل نہیں تھے بلکہ خداوند خدا یہوواہ کو خیر اور شر کا مبدء سمجھتے تھے۔ جب بنوکد نضر شاہ بابل نے یروشلم پر قبضہ کیا تو تمام بنی اسرائیل کو قیدی بنا کر بابل لے گیا جہاں وہ کم و بیش اسی برس تک اسیری کی حالت میں مقیم رہے۔ اسی دوران انہوں نے بابل سے میلاد آدم' جنت عدن' طوفان نوح اور شجر حیات وغیرہ کے ساتھ شیطان کا تصور بھی مستعار لیا ہے۔

بابل کے باشندوں کے عقیدے کے مطابق جب کوئی مرد بیمار پڑتا ہے تو یہ ارواح خبیثہ یعنی شیاطین اور جنات کی کارروائی ہوتی ہے۔ یا پھر مرد بیمار کے اعمال بد یا دشمنوں کے ٹوٹکوں کا اثر ہوتا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہر مرض کا الگ الگ شیطان ہوتا ہے خود مرض کبھی نہیں لگتا۔ شیاطین پر قابو پانے اور ان کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے کاہنوں کا ایک مستقل طبقہ موجود تھا جو بد ارواح پر قابو پا کر انہیں بے بس کر دیتا تھا۔ یہ کاہن مذہبی پیشوا بھی تھے اور ارواح پر ان کا تسلط تسلیم کیا جاتا تھا۔ کاہن بدروح کو اس کا نام لے کر پکارتا تھا اور پھر منتر پڑھ کر اسے بھگا دیتا تھا۔ ہمارے یہاں کے عامل' جن گیریا سیانے انہیں بابلی کاہنوں کی

اولاد معنوی ہیں۔ عالم اسلام میں یہ عقیدہ ہر کہیں موجود ہے کہ جنات امراض لگاتے ہیں اور مصائب نازل کرتے ہیں۔ جنوں کا بسیرا کھنڈروں' اجڑے ہوئے مکانوں جنگل بیابان کے درختوں' پہاڑ کی کھوہوں اور ویران باؤلیوں میں ہوتا ہے۔ الف لیلہ میں کئی کہانیاں ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی شخص نے جنگل میں سے گزرتے ہوئے کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر کھجوریں کھائیں اور ایک گٹھلی اس زور سے پھینکی کہ کسی جن کے بیٹے کی آنکھ پھوڑ دی۔ اس پر جن نے اسے پکڑ لیا یا کسی شخص نے ایک درخت کے نیچے جہاں جنوں کا مسکن تھا پیشاب کر دیا اور جنوں کا عتاب اس پر نازل ہوا۔

مغربی ممالک میں شیطان کا مت جو وسطی زمانوں میں ہر کہیں رائج تھا آج بھی اکثر شہروں میں موجود ہے اس کے ماننے والے حل مشکلات کے لئے شیطان سے رجوع لاتے ہیں۔ عارفیوں کا عقیدہ ہے کہ کائنات کی تخلیق خدا نے نہیں شیطان نے کی ہے۔ وہ یہودا اسکریوتی کو جس نے مخبری کر کے حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کروایا تھا سچا نبی مانتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کے سخت دشمن ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لوسی فر (شیطان) نے خدا کے خلاف بغاوت کی تھی تو اچھا ہی کیا تھا۔ عارفی خدا کی بجائے شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ یہی عقیدہ وسطی زمانوں کی جادوگرنیوں کا بھی تھا۔ اور اسی پر آج کے شیطان پرست قائم ہیں۔ یہ لوگ شیطان کا تصور ایک دراز قد سیاہ پوش کی صورت میں کرتے ہیں جس کے سر پر سینگ ہیں' ٹانگوں پر گھنے بال ہیں' اس کی دم بھی ہے۔ اور بکرا اس کا خاص جانور ہے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں امریکہ اور یورپ میں حاضرات ارواح کا چکر چلا جو قدیم شمن مت سے یادگار ہے۔ شمن کا لفظ اصل میں سنسکرت کا سمن ہے جس کا معنی تپسوی کا ہے۔ افریقہ' آسٹریلیا' ملائشیا' انڈونیشیا' میلانیشیا' جزائر غرب الہند کے قبائل اور امریکی لال ہندیوں کے اپنے اپنے شمن ہوتے ہیں۔ جو بیک وقت طبیب' کاہن اور فال گیر ہوتے ہیں۔ وہ ایک مدت کسی پہاڑ کی کھوہ یا ریگستان کی تنہائی میں گزارتے ہیں اور منتر پڑھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان میں "روحانی قوت" پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے بل پر لوگوں کے عقدے حل کرتے ہیں' بیماروں کا علاج کرتے ہیں اور مردوں کی ارواح کو حاضر کر کے ان سے مدد مانگتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ان کا رابطہ روحوں سے بلاواسطہ قائم ہے۔

شمن مت کی حاضرات میں وہی عناصر پائے جاتے ہیں۔ جو مغربی روحانیت کی خصوصیات ہیں یعنی (1) بیٹھک (2) ازخود رفتگی (3) واسطہ (4) روح کا حاضر ہونا (5) واسطے کی

زبان سے سوالات کا جواب دینا۔

مغرب میں حاضرات ارواح کا آغاز 1847ء میں اضلاع متحدہ امریکہ سے ہوا۔ نیویارک کے نواح میں ایک بستی تھی جسے ہائڈس ول کہتے تھے۔ وہاں ایک کنبہ رہتا تھا مسٹر جے ڈی فاکس، اس کی بیوی اور دو بیٹیاں مارگریٹ اور کیٹ۔ یہ لوگ راتوں کو دستک کی آوازیں سنا کرتے تھے جنہیں وہ ارواح سے منسوب کرتے تھے۔ شدہ شدہ اس بات کا چرچا ملک بھر میں ہونے لگا جس سے حاضرات ارواح کی شروعات ہوئی اور واسطوں کے کاروبار کو فروغ ہوا۔ واسطے دو قسم کے تھے جسمانی اور ذہنی۔ جسمانی واسطے تاریک کمرے میں روح کو نورانی دھندلکے کی صورت میں دکھاتے تھے اور دستک کی آواز سناتے تھے اور دور سے اشیا کو متحرک کرتے تھے۔ جب ذہنی واسطے ارواح سے باتیں کرواتے تھے اور ان کی زبان سے روحیں سوالوں کے جواب دیتی تھیں۔

امریکیوں نے حاضرات ارواح کا یہ ادارہ لال ہندیوں سے لیا ہے۔ لال ہندیوں کے شمن مردہ عزیزوں کی روحوں کو بلا کر ان کی ملاقات زندہ عزیزوں سے کرواتے رہے ہیں۔ امریکیوں نے لال ہندیوں کی بیٹھک اور شمن کے واسطے کو اپنا لیا۔ راتوں کو ایک خاص کمرے میں اکٹھا ہونا، حاضرین کا واسطے کی فوق الطبع قوت پر کامل اعتماد، واسطے کا اپنے آپ پر بے خودی کی کیفیت طاری کر لینا اور اس عالم میں روحوں کو دکھانا، ان کی آوازیں سنوانا یا ان کے سوالوں کے جوابات پوچھنا یہ سب رسوم لال ہندیوں کے شمن مت سے لی گئی ہیں۔ البتہ ان پر سائنس کی اصطلاحات کے پردے ضرور ڈال دئے گئے ہیں۔ قبائلی شمن مت میں لوگ سعید اور شقی روحوں پر عقیدہ رکھتے تھے اور ان سے مدد مانگتے تھے یا ان کی خوشنودی طلب کرتے تھے جب کہ حاضرات ارواح میں مردوں کی روحوں کو بلانے اور ان سے رابطہ قائم کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے دوسرا فرق یہ ہے کہ قبائلی شمن مرد ہوتے ہیں جبکہ حاضرات ارواح میں عام طور پر عورتیں واسطے کا کام کرتی ہیں۔ ان حقائق کے پیش نظر حاضرات ارواح کو قدیم شمن مت ہی کی بدلی ہوئی صورت کہا جاسکتا ہے۔

بھوت پریت پر عقیدہ رکھنا عالمگیر توہمات میں سے ہے۔ یہ بدارواح ہیں جو انسان کے درپے آزار رہتی ہیں۔ بعض زبانوں میں روح اور بھوت کے لئے ایک ہی لفظ پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بھوتوں کا بسیرا ویرانوں میں ہوتا ہے۔ لیکن راتوں کو یہ بستیوں کا رخ کرتے ہیں۔ وہ دن کی روشنی سے خائف ہوتے ہیں۔ اس لئے رات کے اندھیرے میں ظاہر ہوتے

CamScanner

ہیں۔ جن لوگوں کو ناحق قتل کردیا جائے ان کی روحیں بھوت بن کر جائے واردات کے قریب منڈلاتی رہتی ہیں۔ لوک کہانیوں اور رومانی قصوں میں بھوتوں کا ذکر اکثر ملتا ہے۔ شیکسپیئر کے ناٹک میکبتھ میں بنکو کا بھوت اس کی معروف مثال ہے۔ اسی طرح ہملٹ کا مقتول باپ بھوت کی شکل میں اپنے بیٹے کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور اسے اپنے چچا سے انتقام لینے پر اکساتا ہے۔ کھنڈر اور اجڑی ہوئی حویلیاں بھوتوں کے مسکن بن جاتی ہیں جیسا کہ فارسی والے کہتے ہیں خانہ خالی رادیو می گیرد۔ کئی لوگوں نے بھوتوں کو دیکھنے اور ان سے باتیں کرنے کا دعویٰ کیا ہے لیکن تحقیق پر معلوم ہوا کہ یہ ان کے بھری واہمے تھے۔ ہندوؤں کے ہاں عقیدہ ہے کہ جس شخص کی موت کے بعد شرادھ کی رسم ادا نہ کی جائے اس کی آتما بھوت بن کر گھر کے قریب منڈلاتی رہتی ہے۔ شرادھ کی تقریب پر گھی، شکر، شہد وغیرہ سے بنایا ہوا ایک بڑا سا لڈو برہمنوں کو کھلایا جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ عرصے تک جاری رہتا ہے۔ تب کہیں آتما کو چین ملتا ہے۔ جب کسی ہندو کی پتنی مرجائے اور وہ دوبارہ بیاہ کرے تو پہلی عورت کا پریت دوسری پتنی کو ستانے لگتا ہے۔ اس سے بچاؤ کے لئے دوسری پتنی پہلی پتنی کا ایک چھوٹا سا ٹھیپا کسی دھات کا بنوا کر اپنے گلے میں لٹکا لیتی ہے۔ جب کبھی وہ کھانا کھانے بیٹھتی ہے تو پہلے اس ٹھیپے کو نوالہ پیش کرتی ہے تاکہ وہ خوش ہوجائے اور بعد میں خود کھاتی ہے۔ خیال یہ ہے کہ اس طریقے سے پہلی پتنی کا پریت خوش ہو کر اسے ستانا چھوڑ دیتا ہے۔ ہندوؤں کے خیال میں بیر اور پون وہ بدروحیں ہیں جنہیں کوئی جادوگر کسی شخص کو آزار دینے کے لئے بھیجتا ہے۔ پون بٹھانے اور پون دوڑانے کے محاورے اسی توہم سے یادگار ہیں۔ چڑیلیں اور ڈائنیں بھی خبیث روحیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب کوئی عورت درد زہ کی حالت میں مرجاتی ہے تو وہ چڑیل یا ڈائن بن جاتی ہے۔ چڑیل کے پاؤں پیچھے کی جانب مڑے ہوتے ہیں۔ ڈائن سیاہ فام اور بدصورت ہوتی ہے جس کی آنکھیں مشعل کی طرح چمکتی ہیں۔ ڈائنیں خوبصورت نوجوانوں کا کلیجہ نکال لیتی ہیں اور وہ بے چارہ تڑپ تڑپ کر مرجاتا ہے۔

بدارواح کا تصور ایرانیوں کی اخلاقیات پر بھی بار پا گیا تھا۔ مشہور ایرانی دانش مند وزرگ نے دس بدروحیں گنائی ہیں جو انسان کی عقل و خرد پر غالب آجاتی ہیں اور جن سے دامن بچانا ضروری ہے۔ یہ ہیں۔ آز (لالچ)، نیاز (احتیاج)، خشم، رشک، کینہ، ننگ، نمام (تہمت) دوروئی (منافقت)، ناسپاسی (ناشکراپن)، ناپاک دین (بدمذہبی)۔

ہے۔ شیطان خدا کے نیک بندوں کو آزماتا رہتا ہے۔

قدیم اقوام میں یہ عقیدہ عام تھا کہ شیطان خدا کے نیک بندوں کو آزماتا رہتا ہے۔ ازمنہ وسطیٰ کے یورپ میں خیال کیا جاتا تھا کہ شیطان بعض لوگوں سے ان کی روح کے عوض معاہدے کرتا رہتا ہے۔ گوئٹے کے مشہور ناٹک فاؤسٹ کا مرکزی خیال یہی ہے۔ شیطان فاؤسٹ سے کہتا ہے کہ تمہاری روح کے عوض میں تمہیں دولت، حکومت، اور حسین عورتوں کی محبت دوں گا۔ گوتم بدھ کے سوانح میں ہے کہ وہ بڑ کے درخت کے نیچے سمادھی میں بیٹھا تو مارا (شیطان) نے اسے ہر طریقے سے بہکانے کی کوشش کی۔ گوتم نے دیکھا کہ نیم برہنہ حسین عورتیں نہایت ترغیب آور انداز میں آنکھیں مٹکا مٹکا کر اور کولھے ہلا ہلا کر اس کے سامنے ناچ رہی ہیں۔ یہ مارا کی کارستانی تھی۔ ولی انتھونی کو بھی شیطان نے اسی طریقے سے گمراہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ شیطان نے حضرت عیسیٰؑ کو بھی آزمایا تھا۔

"اور فی الفور روح نے اسے بیابان میں بھیج دیا اور وہ بیابان میں چالیس روز تک شیطان سے آزمایا گیا۔"

عرب اور ایران کی لوک بات میں دیو، عفریت، غول، آل، پالیس، بچہ خور جیسی بدروحوں کا ذکر ملتا ہے جو انسان کی دشمن ہیں اور اس کی جان لینے کی فکر میں رہتی ہیں۔ غول (لغوی معنی ہے مصیبت، وحشت) کا تصور ماقبل اسلام کے عربوں سے یادگار ہے۔ عرب کہتے ہیں کہ غول راستہ چلتے مسافروں کو بہکا کر ایک طرف لے جاتے ہیں اور جان سے مار دیتے ہیں۔ وہ اپنی شکل بدلنے میں بھی طاق ہوتے ہیں۔

نسناس (نصف الناس یعنی آدھا آدمی) ایرانیوں کا تسمہ پا ہے جو کسی ندی کے کنارے بیٹھا رہتا ہے جب کوئی مسافر پار جانا چاہے تو وہ عاجزی سے گڑگڑا کر اس کی منت کرتا ہے کہ مجھے بھی اٹھا کر لے چلو۔ مسافر رحم کھا کر اسے اپنے کندھوں پر بٹھا لیتا ہے۔ ندی پار کرتے ہوئے نسناس مسافر کی گردن اپنی ٹانگوں میں جکڑ لیتا ہے اور اسے ہلاک کر دیتا ہے۔ پالیس سوئے ہوئے مسافروں کے پاؤں کے تلوے چاٹ چاٹ کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ آل ایک خطرناک بدروح ہے جو زچہ کا کلیجا چبا جاتی ہے۔ اس سے بچنے کے لئے ایرانی زچہ کے پاس ننگی تلوار رکھتے ہیں۔ بچہ خور ایک بلا ہے جو بانجھ عورت کے رحم میں رہتی ہے جو جنین کو کھا جاتی ہے ایرانی عورتیں آل سے سخت خائف رہتی ہیں کیونکہ وہ نومولود کو کھا جاتی ہے۔ بچے کی پیدائش کے بعد ماں اور بچے کو آل سے بچانے کے لئے ایک پیاز ماں کے سر پر رکھتے ہیں تاکہ آل دور رہے۔ آل کے چار پاؤں اور ایک

دم ہوتی ہے۔ گردن اونٹ کی طرح لمبی اور منہ گدھے کا ہوتا ہے۔ فولاد سے ڈر کر بھاگ جاتی ہے۔ دیوؤں' عفریتوں اور پریوں کا ذکر مشرق وسطی کی لوک کہانیوں میں اکثر آتا ہے۔ ایرانیوں کے خیال میں دیو اور عفریت کوہ دماوند پر بسیرا کرتے ہیں۔ وہ نہایت عظیم الجثہ اور ڈراؤنی شکل کے ہوتے ہیں سر پر دو سینگ ہوتے ہیں اور ہوا میں اڑ سکتے ہیں۔ فردوسی نے شاہ نامے میں ان کا ذکر کیا ہے' رستم کے باپ زال کو سیمرغ اور سفید دیو نے پالا تھا اور رستم نے شاہ کیکاؤس کو دیوؤں کی قید سے نجات دلانے کے لئے تلوار اٹھائی تھی۔ عفریت مادہ دیو ہوتی ہے اور نہایت مکار ہوتی ہے۔ وہ خوبصورت جوان لڑکیوں کے روپ میں جوانوں کو بہکاتی اور کچھ عرصے کے بعد ان کو جان سے مار دیتی ہے۔ پریاں اور پری زاد نہایت حسین اور طرح دار ہوتے ہیں۔ ان کا بادشاہ شہپال کوہ قاف میں رہتا ہے۔ پریاں راتوں کو اڑتی پھرتی ہیں اور کوئی خوبصورت جوان دکھائی دے تو اسے اپنے تخت پر بٹھا کر پرستان لے جاتی ہیں۔ داستانوں میں ان کا اکثر ذکر آیا ہے پری زاد اور دیو ایک دوسرے کے دشمن ہوتے ہیں۔ پریاں انسانوں کو آزار نہیں پہنچاتیں البتہ کسی پری کا سایہ کسی آدم زاد پر پڑ جائے تو وہ آسیب زدہ ہو جاتا ہے۔

ہندوستان کے ادب میں راکششوں کا ذکر آیا ہے۔ جو نہایت خوفناک' قوی ہیکل اور خونخوار ہوتے ہیں' راون جو سیتا کو لے بھاگا تھا اور راہو جو سورج چاند کو نگل کر گرہن لگا دیتا ہے راکشش ہی تھے شیو اور کالی دیوی راکششوں کے خلاف لڑتے رہے ہیں۔ گندھرو اور اپسرائیں راجہ اندر کے سورگ کے غلمان اور حوریں ہیں۔ گندھرو خوش گلو موسیقار ہیں جن کی سر اور تال پر حسین اپسرائیں ہوس پرور انداز میں بھاؤ بتا بتا کر ناچتی ہیں۔ اور راجہ اندر اور اس کے درباریوں کو رجھاتی ہیں۔ سنسکرت کے قصوں اور ناٹکوں میں بعض اپسراؤں اور انسانوں کے معاشقوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ کالی داس کے مشہور ناٹک شکنتلا کی ہیروئن ایک اپسرا کے بطن سے تھی۔

مانا کا تصور بھی روحوں کے مت سے وابستہ رہا ہے۔ جیمز ڈریور نے اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مانا عالم ارواح کے لئے میلانیشیا والوں کا دیا ہوا نام ہے۔ اس سے غیر شخصی تقدس یا وہ پراسرار توانائی مراد لی جاتی ہے جو بعض اشیاء میں نفوذ کر جاتی ہے۔ کوڈرنگٹن کہتا ہے کہ مانا کا تصور میلانیشیوں کے ذہن و دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق مانا ایک قسم کی فوق الطبع توانائی یا تاثیر ہے جو بعض اشیاء یا اشخاص میں

موجود ہوتی ہے اس کے طفیل بادشاہوں' سرداروں' کاہنوں اور سیانوں میں غیر معمولی قوت پیدا ہوجاتی ہے۔ کوڈرنگلٹن کے اس خیال کی تشریح کرتے ہوئے ژنگ لکھتا ہے کہ مانا کا عقیدہ نہ صرف ہماری نفسیاتی توانائی کے تصور کا پیش رو ہے بلکہ تمام توانائی کا سرچشمہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ابتدائی دور کی غیر مخصی توانائی یا تاثیر کو بعد میں خاص خاص اشخاص' درختوں' جانوروں' پرندوں' چٹانوں' دریاؤں' آبشاروں' جادوگروں' شمنوں' کاہنوں' دیوتاؤں اور ان کے اوتاروں سے منسوب کردیا گیا۔

مانا کا تصور آج بھی افریقہ' آسٹریلیا' میلانیشیا' انڈونیشیا کے وحشی قبائل اور کئی مہذب اقوام میں پایا جاتا ہے۔ شمالی امریکہ کے لال ہندی مانا کو اورنڈا' واکن یا منیٹو کہتے ہیں۔ دوسرے عرب ممالک میں اسے برکہ (برکت) کا نام دیا جاتا ہے۔ ہندو اسے شکتی کہتے ہیں جو ان کے عقیدے کے مطابق اوتاروں اور دیوتاؤں کی مورتیوں میں موجود ہوتی ہے۔ شیو کی زوجہ کالی کو بھی شکتی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ شیو کی توانائی کی صورت ہے۔ شکتی آفاقی توانائی کی شکل میں دنیا بھر کی اشیاء پر اپنا اثر ڈالتی رہتی ہے۔

"مقدس جانور" کے تصور کا آغاز بھی مانا ہی کے عقیدے سے ہوا تھا۔ رابرٹسن سمتھ نے لکھا ہے کہ سامیوں کے ہاں یہ عقیدہ عام تھا کہ مقدس جانور کا گوشت کھانے سے اس کی مانا کھانے والے میں حلول کرجاتی ہے اور وہ بھی جانور کی توانائی اور تقدس سے بہرور ہوجاتا ہے اس مقصد کے لئے مقدس ضیافت کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ دائیونیسیس کے پیرو نشے کے عالم میں بیلوں اور بکروں کو چیر پھاڑ کر کھا جاتے تھے۔ ہندو گائے کو نہایت مقدس مانتے ہیں لیکن شاستروں میں لکھا ہے کہ خاص خاص تقاریب پر اس کا گوشت بھی کھایا جاتا تھا تاکہ اس کی شکتی کھانے والے میں حلول کرجائے۔ اسی طرح اشو میدھ یگ کی تقریب پر قربانی کے گھوڑے کا گوشت بھی کھاتے تھے۔

وحشی قبائل بھی بعض جانوروں میں مانا تسلیم کرکے انہیں مقدس سمجھتے تھے اور اپنا قبائلی نشان یا ٹوٹم بنا لیتے تھے۔ جن کا گوشت کھانا ٹیبو یعنی حرام تھا۔ لفظ ٹیبو میں احترام اور امتناع دونوں مفہوم پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ لفظ حرام میں دونوں مفہوم موجود ہیں۔ عام حالات میں ان جانوروں کو مارنا سخت ممنوع تھا لیکن خاص تقاریب پر ان کا گوشت کھا لیا جاتا تھا۔ قدیم مصری جن جانوروں کو مقدس مانتے تھے ان کے لئے عالیشان مندر تعمیر کرتے تھے انہوں نے مقدس سانڈ ایپس اور مقدس بکرے کے لئے معبد تعمیر کر رکھے کیونکہ وہ انہیں

غیر معمولی توانائی اور طلسماتی قوت سے بہرہ ور سمجھتے تھے۔ مرنے پر ان کی ممیاں بنا کر دفن کیا کرتے تھے۔ گائے بیل کا تقدس زرعی معاشرے میں ہر کہیں موجود تھا۔ سوسمرتی میں لکھا ہے کہ کوئی برہمن کسی چنڈال' حائضہ عورت' شودر' زچہ' لاش یا ہڈی کو چھو کر ناپاک ہو جائے تو گائے کو چھونے سے پاک ہو جاتا ہے۔ آج بھی پاک ہونے کے لئے برہمن پنچ گویہ (گائے کا دودھ' دہی' گھی' پیشاب اور گوبر ملا ہوا) پیتے ہیں۔ کوتلیہ کے ارتھ شاستر میں لکھا ہے کہ دربار میں جانے سے پہلے راجہ کے لئے لازم ہے کہ وہ گائے' بیل اور بچھڑے کو نمسکار کرے۔ قدامت پسند ہندو مرنے سے پہلے گائے کو چھوتے ہیں تاکہ سیدھے سورگ میں چلے جائیں۔ مولوی محمد حسین آزاد سخندان فارس میں لکھتے ہیں۔

> "پارسی لوگ مہرگاں کے دن عید کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آج کی رات ایک گائے ظاہر ہوتی ہے۔ سونے کے سینگ اور چاندی کے کھر۔ ایک جلوہ دکھا کر غائب ہو جاتی ہے جسے نظر آجاتی ہے اس کا تمام سال عیش اور خوشحالی میں گزرتا ہے۔"

پارسیوں میں "نو راتوں کی عبادت" میں گائے کا بول پیتے ہیں۔

سانپ کے ساتھ ابتدائے تاریخ سے ہی ایک عجیب قسم کی طلسماتی کشش اور ہیبت وابستہ رہی ہے اور لوگ اسے حیات نو اور جنسی ترغیب کی علامت سمجھتے رہے ہیں۔ ناگ پوجا کا رواج دراوڑوں کے یہاں عام تھا۔ آج بھی ہندوستان اور کشمیر میں جابجا ناگ کے مندر دکھائی دیتے ہیں جہاں ناگ دیوتا کی پوجا کی جاتی ہے۔ ہندو سانپ کو مارنا مہا پاپ سمجھتے ہیں اور اسے دودھ پلاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ دفینوں کی حفاظت سانپ کرتے ہیں۔

آریا اقوام میں ہر کہیں گھوڑے کو مقدس مانا جاتا تھا۔ جب 2000 ق م کے لگ بھگ وسط ایشیاء میں گھوڑے کو سدھا لیا گیا تو گویا تاریخ عالم میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ گھڑسوار قبیلے فتح و نصرت کے پرچم اڑاتے دور دراز کی اقوام پر غالب آگئے یونان اور ہندوستان میں سفید اور سیاہ گھوڑے کی قربانی دی جاتی تھی مسلمانوں میں گھوڑے کو "غازی مرد" کہا جاتا ہے سندھی اسے فرشتہ مانتے ہیں۔ ایران میں گھوڑے کا سم چشم زخم سے بچنے کے لئے آج بھی دروازے پر لٹکاتے ہیں یا لڑکوں کے پیچھے باندھ لیتے ہیں۔ یونان اور ایران میں دستور تھا کہ جب کوئی سورما لڑائی میں مارا جاتا تو اس کے گھوڑے کو اسی کے ہتھیاروں

سے سجا کر اس کا جلوس نکالتے تھے۔ اور اس کے پیچھے پیچھے ماتم کرتے ہوئے جاتے تھے۔ یونانی ریاست تھیبس کے مقدس دستے کا سردار پیلوپانڈیس جنگ میں مارا گیا تو اس کے ساتھیوں نے اپنے سر منڈوا دیئے اور ماتم کرتے ہوئے اس کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلے۔ سکندر اعظم نے اپنے دوست ہیفے سٹس اور ایرانیوں نے اسفندیار کی موت پر ان کے گھوڑوں کے جلوس اسی طرح نکالے تھے۔ سلیمان زرین کے علم پر گھوڑوں کی سات دمیں بطور تبرک لٹکائی جاتی تھیں۔ چنگیز خان کی قبر پر اس کے چالیس بہترین گھوڑے ذبح کئے گئے تھے۔ لوک کہانیوں میں اڑنے والے کل کے گھوڑے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جسے رومی پیگاسس کہتے تھے۔ ہندو کہتے ہیں کہ گدھے میں بد شگنی ہوتی ہے۔ اور اس کا رابطہ بھوتوں پریتوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

قدیم زمانے کا انسان جس شے کو پراسرار سمجھتا اس سے مانا یا طلسماتی اثر منسوب کر دیتا تھا۔ اسی خیال کے تحت اس نے دریاؤں، سمندروں، ندی نالوں، چشموں، جھیلوں اور آبشاروں کو بھی اپنی ہی طرح ذی حیات و ذی روح ہستیاں مان لیا۔

اٹھارھواں باب

خارجی روح کا تصور

خارجی روح بے جان چیزوں میں

اس صورت سے یہ تصور کہ روح کو طویل یا مختصر عرصے تک جسم سے باہر کسی محفوظ مقام پر منتقل کیا جاسکتا ہے یا بہرکیف بالوں میں محفوظ کیا جاسکتا ہے، متعدد نسلوں میں پایا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا تصور محض ایک ایسی چیز نہیں جو زیب داستان کے لئے گھڑی گئی ہو، بلکہ وحشی کا جزو ایمان ہے جس کی بنا پر عوامی رسم و رواج کی ایک مماثل قسم وجود میں آگئی ہے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان کہانیوں میں ہیرو کبھی کبھی لڑائی پر جانے سے پہلے جسم سے اپنی روح نکال لیتا ہے تاکہ لڑائی میں دشمن کی ضرب اس کے جسم پر اثر نہ کرسکے اور وہ مارا نہ جاسکے۔ کچھ اسی مقصد سے وحشی مختلف موقعوں پر حقیقی یا خیالی خطرے کی صورت میں اپنی روح کو جسم سے نکال لیتا ہے۔ چنانچہ سیلبیز میں منہاسا والوں کے ہاں جب کوئی کنبہ کسی گھر میں منتقل ہونے لگتا ہے تو اس کا مذہبی پیشوا سارے خاندان کی روحیں ایک تھیلی میں جمع کرلیتا ہے اور منتقلی کے بعد انہیں متعلقہ اشخاص کے جسم میں لوٹا دیتا ہے۔ ان کی دانست میں نقل مکانی کا وقت فوق الفطرت خطرات سے پر ہوتا ہے۔ جنوبی سیلبیز میں جب کسی عورت کی زچگی کا وقت قریب آتا ہے تو وہ شخص جو طبیب یا دائی کو لینے جاتا ہے، چھری کی قسم کی کوئی نہ کوئی آہنی شے اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور اسے طبیب کو دے دیتا ہے۔ طبیب کو وہ چیز زچگی کی مدت پوری ہونے تک اپنے گھر میں حفاظت سے رکھنی پڑتی ہے، جس کے بعد وہ اسے واپس کر دیتا ہے۔ اس کے صلے میں طلسم گر کو ایک مقررہ رقم ملتی ہے۔ چھری یا جو بھی شے ہو زچہ کی روح کا مظہر ہوتی ہے جو یہاں کے دیسیوں کے عقیدے کے بموجب اس نازک وقت میں جسم سے باہر نسبتاً" محفوظ رہتی ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر کو اس اوزار کی سخت نگہداشت کرنی پڑتی ہے۔ خیال ہے کہ اگر وہ گم ہوجائے تو اس کے ساتھ

CamScanner

عورت کی جان بھی جاتی رہے گی۔
جنوب مشرقی بورنیو کے ضلع پینوایہ کے داگوں میں بچے کی پیدائش پر طلسم گر کو بلایا جاتا ہے جو اپنے عمل کے زور سے اس کی روح کو ناریل کے نصف ٹکڑے میں کھینچ لاتا ہے اور اسے فوراً" ایک کپڑے سے ڈھانک کر اس رکابی یا قاب میں رکھ دیتا ہے جو ایک ڈوری سے بندھی چھت سے لٹکتی رہتی ہے۔ یہ رسم وہ سال بھر ہر چاند کی پہلی کو ادا کرتا ہے۔ جس مصنف نے اس رسم کی کیفیت بیان کی ہے وہ اس کے مقصد کی کوئی وضاحت نہیں کرتا' لیکن قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کاروائی کی غرض و غایت بچے کی روح کو اس کے ننھے سے کمزور جسم سے نکال کر ایسی چیز میں رکھنا ہے جو نسبتاً" محفوظ ہو۔ اس دستور کی جو وجہ بیان کی جاتی ہے اس سے ہمارے قیاس کی تصدیق ہوجاتی ہے۔ چنانچہ جزائر کائی میں جب کوئی بچہ تولد ہو تو بعض اوقات گھر میں خاندان کے کسی جد کی بھدی سی کاٹھ کی مورتی کے برابر ناریل کا ایک مربوط خول ٹنگا نظر آئے گا۔ لوگوں کے عقیدے کے بموجب شیرخوار کی روح عارضی طور پر ناریل کے خول میں محفوظ کردی جاتی ہے تاکہ وہ ارواح خبیثہ کے حملوں سے بچی رہے۔ لیکن بچے کے جسم کی نشو و نما کے بعد جب اس میں ذرا طاقت آجائے تو روح اس کے اندر لوٹ کر مستقل طور پر بس جاتی ہے۔ اسی طرح الاسکا کے اسکیموؤں کے ہاں جب کوئی بچہ بیمار پڑے تو طلسم گر بعض اوقات اس کے جسم سے روح کو خارج کرکے اسے کسی حرز میں محفوظ کردے گا اور مزید احتیاط کے طور پر اس حرز کو اپنی طلسی زنبیل میں رکھ لے گا۔ غالباً" اسی صورت سے بہت سے احراز کو روح دان سمجھا جاتا رہا ہے' یعنی ان کی مثال لوگوں کی دانست میں ایسی تجوریوں کی سی ہے جن میں ان کی روحیں محفوظ رکھی جاتی ہوں۔ برطانوی وسطی افریقہ کے ضلع ویسٹ شائر کے منگانجے قبیلے کی ایک عورت اپنے گلے میں ہاتھی دانت کا کوئی تین انچ لمبا ایک کھوکھلا سا زیور ڈالے رہتی تھی اور اسے اپنی روح یا جان کہتی تھی۔ وہ کبھی اس کو اپنے سے جدا نہ کرتی تھی۔ کسی کاشتکار نے اسے خریدنا چاہا مگر وہ کسی طرح اس کو بیچنے پر رضامند نہ ہوئی۔ ایک دن جیمس میکڈونلڈ صاحب ایک ہلوبی سردار کے گھر بیٹھے اس کے جلوہ افروز ہونے کے منتظر تھے' جو اس وقت اپنی آرائش میں مصروف تھا۔ ایک دیسی نے بیل کے سینگوں کی ایک مزین جوڑی کی طرف اشارہ کرکے کہا: "نثامے نے اپنی روح ان سینگوں میں رکھ چھوڑی ہے۔" یہ سینگ قربانی کے ایک جانور کے تھے اور انہیں مقدس سمجھا جاتا تھا۔ کسی جادوگر نے انہیں

CamScanner

گھر کی چھت سے باندھ دیا تھا' تاکہ مکان اور اس کے مکینوں کو برق سے محفوظ رکھا جائے۔ میکڈونلڈ صاحب کا بیان ہے:"یہ تصور جنوبی افریقہ والوں کے طرز فکر کے عین مطابق ہے کہ آدمی کی روح جسم سے الگ ہوکر اس کے گھر کی چھت' درخت' چشمہ یا ڈانگ کو اپنا مسکن بنا سکتی ہے۔" نیو برٹن میں جزیرہ نمائے گیزیل کے باشندوں کے ہاں ایک خفیہ انجمن ہے جو انگ ئیٹ یا انگ نائیٹ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں داخل ہونے پر ہر شخص کو انسان یا جانور کی شکل کا ایک پتھر ملتا ہے اور یہ یقین کرلیا جاتا ہے کہ اس کے بعد اس کی روح متذکرہ پتھر سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ اس پتھر کا ٹوٹنا متعلقہ شخص کے لئے ایک بدشگونی ہے۔ اگر سوئے اتفاق سے کبھی ایسا ہوجائے تو لوگ کہا کرتے ہیں کہ پتھر پر بجلی گر پڑی اور انجمن کا رکن جلد مرجائے گا۔ لیکن اپنے سنگ روح کے ٹوٹنے کے باوجود کوئی شخص بچتا رہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ پتھر ٹھیک نہیں اور اس کی جگہ اسے ایک نیا پتھر مل جاتا ہے۔ شہنشاہ رومانس لیسے پینس کو ایک مرتبہ ایک منجم نے بتایا کہ بلغاریہ کے شاہزادے سامون کی روح ایک خاص ستون سے اس طرح وابستہ ہے کہ اگر اس ستون کے بالائی حصے کو گرا دیا جائے تو فوراً" سامون کی موت واقع ہوجائے گی۔ چنانچہ شہنشاہ نے ستون کی چوٹی گروا دی اور اسی ساعت' جیسا کہ شہنشاہ کو تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا' بلغاریہ میں عارضہ قلب سے سامون کا انتقال ہوگیا۔

مزید برآں لوک کہانیوں میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ کبھی کبھی آدمی کی روح اس کے بالوں سے اس طرح نتھی ہوتی ہے کہ بال کاٹ ڈالے جائیں تو آدمی مرجائے یا کمزور ہوجائے۔ اسی صورت سے کسی زمانے میں امبوئینا والے یہ سمجھتے تھے کہ ان کی طاقت ان کے بالوں میں ہے اور اگر ان کے بال کاٹ ڈالے جائیں تو وہ پرواز کرجائے گی۔ اس جزیرے کی ولندیزی عدالت میں ایک مجرم کو اذیتیں دی جاری تھیں' مگر وہ اپنے جرم سے برابر انکار کرتا رہا تا آں کہ اس کے بال کاٹ ڈالے گئے' جس پر اس نے فوراً" اقبال جرم کرلیا۔ ایک شخص کو جس پر قتل کے الزام میں مقدمہ چلایا جارہا تھا طرح طرح کی اذیتیں دی گئی لیکن وہ سب کو بڑے صبر سے جھیلتا گیا اور جب اس نے ایک جراح کو قینچی لئے کھڑا پایا اور اس کے پوچھنے پر اسے بتایا گیا کہ اس کے بال کاٹے جانے والے ہیں تو اس نے بڑی عاجزی سے استدعا کی کہ اسے اس سے معاف رکھا جائے اور پھر سب کچھ اگل دیا۔ اس کے بعد یہ دستور ہوگیا کہ جب اقبال جرم کرانے میں جسمانی اذیت سے کام نہ نکلتا ہو تو ولندیزی

CamScanner

حکام مجرم کو اس کے بال کٹوا دینے کی دھمکی دیتے۔
یورپ میں لوگوں کا خیال تھا کہ جادوگروں اور جادوگرنیوں کی شرانگیز قوتیں ان کے بالوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں اور جب تک ان بدذاتوں کے بال سلامت رہتے ہیں ان پر کوئی چیز اثر نہیں کرتی۔ اسی لئے فرانس میں ان اشخاص کو جو جادوگری کے الزام میں ماخوذ ہوتے معذب کے حوالے کرنے سے پہلے ان کے جسم کے سارے بال منڈوا دئے جاتے۔ ملایوس نے چند اشخاص کی تعذیب کی کیفیت دیکھی تھی جو کسی طرح اپنا جرم نہ قبولتے تھے تاآں کہ انہیں ننگا کرکے ان کے جسم کے سارے بال مونڈ ڈالے گئے اور اس کے نتیجے میں انہوں نے سب کچھ اگل دیا۔ ایک عورت کو بھی جو بظاہر بڑی پارسا بنی رہتی تھی' جادوگری کے شک میں جسمانی اذیت دی جانے لگی۔ وہ حیرت انگیز صبر و استقلال کے ساتھ اپنے درد و کرب کو برداشت کرتی رہی' لیکن جب اس کے بال صاف کر دیئے گئے تو اس نے اقبال جرم کرلیا۔ تحقیقاتی عدالت کا ایک ممتاز عہدہ داراسپرانگر کسی مشتبہ جادوگر یا جادوگرنی کے صرف سر کے بال مونڈھنے پر اکتفا کرتا تھا' لیکن اس کے سخت گیر شریک کار کیومانس نے سینتالیس عورتوں کو نذر آتش کرنے سے قبل ان کے جسموں کے سارے بال مونڈ ڈالے تھے۔ اس سخت گیری کا جواز یہ تھا کہ خود شیطان نے نارتھ بروک کے کلیسا کے منبر سے خطبہ دیتے ہوئے اپنے خدام کو یقین دلایا تھا کہ جب تک ان کے جسم پر بال موجود ہیں ان پر کوئی افتاد نہیں پڑے گی۔ اس صورت سے ہندوستان میں باستر کے مقام پر یہ ہوا کرتا ہے کہ "اگر کوئی شخص جادوگری کا مرتکب قرار دے دیا جائے تو لوگ اسے زد و کوب کرتے ہیں' اس کے بال مونڈ دئے جاتے ہیں' جن کے متعلق خیال ہے کہ اس کی شرانگیز قوت انہیں میں ہوتی ہے۔ اس کے اگلے دانت اکھیڑ دئے جاتے ہیں تاکہ وہ کوئی عمل نہ پڑھنے پائے۔ ان عورتوں کو بھی اسی طرح سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں جن پر ساحری کا شبہ ہو۔ اگر ان کا جرم ثابت ہوجائے تو انہیں بھی یہی سزا ملتی ہے اور جب ان کے بال مونڈ دئے جاتے ہیں تو انہیں کسی ایسے درخت پر لٹکا دیا جاتا ہے جو مرجع عام پر ہو۔" اسی طرح ہندوستان کے بھیلوں میں جب کسی عورت پر جادو کا الزام درست نکلتا اور اسے درخت سے الٹا ٹانگنے' آنکھوں میں مرچیں لگانے وغیرہ جیسی سزائیں دی جاچکتیں تو اس کے سر کے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر زمین میں دبا دی جاتی "تاکہ اس کے اور اس کی سفلی قوتوں کے درمیان رشتہ منقطع ہوجائے۔" اسی طرح میکسیکو کے ازٹیکوں میں جب جادوگر اور جادوگرنیاں "اپنے کارہائے بد

انجام دے چکنیس اور ان کا قصہ پاک کرنے کا وقت آن پہنچتا تو کوئی شخص انہیں پکڑ لیتا اور ان کی چندیا کے بال کاٹ ڈالتا جس سے ان کی ساری قوت ساحری جاتی رہتی اور پھر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔

خارجی روح پودوں میں

مزید برآں یہ بتایا جاچکا ہے کہ لوک کہانیوں میں آدمی کی زندگی کسی پودے کی زندگی پر اس طرح منحصر ہوتی ہے کہ آدمی کے مرتے ہی پودا مرجھا جاتا ہے یا پودے کے مرجھاتے ہی آدمی مرجاتا ہے۔ مغربی افریقہ کی ایم بینیگا قوم میں جو گابون کے قریب آباد ہے' جب دو بچے ایک ہی دن پیدا ہوں تو ایک ہی قسم کے دو پودے لگا دئے جاتے ہیں اور لوگ ان کے گرد رقص کرتے ہیں۔ دونوں میں ہر بچے کی روح ان میں سے کسی ایک درخت سے وابستہ سمجھی جاتی ہے اور اگر درخت سوکھ جائے یا گرا دیا جائے تو انہیں یقین ہوتا ہے کہ بچے کی موت لازمی ہے۔ کیمیرونز والوں میں بھی یہ عقیدہ ملتا ہے کہ آدمی کی زندگی کسی پودے کے ساتھ مشارکت کے رشتے میں منسلک ہوتی ہے۔ کلابار میں اولڈ ٹاؤن کا سردار اپنی روح کسی مقدس شجرزار میں ایک چشمے کے قریب رکھا کرتا تھا۔ جب کچھ یورپیوں نے مذاق سے یا لاعلمی میں اس شجرزار کے کچھ درخت کاٹ ڈالے تو اس سردار کے بیان کے بموجب جب اس کی روح غضب ناک ہوگئی اور اس نے جرم کا ارتکاب کرنے والوں کی تہدید کی کہ وہ طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہوجائیں گے۔

بعض پاپوائی کسی درخت کی چھال میں ایک پتھر گھسیڑ کر کسی نوازئیدہ بچے اور اس درخت کو ایک رشتہ مشارکت میں منسلک کردیتے ہیں۔ خیال ہے کہ اس سے انہیں بچے کی زندگی پر پورا پورا اختیار حاصل ہوجاتا ہے۔ اگر درخت کاٹ دیا جائے تو بچہ مرجائے گا۔ ماوریوں کے ہاں بچے کی پیدائش پر اس کی آنول نال کسی مقدس مقام پر دفن کردی جاتی ہے اور اس پر ایک ننھا سا پوذا لگا دیا جاتا تھا۔ اگر پودا بڑھنے لگتا تو اسے بچے کی زندگی کی علامت سمجھا جاتا۔ اگر وہ پھولتا پھلتا تو بچہ بھی پروان چڑھتا اگر وہ مرجھا کر سوکھ جاتا تو والدین اسے بچے کے حق میں انتہائی بدشگونی خیال کرتے۔ فجی کے بعض علاقوں میں لڑکے کی نال ناریل کے درخت یا روٹ پھل کی قلم کے ساتھ بو دی جاتی ہے۔ خیال ہے کہ بچے کی زندگی کا اس درخت سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ولندیزی بورنیو کے اضلاع لانڈاک اور تاجان کے

دانگوں میں نوزائیدہ بچے کے لئے روٹ پھل کا درخت بونے کا دستور ہے جس کے بعد سے عام عقیدے کے بموجب بچے کی قسمت اس درخت سے وابستہ ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر درخت ٹھٹھر جائے یا مرجھا جائے تو اس کے انسانی ہمزاد پر مصیبت نازل ہونی یقینی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ روس' جرمنی' انگلستان' فرانس اور اٹلی میں ابھی تک کچھ خاندان ایسے موجود ہیں جن میں بچے کی پیدائش پر پودا لگانے کا دستور باقی ہے۔ لوگوں کو امید ہوتی ہے کہ پودا بچے کے ساتھ پروان چڑھے گا اور اس کی خاص طور پر پرورش کی جاتی ہے۔ یہ دستور اب بھی سوئٹزرلینڈ کے صوبہ آرگاؤ میں عام ہے۔ لڑکے کے لئے سیب کا درخت اور لڑکی کے لئے ناشپاتی کا درخت لگایا جاتا ہے۔ یہاں لوگوں کا خیال ہے کہ پودا پروان چڑھے گا تو بچہ بھی پروان چڑھے گا اور پودا ٹھٹھرے گا تو بچہ بھی ٹھٹھر کر رہ جائے گا۔ بچے کی نال کسی نونہال پودے کی جڑ میں پھینک دی جاتی ہے اور پھر یہ یقین کرلیا جاتا ہے کہ پودے کے ساتھ بچے کی نشو و نما ہوتی رہے گی۔ ایڈینبرا سے کچھ فاصلے پر قلعہ ڈلہوزی واقع ہے' جس کے پاس ایک بلوط کا درخت ہے جو شجر ایج ویل کہلاتا ہے۔ اس کے متعلق عام عقیدہ یہ ہے کہ اس سے خاندان ڈلہوزی کی زندگی ایک مخفی رشتے میں منسلک ہے۔ چنانچہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ جب خاندان کے کسی فرد کا انتقال ہوتا ہے یا انتقال کا وقت قریب آن پہنچتا ہے تو ایج ویل کی ایک نہ ایک ٹہنی ضرور گر پڑتی ہے۔ چنانچہ جولائی 1874ء میں ایک دن جب سناٹا چھایا ہوا تھا تو اس درخت کی ایک بڑی شاخ جھڑ گئی یہ دیکھ کر جو جنگل میں رہتا تھا چلا اٹھا: "لاٹ صاحب گزر گئے!" اور تھوڑی ہی دیر میں یہ خبر آن پہنچی کہ ڈلہوزی کے گیارھویں ارل فاکس ماؤل کا انتقال ہوگیا۔

انگلستان میں بعض اوقات فتق یا سوکھے کے علاج کے لئے بچوں کو اھر Ash-tree زیتون کی قسم کا ایک یورپی پودا) کے شگاف میں سے گزارا جاتا تھا' جس کے بعد سے بچوں اور اس درخت کے درمیان ایک مشارک رشتہ قائم ہوجاتا۔ اس قسم کا ایک درخت جو اس غرض سے استعمال کیا جاتا تھا ہاکلے ہاؤس سے برمنگھم جانے والی سڑک پر شرے کے جنگل کے کنارے واقع تھا۔ "سڑک سے ملحق ایک کھیت کے مالک تھامس پلنگ ورتھ کے بیٹے کو' جس کی عمر اب چونتیس سال ہے' ایسے ہی ایک درخت کے شگاف میں سے گزارا گیا تھا' جب کہ وہ سال بھر کا تھا۔ اس درخت کی وہ اس طرح حفاظت کرتا ہے کہ اسے کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیتا۔ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ مریض کی زندگی کا تمام دار و مدار اس درخت کی

زندگی پر ہوتا ہے اور جس لمحے اس کو کاٹا جاتا ہے' خواہ مریض کتنی ہی دور کیوں نہ ہو' اس کا فتق عود کر آتا ہے اور آدمی مرجاتا ہے' جیسا کہ اس سڑک پر ایک چھکڑا ہانکنے والے کے ساتھ پیش آیا تھا۔" بایں ہمہ یہی مصنف آگے چل کر کہتا ہے کہ درخت کے کٹنے کے بعد بھی اس سے متعلقہ اشخاص کے زندہ رہنے کی مثالیں ملتی بکثرت ملتی ہیں۔ اس علاج کا عام طریقہ یہ ہے کہ ایش کے نونہال پودے کو طولاً چند فٹ تک چیر دیا جاتا ہے اور سورج نکلتے وقت بچے کو ننگا کرکے اس شگاف میں سے تین مرتبہ یا تین ضرب تین مرتبہ گزارا جاتا ہے۔ مغربی انگلستان کے لوگ کہتے ہیں کہ بچے کو درخت کے شگاف میں سے سورج کے رخ نکالنا چاہیے۔ جوں یہ رسم پوری کر دی جاتی ہے درخت کو کس کر باندھ دیا جاتا ہے اور شگاف پر مٹی کا پلاستر کردیا جاتا ہے۔ عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح درخت کا شگاف بند ہوتا جائے گا بچہ رو بہ صحت ہوتا جائے گا۔ لیکن اگر درخت کا شگاف کھلا رہ جائے تو بچے کا فتق بھی باقی رہ جاتا ہے اور جو درخت خشک ہوجائے تو اس کے بعد ہی بچے کی موت یقینی ہے۔

مختلف امراض' خاص کر فتق اور سوکھے کے علاج کا یہ طریقہ جرمنی' فرانس' ڈنمارک اور سویڈن میں بھی رائج رہا ہے لیکن ان ملکوں میں اس غرض سے ایش کے درخت کی بجائے بلوط استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں شجربید کی بھی اجازت ہے بلکہ یہ درخت تجویز کیا جاتا ہے۔ انگلستان کی طرح میکلن برگ میں بھی درخت اور بچے کے درمیان مشارک رشتہ اس طرح قائم ہوتا ہے وہ اس قدر گہرا خیال کیا جاتا ہے کہ اگر درخت کاٹ ڈالا جائے تو بچہ مرجائے گا۔

خارجی روح جانوروں میں

لیکن کہانیوں کی طرح عام عقیدہ کے بموجب رسم و رواج میں بھی آدمی محض بے جان اشیا اور پودوں ہی سے رشتہ مشارکت میں منسلک نہیں ہوتا۔ خیال ہے کہ اسے یہی نسبت جانور سے بھی ہوسکتی ہے' اس طرح کہ جانور کی خیریت سے آدمی کی خیریت وابستہ ہو اور جب جانور مرجائے تو آدمی بھی مرجائے۔ نیز چوں کہ بسا اوقات روح کو اس طرح جسم سے نکلنے اور اسے جانور میں منتقل کرنے کا استدراج کہانی اور رواج دونوں میں جادوگروں اور جادوگرنیوں کو حاصل ہوتا ہے' لہٰذا یہ دونوں ایک دوسرے کے اور بھی قریب آجاتے ہیں۔ چنانچہ سائبیریا کے یاکوت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر شامن یا جادوگر اپنی جان یا مختلف روحوں

میں سے ایک روح کو جانور کی صورت میں مجسم کرکے دنیا سے چھپائے رکھتا ہے۔ ایک مشہور جادوگر نے کہا تھا "میری خارجی روح کو کوئی نہیں پاسکتا۔ وہ یہاں سے بہت دور ایڈزیہگانسک کے سنگلاخ پہاڑوں میں چھپی ہوئی ہے۔" سال میں صرف ایک مرتبہ جب آخری برف پگھلنے لگتی ہے اور زمین سیاہ ہوجاتی ہے تو جادوگروں کی یہ بیرونی روحیں آدمیوں کے گھروں میں جانوروں کے برن میں آتی ہیں۔ وہ ہر جگہ گھومتی پھرتی ہیں لیکن جادوگروں کے سوا انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ طاقتور روحیں چیختی چلاتی پھرتی ہیں اور کمزور روحیں چپکے سے گزر جاتی ہیں۔ ان میں اکثر لڑائی ہوتی ہے اور پھر وہ جادوگر جس کی خارجی روح پٹ جاتی ہے' بیمار پڑتا ہے اور مرجاتا ہے۔ سب سے کمزور اور بودے جادوگر وہ ہیں جن کی روحیں کتوں کی صورتوں میں متشکل ہوتی ہیں۔ کیونکہ کتا اپنے انسانی ہم زاد کو چین نہیں لینے دیتا' بلکہ اس کا دل چبا جاتا ہے اور جسم کو پھاڑ ڈالتا ہے اور سب سے طاقتور جادوگر وہ ہیں جن کی خارجی روحیں گھوڑوں' بارہ سنگوں' سیاہ ریچھوں' عقابوں یا جنگلی سوروں کی صورت اختیار کرتی ہیں۔ نیز تروخنسک کے علاقے کے سیمائڈوں کا خیال ہے کہ "جنگلی سور کی صورت میں ہر شامن کا ایک موکل ہوتا ہے جسے وہ ایک جادو کے تسمے سے باندھے لئے پھرتا ہے۔ یہ سور مرجائے تو خود شامن بھی چل بستا ہے۔ نیز یہ لوگ ایسے جادوگروں کے قصے سناتے ہیں جو خود نبرد آزما ہونے سے پہلے اپنی روحوں کو لڑنے بھیجتے ہیں۔ ملایا والوں کے عقیدے کی رو سے ایک آدمی کی روح کسی دوسرے آدمی یا جانور کی رُوح میں داخل ہوسکتی ہے یا یوں کہہ لیں کہ دونوں میں ایک ایسا خفیہ رشتہ پیدا ہوسکتا ہے کہ ایک کی قسمت دوسرے کی قسمت سے وابستہ ہوجائے۔"

جزائر نیوہیبریڈیز کے ایک ٹاپو موٹا کے میلنیشیوں کے ہاں خارجی روح کا تصور روزمرہ کی عملی زندگی میں نظر آتا ہے۔ ماٹائیوں کی زبان میں ایک لفظ ہے 'ٹمانیو' جس سے مراد ہے "کوئی ایسی بے جان یا جاندار چیز جس کے متعلق آدمی کے دل میں یہ خیال بیٹھ جائے کہ اس کی ذات سے وہ چیز گہرا تعلق رکھتی ہے -------- موٹا میں ہر کسی کا ٹمانیو نہیں ہوتا تھا۔ صرف چند آدمی یہ سمجھتے تھے کہ وہ کس شے سے نتھی ہیں' خواہ وہ سانپ' چھپکلی یا پتھر ہی ہو۔ کبھی کبھی اس شے کا پتہ چلانے کے لئے بعض پتوں کا افشردہ پی کر اس کی گاد کا ڈھیر لگا دیا جاتا۔ پھر جو کوئی زندہ چیز اس ڈھیر میں یا اس ڈھیر کے اوپر سب سے پہلے دکھائی دے جاتی وہ ٹمانیو فقط دیکھنے کے لئے ہوتا' کھلائی یا پرستش کی چیز نہ ہوتی۔ اس جزیرے کے

باشندوں کے عقیدے کی رو سے وہ آواز پر آجاتا تھا اور آدمی کی زندگی اس کے نمانیو کی زندگی سے وابستہ تھی۔ اگر نمانیو مرجاتا یا کسی بے جان شے کی صورت میں ٹوٹ پھوٹ جاتا یا کھویا جاتا تو آدمی کی موت واقع ہوجاتی۔ لہٰذا اگر کوئی بیمار پڑتا تو یہ دیکھا جاتا کہ نمانیو صحیح و سالم اور خیرت سے ہے یا نہیں۔"

ایسی خارجی روح کا تصور جو حفظ ماتقدم کے طور پر کسی جانور میں منتقل کردی گئی ہو' مغربی افریقہ خاص کر نائیجیریا' کیمرونز اور گابون میں عام ہے۔ گابون کے فنیوں کے عقیدے کے رو سے ہر مبتدی جادوگر خون کے رشتے کی ایک خاص رسم ادا کرکے اپنی زندگی کسی خاص جنگلی جانور سے وابستہ کردیتا ہے۔ اس رسم میں وہ کچھ خون جانور کے کان سے لیتا ہے اور کچھ اپنے بازو سے اور پھر اپنا خون جانور کے جسم میں پہنچا دیتا ہے اور جانور کا خون اپنے جسم میں' اس کے بعد ان دونوں میں ایسا گہرا رشتہ قائم ہوجاتا ہے کہ ان میں کسی ایک کی موت کے باعث دوسرے کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ خیال ہے کہ اس خونی اتحاد سے جادوگر کو زبردست طاقت حاصل ہوجاتی ہے جس سے وہ مختلف صورتوں سے استفادہ کرسکتا ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ پریوں یا دیوؤں کی کہانیوں کے کسی ایسے ساحر کی طرح جس نے اپنی روح جسم سے نکال کر کسی محفوظ جگہ رکھ چھوڑی ہو' فینی جادوگر مذکورہ بالا رسم کے بعد اپنے آپ کو گویا روئیں تن سمجھنے لگتا ہے۔ اس کے علاوہ جس جانور سے وہ خونی رشتہ جوڑتا ہے وہ اس کا موکل بن جاتا ہے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جانور جو اس کا خون بدل بھائی بنتا ہے کبھی پالتوں یا پلا ہوا جانور نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ کوئی خون خوار جنگلی جانور یا درندہ منتخب کیا جاتا ہے' جیسے چیتا' کالا ناگ' مگرمچھ' گینڈا' جنگلی سور یا گدھ۔ ان تمام حیوانات میں فینی جادوگر سب سے زیادہ چیتے کو اپنا موکل بناتے ہیں۔ اس کے بعد کالے ناگ کا نمبر آتا ہے۔ گدھ ان کے ہاں کمیاب ہے۔ جادوگروں کی طرح جادوگرنیوں کے بھی اپنے موکل ہوتے ہیں' لیکن جن جانوروں سے اس طرح عورتوں کی زندگیاں وابستہ ہوتی ہیں وہ ان سے مختلف ہوتے ہیں جن میں مرد اپنی خارجی روحیں رکھا کرتے ہیں۔ جادوگرنی کبھی چیتے کو اپنا موکل نہیں بناتی بلکہ عموماً" کسی زہریلے سانپ کو منتخب کرتی ہے۔ یہ سانپ کبھی کوئی سینگوں والا اجبی ہوتا ہے' کبھی کوئی کالا ناگ اور کبھی وہ سبز سانپ جو کیلے کے درخت میں پایا جاتا ہے۔ بہرکیف ایسا جانور یا پرندہ جس کے ساتھ کوئی ساحر یا ساحرہ اس صورت سے ایک رشتہ نہانی قائم کرلیتی ہے وہ اپنی نوع کا محض ایک فرد ہوتا ہے' ساری نوع

نہیں ہوتی اور جب وہ خاص جانور مر جاتا ہے تو یہ رشتہ اتحاد خود بخود منقطع ہوجاتا ہے' کیونکہ لوگوں کے خیال کے بموجب جانور کی موت بھی ضروری ہوجاتی ہے۔

کیمیرونز کے صوبوں کی حدود میں وادی کراس (ایک دیوتا) کے باشندوں میں اسی قسم کے عقائد پائے جاتے ہیں۔ آدمیوں کے گروہوں نے جو بالعموم کسی ایک گاؤں کے باشندوں پر مشتمل ہوتے ہیں مختلف قسم کے جانور منتخب کر رکھے ہیں' جن کے ساتھ وہ اپنے عقیدے کے بموجب خلوص و رشتہ میں منسلک ہوتے ہیں۔ اس قسم کے جانوروں میں گینڈا' ہاتھی' تیندوا' مگرمچھ' گوریلا' مچھلی اور سانپ شامل ہیں جو یا تو نہایت قوی ہیں یا نہایت آسانی سے پانی یا جھاڑیوں میں اپنے آپ کو چھپا سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ چھپنے کی یہ قوت موکل جانوروں کے انتخاب کی ایک لازمی شرط ہے' کیونکہ جانور دوست یا مددگار سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ اپنے آقا کے دشمن پر چوری سے حملہ کرجائے گا۔ مثال کے طور پر اگر موکل دریائی بچھڑا ہے تو وہ اچانک پانی سے اچھل نکلے گا اور دشمن کی ڈونگی کو الٹ دے گا۔ خیال ہے کہ جانوروں اور ان کے دوست یا رشتہ دار انسانوں کے درمیان ایک ایسا رشتہ مشارکت قائم ہوجاتا ہے کہ جس لمحے جانور مرے اسی لمحے انسان بھی مرجائے گا۔ اسی طرح جس لمحے آدمی کی موت واقع ہو اسی لمحے جانور کا بھی خاتمہ ہوجائے گا۔ اس سے یہ رشتہ مستنبط ہوتا ہے کہ آدمیوں کے زخمی ہونے یا مارے جانے کے خوف سے ان کے رشتے کے جانور کو کبھی تیر وغیرہ کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا یا کبھی مارا پیٹا نہیں جائے گا۔ تاہم اس خوف کے باعث ایسے کسی گاؤں کے لوگ ہاتھی کا شکار بالکل ترک نہیں کردیتے جن کا جانور دوست ہاتھی ہو' اس لئے کہ ان کے ہاں محض ان منفرد جانوروں کا احترام ہوتا ہے جو خاص افراد انسانی سے ایک رشتے میں منسلک ہوتے ہیں اور ان جانوروں کی انواع کا نہیں اور ان کا خیال ہے کہ وہ اپنے ہاتھی بھائیوں اور عام ہاتھیوں میں تمیز کرسکتے ہیں جو نرے ہاتھی ہیں اور بس۔ یہی نہیں بلکہ کہا جاتا ہے کہ خود رشتے کے ہاتھی بھی اس کا شعور رکھتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی ایسا شکاری جس نے کسی ہاتھی سے رشتہ دوستی استوار کر رکھا ہو کسی آدم دوست ہاتھی سے ملتا ہے تو وہ شریف جانور اپنا ایک پاؤں اٹھا کر منہ کے پاس لے جاتا ہے' جیسے یہ کہتا ہو "مجھے نہ مارو!" اگر کوئی سنگ دل شکاری گولی چلا کر اسے زخمی کردے تو وہ شخص جس کی زندگی اس ہاتھی سے وابستہ ہو' بیمار پڑ جائے گا۔

کیمیرونز کے بیلانگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر آدمی متعدد روحوں کا مالک ہوتا

ہے، جن میں ایک اس کے جسم میں ہوتی ہے اور ایک ہاتھی، جنگلی سور، تیندوے وغیرہ جیسے کسی جانور میں ہوتی ہے۔ جب کوئی آدمی ناسازی طبع کے سبب گھر لوٹ آئے اور یہ کہہ کر کہ "میرا وقت قریب آچکا ہے" مرجائے تو لوگ کہتے ہیں کہ کسی جنگلی سور یا تیندوے کی صورت میں اس کی ایک روح ماری گئی ہے اور خارجی روح کے مرنے سے اس کی داخلی روح کی موت واقع ہوگئی۔ زندہ اشخاص کی خارجی روحوں کے بارے میں ایسا ہی عقیدہ دریائے نائی جر کے ڈیلٹا میں بسنے والے آئی با نامی ایک اہم قبیلے میں ملتا ہے۔ اس قبیلے کے لوگوں کا خیال ہے کہ آدمی کی روح اس کے عین حیات میں اپنے بدن کو چھوڑ کر عارضی طور پر کسی جانور کے جسم میں سکونت اختیار کرسکتی ہے۔ جو شخص اس طرح انتقال روح کی قوت حاصل کرنا چاہتا ہو، وہ کسی حکیم یا طلسم گر سے ایک خاص قسم کی دوا لیتا ہے اور اسے کھانے میں ملا کر کھالیتا ہے۔ اس کے بعد اس کی روح خارج ہو کر کسی جانور کے جسم میں حلول کرجاتی ہے۔ اگر اتفاق سے جانور اپنے آدمی کی روح لئے مرجائے تو آدمی کا انتقال ہوجائے گا اور اگر اس کے کوئی زخم آجائے تو آدمی کے جسم پر پھنسیاں نکل آئیں گی۔ اس عقیدے کی بنا پر بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے، اس لئے کہ کسی بھی وقت کوئی چالاک بدمعاش اپنے دشمن کے کھانے میں وہی طلسمی دوا ملا کر اور پھر اس جانور کو ہلاک کرکے اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔

دریائے نائی جر کے دھانے کے آس پاس بسنے والے کالا باری حبشیوں کے عقیدے کی رو سے ہر شخص کی چار روحیں ہوتی ہیں جن میں ایک ہمیشہ کسی جنگلی جانور کے بدن میں اس کے جسم سے باہر رہتی ہے۔ یہ خارجی یا منفک روح جسے مس کنگسلے نے "روح بیشہ" کے نام سے موسوم کیا ہے تیندوے، مچھلی یا کچھوے کی قسم کا کوئی جانور ہوسکتا ہے، لیکن وہ کبھی کسی پالتو جانور یا پودے کی صورت اختیار نہیں کرتی۔ کوئی شخص اپنی منفک روح کو نہیں دیکھ سکتا، تاوقتیکہ وہ نگاہ غیب بیں نہ رکھتا ہو۔ عموماً" کوئی غیب داں بتا سکتا ہے کہ اس کی روح بیشہ نے کس جانور کا روپ دھارا ہے، جس کے بعد وہ شخص محتاط ہوجائے گا اور جانور کی اس قسم کو نہ خود مارے گا نہ کسی کو مارنے دے گا۔ عام طور پر مرد اور اس کے بیٹوں کی خارجی روحیں ایک ہی قسم کے جانوروں کے جسم کو اپنا مسکن بناتی ہیں۔ اسی صورت سے عورت اور اس کی بیٹیوں کی خارجی روحیں بھی ایک ہی قسم کے جانوروں کی صورت میں مجسم ہوتی ہیں۔ لیکن کبھی کبھی کنبے کے تمام بچے اپنے باپ کی روح

منفک ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص کی خارجی روح تیندوے کے بدن میں رونما ہو تو اس کے سارے بیٹے بیٹیوں کی خارجی روحیں تیندوؤں کی صورت اختیار کریں گی۔ لیکن کبھی کبھار وہ ماں پر جاتے ہیں۔ مثلاً اگر ماں کی خارجی روح کچھوے پر مشتمل ہو تو اس کے تمام بیٹے بیٹیوں کی روحیں بھی کچھوؤں کی صورت میں متشکل ہوں گی۔ آدمی اور اس جانور کا رشتہ جسے وہ اپنی روح منفک سمجھتا ہو' اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ جانور کے مرنے یا زخمی ہونے سے آدمی کا مرنا یا زخمی ہونا ضروری ہوتا ہے۔ دوسری طرف جب متعلقہ آدمی مرتا ہے تو اس کی روح ہمیشہ زیادہ عرصہ تک کہیں سکون سے نہیں رہ سکتی اور پاگل ہو کر یا تو آگ میں گھس جاتی ہے اور اپنے آپ کو جلا کر بھسم کر ڈالتی ہے یا آدمیوں پر حملہ کر دیتی ہے جو اس کا سر پھاڑ ڈالتے ہیں۔

شمالی کالابار میں ایکیٹ کے قریب ایک متبرک جھیل ہے جس کی مچھلیوں کی سخت نگہداشت کی جاتی ہے۔ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ان کی روحیں ان مچھلیوں میں بستی ہیں اور ہر مچھلی کی موت کے ساتھ ہی کسی نہ کسی آدمی کی جان چلی جائے گی۔ چند سال بیشتر تک دریائے کالابار میں ایک قوی ہیکل مگرمچھ تھا' جس کے متعلق لوگوں نے فرض کر رکھا تھا کہ اس میں ایک سردار کی خارجی روح بستی ہے جو ڈیوک ٹاؤن میں رہتا تھا۔ یورپی قونصلوں کے نائب بطور تفریح کبھی کبھی اس جانور کے شکار کے لئے نکلتے۔ ایک دفعہ ایک افسر کے ہاتھوں اس کو چوٹ آ گئی۔ اسی لمحہ مذکورہ بالا سردار زخم کھا کر لیٹ رہا اور بہانہ کیا کہ اسے کتے نے کاٹ کھایا ہے۔ لیکن حکماء نے اپنی گردنیں ہلا ہلا کر اس کا عذر ماننے سے انکار کر دیا۔ مزید برآں' دریائے نائی جر کے کنارے کنارے لوکوجا اور ڈیلٹا کے درمیان جو متعدد قبیلے آباد ہیں ان کے عقیدے کی رو سے "مگرمچھ یا دریائی بچھڑے جیسے کسی جانور کی صورت میں ہر آدمی کے ایک قالب ثانی کا وجود ممکن ہے۔ خیال ہے کہ اس قسم کے آدمی کی زندگی جانور کی زندگی سے اس حد تک وابستہ ہوتی ہے کہ کسی چیز کا جو اثر ایک پر پڑے گا وہی دوسرے پر بھی مرتب ہو گا۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ایک انگریز نے دیسیوں کے ایک گاؤں کے قریب ایک دریائی بچھڑا مارا۔ ایک عورت کے دوستوں نے جو گاؤں میں اسی رات مری تھی اس عورت کے خون بہا کے طور پر پانچ پاؤنڈ وصول کر لئے۔"

وسطی امریکہ کے زاپوٹیکوں کے ہاں جب کسی عورت کی زچگی کا وقت آتا تو اس کے رشتے دار جھونپڑی میں اکٹھے ہوتے اور فرش پر مختلف جانوروں کی تصویریں کھینچ کھینچ کر

CamScanner

مٹانے لگتے۔ یہ کاروائی بچے کی پیدائش تک جاری رہتی اور اس وقت جس جانور کی تصویر فرش پر رہ جاتی بچے کا ٹوٹا یعنی قالب ثانی یا ہم زاد کہلاتی۔ "جب بچہ خاصا بڑا ہوجاتا تو وہ اپنے نمائندہ جانور کو فراہم کرلیتا اور اس کی بڑی خبرگیری کرتا۔ لوگوں کو یقین ہوتا کہ اس آدمی کی صحت اور زندگی جانور سے وابستہ ہے' بلکہ ان دونوں کی موت ایک ساتھ واقع ہوگی۔" یا یوں کہہ لیں کہ جب جانور مرے گا تو آدمی بھی مرجائے گا۔ گاؤں تملا اور ہونڈورا کے ریڈ انڈینوں میں ناگول یا نال "جاندار یا بے جان چیز کا نام ہے' عموماً" کسی ایسے جانور کا جو کسی خاص آدمی سے وابستہ ہو' اس طرح کہ اس آدمی کے رنج و راحت کا تمام تر دار و مدار جانور کی قسمت پر ہوتا ہے۔" ایک قدیم مصنف کے بیان کے بموجب گاؤ تملا کے متعدد باشندوں کے دل میں "شیطان نے یہ بات بٹھا رکھی ہے کہ ان کی زندگی کا دارو مدار فلاں فلاں قسم کے جانور پر ہے (جس کو وہ اپنا موکل سمجھتے ہیں) اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ متعلق جانور مرتا ہے تو ان کی موت بھی لازمی ہوجاتی ہے۔ جب اس کا تعاقب کیا جاتا ہے تو ان کے دل دھڑکنے لگتے ہیں۔ وہ بے ہوش ہوتا ہے تو انہیں بھی غش آجاتا ہے' یہی نہیں' بلکہ وہ اس وہم باطل میں مبتلا ہیں کہ ان کی ذات اس جانور کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے (یہ جانور ان کی پسند کے مطابق کوئی چیتل' ہرنی' ببر شیر' کتا یا عقاب ہوتا ہے) اور اس کے برن میں وہ گولی کھا کر مارے جاتے ہیں۔" ان لوگوں کو یقین واثق ہے کہ ان کے ناگول کی موت کے سبب خود وہ بھی مرجاتے ہیں۔ قصہ مشہور ہے کہ کوئٹزال ٹانگو کی سطح مرتفع پر اہل ہسپانیہ کے ساتھ لڑائی میں ان ریڈ انڈینوں کے سرداروں کے ناگول نے سانپوں کی صورت میں ان دشمنوں کا مقابلہ کیا تھا۔ ان کے سردار اعظم کا ناگول ان میں سب سے نمایاں تھا' جس نے ایک چمکدار سبز پرندے کا روپ دھار رکھا تھا۔ ہسپانوی سپہ سالار پیڈرو ڈی الوارا ڈو نے اپنے نیزے سے اس چڑیا کو مار گرایا' جس کے ساتھ ہی سردار اعظم ڈھیر ہوگیا۔

جنوب مشرقی آسٹریلیا کے بہت سے قبیلوں میں دونوں سنفوں کے افراد کے نزدیک جانوروں کی کوئی خاص نوع وہی حیثیت رکھتی تھی جو وسطی امریکہ کے انڈینوں کے نزدیک ان کے ناگول کی تھی' فرق صرف اتنا تھا کہ ریڈ انڈین بظاہر یہ جانتا تھا کہ کس نوع کے کس خاص جانور سے اس کی زندگی وابستہ ہے۔ برخلاف اس کے آسٹریلیا کا وحشی صرف اتنا جانتا تھا کہ اس کی زندگی کسی خاص نوع کے ایک نہ ایک جانور سے ضرور وابستہ ہے لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر تھا کہ وہ کونسا جانور ہے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ ان کے ہاں ہر مرد اس

نوع کے تمام جانوروں کو مارنے سے گریز کرتا اور ان کی حفاظت کرتا تھا' جس پر مردوں کی زندگی منحصر ہو اور ہر عورت اس نوع کے جانوروں کو مارنے سے محترز رہتی اور اس کی حفاظت کرتی جن پر عورتوں کی زندگی کا دارومدا ہو' کیونکہ ہر شخص بس اتنا ہی جانتا تھا کہ متعلقہ انواع کے جانوروں میں وہ جانور بھی شامل ہے جس کے مارے جانے سے خود اس کی جان بھی جائے گی۔ اس کی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے مذکورہ بالا پرندے کی ہلاکت سے انڈین سردار کی اور پنچکن جادوگر کے قصے میں طوطے کی ہلاکت سے اس جادوگر کی ہلاکت۔ مثلاً جنوب مشرقی آسٹریلیا کے ووٹ جو بالوک قبیلے کے نزدیک "چمگادڑ کی جان آدمی کی جان ہے اور ابابیل کی جان عورت کی جان اور جب ان میں سے کوئی چڑیا ماری جاتی ہے تو کوئی نہ کوئی مرد یا کوئی نہ کوئی عورت کم ہوجاتی ہے۔ ایسی صورت میں کیمپ کے ہر آدمی اور ہر عورت کو یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں اس کا خاتمہ نہ ہوجائے۔ اس کی وجہ سے مذکورہ بالا قبیلے میں بڑی لڑائیاں ہوتی تھیں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ ان لڑائیوں میں مرد ایک طرف ہوجاتے اور عورتیں ایک طرف۔ اس بات کا کسی کو یقین نہ ہوتا کہ جیت کس کی ہوگی' کیونکہ بعض اوقات عورتیں مردوں کو یام کی چھڑیوں سے بری طرح پیٹ ڈالتیں اور بسا اوقات وہ نیزوں سے زخمی ہوتے یا مارے جاتے۔" حیوانات کی ان خاص انواع کے بارے میں جن پر اس طرح مرد و زن کی زندگیاں منحصر سمجھی جاتی تھیں' قبیلوں میں کسی قدر اختلاف پایا جاتا تھا۔ چنانچہ چمگادڑ ووٹ جو بالوک قبیلے میں مردوں کا جانور تھی وہاں وہ دریائے مرے کے کنارے گن باور کھاڑی کے آس پاس رہنے والے وحشیوں کے نزدیک عورتوں کا جانور تھی اور یہ لوگ اسے مارنے سے احتراز کرتے تھے۔ اس وجہ سے کہ "اگر اسے مار ڈالا جائے تو اس کے نتیجے میں ان کی کوئی لبرا (عورت) مر جائے گی۔" مرد و زن سے متعلقہ جانوروں کی اقسام خواہ کچھ بھی رہی ہوں' جنوب مشرقی آسٹریلیا کے بیشتر علاقے میں بلکہ اس سے باہر بھی یہ عقیدہ اور وہ لڑائیاں جن کا یہ عقیدہ محرک تھا' عام تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وکٹوریہ کے بعض قبیلوں میں "معمولی قسم کی چمگادڑ کا تعلق مردوں سے ہے جو اس کی بڑی سخت حفاظت کرتے ہیں اور اس کی خاطر اپنی بیویوں تک کو پیٹنے سے دریغ نہیں کرتے۔ تیز پر یا فرن کا الو عورتوں کا پرندہ ہے اور اگرچہ یہ پرندہ منحوس ہوتا ہے اور رات میں اپنی خوفناک چیخ سے دل ہلا دیتا ہے' لیکن عورتیں اس کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتیں۔ اگر کسی مرد کے ہاتھوں اس قسم کا کوئی پرندہ مارا جائے تو وہ اس طرح غضب ناک

ہو جائیں گی جیسے خود ان کا کوئی لخت جگر مارا گیا ہو اور قاتل کو اپنی لمبی لمبی بلیوں سے ٹھونک ڈالیں گی۔"

آسٹریلوی مردوں اور عورتوں میں علی الترتیب اس طرح چمگادڑوں اور الوؤں کی جو سختی سے حفاظت کی جاتی ہے (کیونکہ یہ پرندے عموماً" مردوں اور عورتوں سے مختص ہوتے ہیں) اس کا محرک محض کسی فرد کا ذاتی مفاد نہیں' بلکہ ہر شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نہ صرف اس کی بلکہ اس کے باپ' بھائیوں' بیٹوں وغیرہ کی جانیں بھی خاص چمگادڑوں سے وابستہ ہیں۔ اس لئے چمگادڑ کی نوع کی حفاظت کر کے وہ اپنی اور اپنے ساتھ جملہ اعزائے نرینہ کی حفاظت کر رہا ہے۔ اس طرح ہر عورت کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کی اور اس کی ماں' بہنوں' بیٹیوں وغیرہ سب کی جانیں خاص خاص الوؤں سے یکساں وابستہ ہیں اور الو کی نوع کی حفاظت خود اس کی اور رشتے کی جملہ عورتوں کی حفاظت ہے۔ اب اگر جانور یوں آدمیوں کے کی جانوں کے درمیان کے حامل ٹھہریں تو ظاہر ہے کہ جانوروں اور آدمیوں کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔ اگر میرے بھائی یوحنا کی جان چمگادڑ کے جسم میں ہو تو ایک طرف چمگادڑ میرا بھائی بھی ہوا اور یوحنا بھی اور دوسری طرف یوحنا ایک معنی میں چمگادڑ سے عبارت ہے' کیونکہ اس کی جان چمگادڑ کے جسم میں ہے۔ اسی صورت سے اگر میری بہن مریم کی جان الو کے بدن میں ہو تو الو میری بہن ٹھہرا اور مریم الو۔ یہ نتیجہ قدرتی پر طور نکلتا تھا اور آسٹریلیا والے اس کے اخذ کرنے میں چوکے نہیں۔ جب چمگادڑ مرد کا جانور ہو تو وہ اس کا بھائی اور الو عورت کا جانور ہو تو وہ اس کی بہن کہلاتی ہے۔ اور برعکس اس کے مرد عورت کو الو کہہ کر مخاطب کرتا ہے اور عورت مرد کو چمگادڑ۔ یہی صورت ان جانوروں کے ساتھ نظر آتی ہے جو دوسرے قبیلوں میں عورتوں اور مردوں کے لئے مختص ہیں۔ مثلاً کرنائیوں میں سارے ایمورین مردوں کے بھائی تھے اور سارے مرد ایموین' سارے نیلے رین عورتیں اور ساری عورتیں نیلے رین تھیں۔

جب وحشی کسی جانور کا نام اختیار کرتا ہے' اس جانور کو اپنا بھائی کہتا ہے اور اسے مارنے سے گریز کرتا ہے اور ایسے جانور کو اس کا ٹوٹم کہا جاتا ہے۔ لہٰذا چمگادڑ' الو' ایمورین اور نیلے رین کو جنوب مشرقی آسٹریلیا کے ان قبیلوں کے مردوں اور عورتوں کا صنفی ٹوٹم قرار دیا سکتا ہے۔ لیکن ٹوٹموں کی صنف وار تخصیص بہت کم دیکھنے میں آتی ہے اور آسٹریلیا کے سوا اس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔ عام طور پر ٹوٹم برادریوں یا خاندانوں کے لئے مخصوص

ہوتا ہے مصنف کے لئے نہیں اور نسل در نسل چلا آتا ہے' خواہ سلسلہ نسل عورت سے چلے یا مرد سے۔ فرد کا برادری کے ٹوٹم سے جو رشتہ ہوتا ہے اس کی نوعیت صنفی ٹوٹم کے ساتھ اس کے رشتے سے مختلف نہیں ہوتی۔ وہ ٹوٹم کی جان لینے سے گریز کرے گا' اسے اپنا بھائی کہے گا اور ٹوٹم ہی اس کی عرفیت قرار پائے گی۔ اب اگر دونوں صورتوں پر میں اس رشتے کی ہی رہی ہو تو دونوں صورتوں پر ایک ہی توجیہہ صادق آئے گی۔ لہٰذا کسی برادری میں خاص قسم کے جانوروں یا پودوں کا احترام (کسی برادری کا ٹوٹم پودا بھی ہو سکتا ہے) اور اس جانور کے نام اختیار کئے جانے کا سبب بظاہر یہی عقیدہ ہے کہ برادری کے ہر فرد کی زندگی اس نوع کے کسی نہ کسی جانور یا پودے سے وابستہ ہوتی ہے اور اس جانور یا پودے کے مارے جانے یا فنا ہونے کے نتیجے میں برادری کا متعلقہ فرد مر جاتا ہے۔ ٹوٹم پرستی کی یہ توجیہہ جنوبی آسٹریلیا کے ٹوٹم یا کوبانگ کی اس تفہیم سے مطابقت رکھتی ہے جو سر جارج گرے نے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "خاندان اپنے کوبانگ سے ایک مخفی رشتے میں منسلک ہوتا ہے اور اس کا کوئی فرد اس نوع کے جانور کو کبھی سوتے میں نہیں مارے گا جس سے اس کے کوبانگ کا تعلق ہو' بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ اسے مارنے سے ہمیشہ گریز کرتا ہے۔ اور مارنے سے پہلے اسے بچ نکلنے کا موقعہ ضرور دیتا ہے۔ اس گریز کی بنیاد خاندان کے اس اعتقاد پر ہے کہ اس نوع کے کسی نہ کسی جانور کے ساتھ اس کا رشتہ دوستی استوار ہے' جس کا مارنا یہ ایک سنگین جرم کے ہے اور اس لئے اس فعل سے احتراز واجب ہے۔ اسی صورت سے کسی آسٹریلوی کا کوبانگ کوئی سبزی ہو تو وہ بعض حالات میں اور خاص موسم میں اس سبزی کو نہیں چن سکتا۔" یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ اگرچہ ہر شخص کسی نہ کسی نوع کے تمام جانوروں اور پودوں کی جان لینے سے گریز کرتا ہے' لیکن وہ سب اس کے لئے برابر نہیں۔ ساری نوع میں صرف ایک جانور یا پودا اسے خاص طور پر عزیز ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اسے خبر نہیں ہوتی کہ وہ پیارا جانور یا پودا کون سا ہے لہٰذا اس اندیشے سے کہ کہیں اس جانور یا شجر عزیز کے چوٹ نہ آجائے وہ ناچار اس کی ساری نوع کو گزند پہنچانے سے گریز کرتا ہے۔ مزید بر آں ٹوٹم کی نوع کے کسی فرد کی ہلاکت یا اتلاف کا جو فرضی نتیجہ مرتب ہوتا ہے اس سے بھی ساری برادری کے ٹوٹم کی توجیہہ مطابقت رکھتی ہے۔ "ایک دن کسی آسٹریلوی وحشی نے ایک کوا مارا۔ اس کے تین یا چار دن بعد ایک پورتوا (کوا) یعنی کوا برادری کا ایک آدمی جس کا نام لاری تھا مر گیا۔ وہ کچھ دنوں سے بیمار چلا آتا تھا' لیکن اپنے ونگانگ کے مارے جانے سے اس کا خاتمہ

جلد ہوگیا۔" ایک کوے کو مارے جانے کے نتیجے میں کوا برادری کے ایک فرد کی موت کی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے صنفی ٹوٹموں کی صورت میں چگادڑ کی موت کے باعث چگادڑ مرد کی موت یا الو کی موت کے باعث الو عورت کی موت واقع ہوجائے۔ اسی صورت سے وسطی امریکہ کے ریڈ انڈین کی موت اس کے ناگول کے مارے جانے سے واقع ہوجاتی ہے، کلاباری حبشی کی اپنی 'روح بیشہ' کے مارے جانے سے، بینک آئی لینڈوالے کا اپنے تمامیو اور داستانی جادوگر کی موت اس جانور کے مارے جانے سے جس میں اس نے اپنی روح محفوظ رکھی ہو۔

اسی طرح شاید "بیدل دیو" کی کہانی سے اس فرضی رشتے کی توضیح ہوسکے جو آدمی اور اس کے ٹوٹم کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ اس نظریے کی رو سے ٹوٹم محض ایک ایسا ظرف یا قالب قرار پاتا ہے جس میں آدمی اپنی جان رکھا کرتا ہو، جیسے کہ پنچکن نے اپنی جان طوطے میں ڈال رکھی تھی اور بیدا ساری کی جان سنہری مچھلی کے قالب میں منتقل کردی گئی تھی۔ اس ضمن میں یہ جو اعتراض اٹھایا گیا ہے کہ جب وحشی کے دو دو ٹوٹم ہوں، ایک صنفی اور ایک خاندانی تو اس کی زندگی دو مختلف قسم کے جانوروں سے وابستہ ہوگی، جن میں کسی ایک کی بھی موت کے سبب خود اس کی موت واقع ہوجائے، وہ کوئی وزن نہیں رکھتا۔ اگر آدمی کے جسم میں ایک سے زائد اعضائے رئیسہ موجود ہوں تو وحشی کے یہ تصور کرنے میں کہ کون سا امر مانع ہوسکتا ہے کہ اس کے جسم سے باہر اس کی روح کے ایک سے زائد مرکز ہوسکتے ہیں۔ جب وہ اپنی روح کو جسم سے علیحدہ کرسکتا ہے تو وہ اس کے مختلف اجزا علیحدہ علیحدہ جانوروں میں کیوں نہ منتقل کرے؟ یہ تصور عام واقعات کے مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے اور اسے افلاطون جیسے فلسفیوں کے ساتھ ساتھ وحشیوں کی بھی حمایت حاصل رہی ہے۔ روح صرف اسی وقت ایک ناقابل تقسیم وحدت قرار پاتی ہے جب اس کا تصور ایک سائنسی فرضیے کی بجائے دینیاتی اذعان (Dogma) کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے۔ وحشی چونکہ اذعانی بندشوں سے آزاد ہوتا ہے، اس لئے زندگی کے حقائق کے الہام و تفہیم میں حسب ضرورت کئی روحوں کا وجود فرض کرلیتا ہے۔ چنانچہ کاریبوں نے فرض کر رکھا تھا کہ آدمی کے سر میں ایک روح ہوتی ہے، دل میں ایک اور ایک ایک جسم کے ہر اس حصے میں جہاں شریان کی حرکت محسوس ہوتی ہو۔ نزع کی حالت میں آدمی کا دم چونکہ رفتہ رفتہ نکلتا ہے اور سب سے پہلے ہاتھ پاؤں بے حس ہوتے نظر آتے ہیں لہٰذا امریکہ کے ہیڈا ئسا اس کی توجیہہ یہ کرتے

ہیں کہ آدمی کی چار روحیں ہیں جو ایک ساتھ جسم سے جدا نہیں ہوتیں بلکہ ایک ایک کر کے نکلتی ہیں اور موت کا عمل اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک کہ چاروں روحیں جسم کو نہ چھوڑ جائیں۔ بورنیو کے کچھ داکوں اور جزیرہ نمائے ملایا کے بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ہر آدمی کی سات روحیں ہیں۔ سلیبیز کے پوسو والے الفوروں کے خیال میں ان کی تین تین روحیں ہیں۔ لاؤس والے سمجھتے ہیں کہ آدمی کا جسم تیس روحوں کا مرکز ہے جو ہاتھوں' پاؤں' منہ اور آنکھوں وغیرہ میں بستی ہیں۔ لہٰذا جاہلی نقطہ نظر سے یہ قطعی ممکن ہے کہ آدمی کی ایک روح اس کے صنفی ٹوٹم میں ہو اور ایک روح خاندانی ٹوٹم میں۔ تاہم جیسا کہ میں بتا چکا ہوں' صنفی ٹوٹم کی نظیر آسٹریلیا کے سوا دنیا میں کہیں اور نہیں ملتی۔ لہٰذا اصولاً ٹوٹم پرست وحشی کے لئے یہ ضروری نہیں رہتا کہ اس کی ایک سے زائد روحیں جسم سے علیحدہ ہوں۔

اگر ٹوٹم کی یہ تفہیم درست ہے کہ اس کی مثال ایک روح دان کی سی ہے جس میں آدمی اپنی متعدد روحوں سے کسی ایک روح کو رکھ چھوڑتا ہو تو کوئی نہ کوئی ٹوٹم پرست قوم ایسی ضرور ہونی چاہیے جس کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہو کہ اس کا ہر فرد کم از کم اپنی ایک روح مستقل طور پر جسم سے باہر رکھتا ہے اور عام خیال کے بموجب اس روح منتک کی موت متعلقہ شخص کی موت کا باعث ہوجاتی ہے۔ ایسی ایک ٹوٹم پرست قوم سوماٹرا کے باتک ہیں۔ یہ بہت سے خاندانوں یا برادریوں (مارگاؤں) میں بٹے ہوئے ہیں' جن کا سلسلہ نسل مردوں سے چلتا ہے اور جو ازدواج خارجی (Exogany) کے پابند ہیں۔ ان میں ہر خاندان پر کسی نہ کسی خاص جانور کا گوشت حرام ہے۔ چنانچہ ایک خاندان شیر کا گوشت' ایک بندر' ایک مگرمچھ' ایک کتے' ایک بلی' ایک فاختہ اور ایک سفید بھینس کا گوشت نہیں کھا سکتا۔ کسی خاص خاندان کے افراد کسی خاص جانور کے گوشت سے اپنے پرہیز کا سبب یا تو یہ بتائیں گے کہ ان کا سلسلہ نسل اس جانور کی نوع سے چلا ہے کہ مرنے کے بعد ان کی روحوں کا تناسخ جانوروں کی اس نوع کے قالب میں واقع ہوگا یا ان کے اسلاف کسی نہ کسی طرح اس مخلوق کے رہین منت رہے ہیں۔ کبھی کبھی خاندان اسی جانور کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ لیکن ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا۔ اس طرح ہر باتک مکمل طور پر ٹوٹم پرست ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ہر باتک یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ اس کی سات روحیں ہیں یا جو ان میں ذرا اعتدال پسند واقع ہوا ہو وہ کم از کم تین روحوں کا مالک ضرور ہے۔ ان میں ایک روح ہمیشہ

جسم سے باہر رہتی ہے۔ لیکن جب کبھی وہ مرتی ہے تو اسی لمحے آدمی بھی مر جاتا ہے' خواہ اس وقت وہ اس سے کتنے ہی فاصلے پر کیوں نہ ہو۔ جس مصنف نے اس عقیدے کا ذکر کیا ہے وہ باٹکوں کی ٹوٹم پرستی کے بارے میں کچھ نہیں کہتا لیکن آسٹریلیا' وسطی امریکہ اور افریقہ کے نظائر کی بنا پر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ خارجی روح جس کی موت کے باعث انسان کی موت بھی واقع ہوجاتی ہو' ٹوٹم والے جانور یا پودے میں ہوتی ہے۔ یہ امر کہ باٹک قطعی طور پر یہ نہیں بتاتا کہ اس کی خارجی روح اس کے ٹوٹم میں ہے بلکہ وہ اپنے خاندان کے مخصوص پودے یا جانور کے احترام کے وجوہ کچھ اور ہی بیان کرتا ہے۔ ٹوٹم اور خارجی روح سے متعلق مذکورہ بالا نظریے کے منافی نہیں کیونکہ اگر وحشی سنجیدگی کے ساتھ یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اس کی زندگی کسی خارجی شے سے وابستہ ہے تو وہ کسی اجنبی کو ہرگز اپنا بھید نہ دے گا۔ ہر اس چیز کے معاملے میں جس کا تعلق اس کے باطنی معتقدات اور زندگی سے ہو' وہ انتہا درجے محتاط رہتا ہے اور سخت رازداری برتتا ہے۔ یورپ والے وحشیوں میں برسوں رہے ہیں' لیکن ان کے بعض بنیادی معتقدات کا پتہ نہ چلا سکے اور بسااوقات ان معتقدات کا انکشاف ان پر محض اتفاق سے ہوا ہے۔ وحشی کی اس احتیاط اور رازداری کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس کو جادو کے زور سے اپنے قتل کا ہر دم دھڑکا لگا رہتا ہے۔ اس کا ایک ادنیٰ سا جزو ذات یا جزو جسم بھی۔ اس کے بال' ناخن' تھوک' پس خوردہ بلکہ اس کا نام بھی ------ جادوگر اس کی بربادی کے لئے استعمال کرسکتا ہے اور اس وجہ سے وہ انتہائی احتیاط سے یا تو ان اجزا کو چھپائے رکھتا ہے یا تلف کر ڈالتا ہے۔ جب وہ اپنے ایسے ادنیٰ اجزائے بدن کو اس قدر پردہ خفا میں رکھتا ہو تو اس احتیاط اور رازداری کا کیا ٹھکانا جو اپنی روح کے معاملے میں برتتا ہوگا! دیو کی ایک کہانی آپ کی نظر سے گزر چکی ہے' جس میں شہزادی دیو سے پوچھتی ہے کہ وہ اپنی روح کہاں رکھا کرتا ہے۔ لیکن دیو اس کا صحیح پتہ دینے سے گریز کرتا ہے اور آخر بڑی خوشامد اور للو چپو سے اس کا بھید اگلوایا جاتا ہے۔ ڈرپوک اور حیلہ جو وحشی کی مثال اس شکی اور محتاط دیو کی سی ہے۔ لیکن جہاں کہانی کا اقتضا یہ ہے کہ دیو اپنا راز افشا کردے وہاں وحشی پر ایسی کوئی پابندی عاید نہیں ہوتی۔ کسی چیز کی تحریص اس کو اس بات پر آمادہ نہیں کرسکتی کہ وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اس جگہ کا پتہ بتا دے جہاں وہ اپنی روح رکھا کرتا ہو۔ یہ امر چنداں باعث تعجب نہیں کہ وحشی کا اصل راز حیات عرصہ دراز تک چھپا رہا ہو' جس کے انکشاف کے لئے ہمیں بڑی کاوش سے بے ربط اشاروں اور ان یادوں کو جوڑنا پڑا جو خیالی افسانوں میں محفوظ رہ گئی ہیں۔

انیسواں باب

شجری روحیں

یورپ کی آریائی اقوام کی تاریخ میں درختوں کی پرستش کا بڑا اہم حصہ رہا ہے اور یہ بالکل قدرتی بات تھی، اس لئے کہ تاریخ کے آغاز کے وقت یورپ کی سرزمین پر عہد اولیٰ کے گھنے جنگل چھائے ہوئے تھے جن میں جگہ جگہ زرعی اراضی کے کھلے ٹکڑے اس طرح بکھرے ہوئے ہوں گے جیسے سمندر میں ننھے ننھے ٹاپو۔ پہلی صدی قبل مسیح تک صحرائے ہرمینیا (جنوبی اور وسطی جرمنی کا قدیم پہاڑی بن) رھائن سے لے کر مشرق کی جانب اس قدر وسیع علاقے پر پھیلا ہوا تھا کہ اس کی حد کی کسی کو خبر نہ تھی۔ ان جرمنوں نے جو اس صحرا میں سے گزرے تھے، سیزر کے دریافت کرنے پر بتایا کہ وہ اس میں دو مہینے تک سفر کرتے رہے مگر اس کے سرے تک نہ پہنچ پائے۔ چار صدی بعد شہنشاہ جولین اس میں گیا ہو گا تو اس کی طبع حساس پر اس جنگل کی تنہائی، اداسی اور سکوت نے گہرا اثر کیا ہو گا اور وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکا ہو گا کہ سلطنت روما میں کوئی چیز اس جنگل کا جواب نہیں۔ خود انگلستان میں ویلڈ کے اضلاع کینٹ، سرے اور سیکس لنڈریڈا کے عظیم الشان جنگل کی یادگار ہیں جو کسی زمانے میں جزیرہ برطانیہ کے سارے جنوب مشرقی حصے پر چھایا ہوا تھا۔ مغرب میں غالباً اس کی حدیں ایک اور بن سے جاملی تھیں جو ہیمپشائر سے ڈے ون تک چلا گیا تھا۔ ہنری دوم کے عہد حکومت تک اہل لندن ہیمسٹیڈ کے بنوں میں جنگلی بیل اور سور کا شکار کیا کرتے تھے، بلکہ پلانٹگنیٹ خاندان (انگلستان کے بادشاہ ہنری دوم سے رچرڈ سوم تک اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے) کے بعد کے بادشاہوں کے عہد میں بھی شاہی جنگلات کی تعداد اڑسٹھ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ آرڈن بن کے اندر (انگلستان میں مڈلینڈ کا قدیم جنگل، شیکسپیئر کے مشہور طربیہ "ایز یو لائک اٹ" کے بیشتر حصے کا سین یہی بن ہے) دور جدید میں بھی وارک شائر کے اس سرے سے لے کر اس سرے تک گلہری پیڑ پیڑ چھلانگ لگا سکتی تھی۔ دریائے پو کی وادی میں سے قدیم شہتیری گاؤں کی کھدائی سے اس امر کا انکشاف ہوا

ہے کہ سلطنت روما کے عروج بلکہ غالباً" اس کی بنا پڑنے سے بہت پہلے شمالی اٹلی پر ناروِن (ایلم) شاہ بلوط (چیسٹ نٹ) اور خاص کر اوک (بلوط) کے گنجان جنگل چھائے ہوئے تھے۔ یہاں تاریخ سے آثار قدیمہ کی تائید ہوتی ہے' اس لئے کہ کلاسیکی اہل قلم کے ہاں اٹلی کے ایسے جنگلوں کا کئی جگہ ذکر آیا ہے جن کا آج نشان بھی باقی نہیں۔ روم اور اٹروریا کے درمیان چیمنی کا خوف ناک جنگل حائل تھا' جس کا لیوی (رومی مؤرخ جو پہلی صدی قبل مسیح میں گزرا ہے) نے جرمنی کے بنوں سے مقابلہ کیا ہے۔ اگر اس رومی مؤرخ کے بیان پر یقین کیا جائے تو کبھی کسی تاجر کو اس بے راہ جنگل کی تنہائیوں میں قدم رکھنے کی جرات نہ ہوئی اور جب ایک رومی جنرل اس کی دشوار گزاریوں کا پتا چلانے کے لئے دو اسکاؤٹوں کو بھیجنے کے بعد اس میں اپنی فوج لے کے گیا اور بڑھتا ہوا اس پہاڑی بن کی چوٹی پر جا پہنچا جس کے دامن میں اٹروریا کے زرخیز کھیت لہلہاتے تھے' تو لوگ اس کی دلیری پر عش عش کرنے لگے۔ یونان میں صنوبر' بلوط اور دوسرے خوب صورت درخت آرکیڈیائی پہاڑوں کی ڈھلانوں پر اب تک باقی ہیں' جن کی تازگی و شادابی آج بھی اس گہری گھاٹی کے حسن کو دوبالا کرتی ہے جس میں سے دریائے لاڈن بہتا ہوا مقدس الفیوس (جنوبی جزیرہ نمائے یونان پیلو پونیس کا سب سے بڑا دریا) میں جاملتا ہے اور چند سال بیشتر تک جن کا عکس فینیسس کی سنسان جھیل کے سیاہی مائل نیلے پانی میں پڑتا رہتا تھا۔ لیکن یہ درخت ان جنگلات کا بچا کھچا حصہ ہیں جو عہد کہن میں وسیع علاقوں کو ڈھانکے ہوئے تھے اور جو شاید قدیم تر زمانے میں جزیرہ نمائے یونان پر سمندر سے سمندر تک محیط تھے۔

گرم (Grimm) نے (جرمن ماہر لسانیات جو انیسویں صدی میں گزرا ہے) لفظ 'ٹیمپل' (عبادت گاہ) کے تیوتانی مترادفات کی جو تحقیقات کی ہے اس سے یہ بات قرین قیاس ہوجاتی ہے کہ جرمنوں کے قدیم ترین معابد قدرتی بن تھے۔ بہرکیف آریائی نسل کی ساری یورپی اقوام میں شجر پرستی کا رواج ایک مصدقہ چیز ہے۔ کیلٹ قوم کے ڈروڈوں (کیلٹوں کے مذہبی رہنما اور جادوگر جو تناسخ پر اعتقاد رکھتے تھے) کی اوک پوجا یا بلوط پرستی سے سبھی واقف ہیں عبادت گاہ کے لئے ان کی زبان کے قدیم الفاظ اپنی اصل اور مفہوم کے لحاظ سے لاطینی لفظ نیمس (Numus) کے مماثل ہیں' یہ مفہوم نیمی کے نام میں اب تک موجود ہے۔ مقدس شجرزار قدیم زمانے کے جرمنوں کے ہاں عام تھے اور ان کے اخلاف میں شجر پرستی کا آج تک خاتمہ نہیں ہوا۔ قدیم زمانے میں درختوں کی پرستش کس قدر سنجیدگی کے

ساتھ ہوتی تھی' اس کا کچھ اندازہ اس ظالمانہ سزا سے ہوتا ہے جو قدیم جرمن قوانین میں کسی درخت کی چھال اتارنے کے لئے مقرر تھی۔ اس قانون کے بموجب ایسے مجرم کی ناف کاٹ کر نکال لی جاتی اور اس درخت میں ٹھونک دی جاتی جس کی چھال اتارنے کا وہ مرتکب ہوتا۔ پھر اس کو درخت کے اطراف ھانکا جاتا تاآں کہ اس مجرم کی ساری انتڑیاں اس کے تنے سے نہ لپٹ جاتیں۔ اس سزا کا مقصد صاف یہ تھا کہ مردہ چھال کے بدلے مجرم کے جسم کا جاندار حصہ درخت پر لگا دیا جائے۔ یہ ایک طرح سے قصاص تھا' یعنی درخت کی جان کا بدلہ آدمی کی جان۔ سویڈن کے قدیم مذہبی دارلسلطنت اپسالا میں ایک مقدس شجرزار تھا جس کے ہر شجر کی حیثیت ایک دیوتا کی سی تھی۔ بت پرست سلافی درختوں اور شجرزاروں کو پوجا کرتے تھے۔ اہل لیتھونیا چودھویں صدی تک اپنے قدیم مذہب پر قائم تھے اور جس وقت انہوں نے عیسائی مذہب قبول کیا ان کے ہاں درختوں کی پوجا ایک نمایاں چیز تھی۔ ان میں بعض لوگ بلوط کے تناور درختوں اور دوسرے بڑے بڑے پیڑوں کا بہت احترام کرتے تھے جن سے انہیں غیب کے جوابات سنائی دیتے تھے اور بعض لوگ اپنے گاؤں اور گھروں کے آس پاس مقدس درختوں کے جھنڈ کھڑے رکھتے تھے جن میں سے ایک ڈالی بھی توڑنی گناہ تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ایسے کسی شجرزار کی ٹہنی توڑنے والے کی یا تو اچانک موت واقع ہوجاتی ہے یا اس کے کسی عضو میں نقص آجاتا ہے۔ قدیم یونان اور اٹلی میں شجرپرستی کے ثبوت بہ کثرت ملتے ہیں۔ مثلاً کاس کے مقام پر ایسلیپیس کے معبد میں سرو کی ٹہنی توڑنا ممنوع تھا جس کا جرمانہ ایک ہزار درہم تھا۔ لیکن شاید سب سے زیادہ خود رومتہ الکبریٰ میں مذہب کی یہ قدیم صورت محفوظ چلی آئی تھی۔ فورم میں' جو اہل روم کی سرگرمیوں کا مرکز تھا' رمولس (بانی روم) کے انجیر کے پودے کی عہد شہنشاہیت تک پرستش ہوتی رہی اور اسکے تنے کا مرجھا جانا سارے شہر میں سراسیمگی پھیلانے کے لئے کافی تھا۔ اس کے علاوہ کوہ پیلیٹین (یہ شہر روم کی سات پہاڑیوں میں سے ایک کا نام ہے' روم کے ابتدائی بادشاہ اسی پر قیام رکھتے تھے) کی ڈھلان پر ایک قرانیا (ایک درخت جس کا پھل زیتون کے برابر اور اس کے مشابہ ہوتا ہے) تھا جس کا روم کی مقدس ترین چیزوں میں شمار ہوتا تھا۔ جب کبھی کوئی راہ گیر اس درخت کو پژمردہ دیکھ پاتا' غل مچا دیتا۔ گلی کوچوں میں لوگ اس کا ساتھ دیتے اور تھوڑی دیر میں ہر طرف سے ایک ہجوم پانی کی بالٹیاں لئے سراسیمگی کی حالت میں اس طرح بھاگتا نظر آتا (بہ قول پلوٹارک) جیسے کہیں آگ لگ گئی ہو۔

CamScanner

یورپ میں فنی اوگریائی نسل (شمال مشرقی یورپ کی سومی نسل) کے کافر قبیلے اپنی رسوم پرستش زیادہ تر مقدس شجرزاروں میں ادا کیا کرتے تھے جن کے اردگرد ہمیشہ احاطہ کھنچا ہوتا۔ ان کا پیڑ مندر اکثر محض چند درختوں سے گھرے ہوئے ایک کھلے میدان یا زمین کے کسی صاف قطعے پر مشتمل ہوتا اور کسی زمانے میں ان درختوں پر قربانی کی کھالیں ٹنگی ہوتیں۔ کم از کم قبائل والگا میں ایسے پیڑ مندر کا مرکز ایک مقدس شجر ہوتا۔ جس کے آگے کسی کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اس درخت کے سامنے اس کے پوجنے والے جمع ہوتے اور پروہت پوجا پاٹ کی رسم ادا کرتا۔ اس کی جڑوں میں قربانی کی جاتی اور بعض اوقات اس کی شاخوں سے منبر کا کام لیا جاتا۔ اس شجرزار میں لکڑی کاٹنے یا کسی درخت کی ڈالی توڑنے کی اجازت نہ تھی اور اس میں عورتوں کا داخلہ ممنوع تھا۔

لیکن یہاں ضروری ہے کہ کسی قدر تفصیل سے ان تصورات کی جانچ پڑتال کی جائے جن پر درختوں اور پودوں کی پرستش مبنی ہے۔ وحشی عالم کو بالعموم ذی حیات تصور کرتا ہے اور پیڑ پودے اس کلیے سے مستثنٰی نہیں۔ وہ اپنی طرح انہیں بھی ذی روح سمجھتا ہے اور اسی برتاؤ کا مستحق جو ذی روح مخلوق کے سزاوار ہو۔ پورفری' جو نبات خوری کا حامی تھا' لکھتا ہے:

"کہتے ہیں عہد جاہلیت میں لوگوں کی زندگی اجیرن تھی اس لئے کہ ان کے دائرہ توہمات میں جانور تو جانور پودے بھی داخل تھے' لہٰذا وہ سمجھتے تھے کہ بیل یا بھیڑ کو ذبح کرنا بلوط اور صنوبر کے کاٹنے سے زیادہ برا فعل کیوں ہو جب کہ ان درختوں کے اندر بھی روح موجود ہے؟"

اسی طرح شمالی امریکہ کی بیڈانسا قوم کا عقیدہ ہے کہ فطرت کی ہر شے ذی روح ہے یا یوں کہہ لیں کہ اس پر روح کا سایہ ہے۔ ان سایوں کا کچھ نہ کچھ لحاظ یا ادب واجب ہے۔ مثال کے طور پر سمبل کے پیڑ کے متعلق' جو میسوری کی بالائی وادی میں سب سے بڑا درخت ہے' یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اندر ایسی ذہنی صلاحیت رکھتا ہے کہ اگر اس سے مناسب طور پر رجوع کیا جائے تو بعض کاموں میں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ لیکن ان کے ہاں جھاڑیوں اور گھاس والی روح یا سائے کی کوئی اہمیت نہیں۔ جس وقت موسم بہار میں بارش یا برف پگھلنے کے سبب دریائے میسوری چڑھ آتا ہے اور اپنے کناروں کے کچھ حصے کے ساتھ کسی اونچے درخت کو بہا لے جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ جب تک درخت کی جڑیں زمین میں گڑی رہتی ہیں اور اس کا تنا چھینٹے اڑاتا ہوا دریا میں گر نہیں پڑتا' اس کی روح چیختی

رہتی ہے۔ امریکہ کے قدیم باشندے کسی زمانے میں ان قوی ہیکل پیڑوں میں سے کسی کو کاٹنا اچھا نہیں سمجھتے تھے اور انہیں لٹھوں کی ضرورت ہوتی تو ایسے پیڑوں کو کام میں لاتے جو خود بخود گر پڑے ہوں۔ کچھ عرصہ پیشتر تک ضعیف الاعتقاد بوڑھے علی الاعلان یہ کہتے تھے کہ ان کی قوم کی بہت سی مصیبتوں کا سبب موجودہ زمانے میں ہیمل کے درختوں کے حقوق سے بے اعتنائی ہے۔ اریکوئی قوم (ریاست نیویارک کے جنگ جو قبائل) کا عقیدہ تھا کہ ہر قسم کے درخت، جھاڑی، پودے اور جڑی بوٹی میں اس کی اپنی ایک روح موجود ہے اور اس قوم کے لوگ ان روحوں کا شکر ادا کیا کرتے تھے۔ مشرقی امریکہ کے وارنیکا لوگوں کا خیال ہے کہ ہر درخت، خاص کر ناریل کا درخت ذی روح ہے۔ "ان کے نزدیک کسی ناریل کے درخت کو برباد کرنا بمنزلہ مادر کشی کے ہے، اس لئے وہ ان کی اسی طرح پرورش کرتا ہے جس طرح ماں بچے کی کرتی ہو" سیامی راہب اس عقیدے کی بنا پر کہ ہر جگہ روحیں جاری و ساری ہیں اور کسی بھی چیز کو برباد کرنا کسی روح کو جبراً" بے دخل کرنے سے عبارت ہے، کسی درخت کی ٹہنی توڑنے سے اسی طرح احتراز کریں گے جس طرح ایک معصوم شخص کا بازو توڑنے سے۔ یہ راہب بدھ مت والے جوگیوں کے سوا کوئی اور نہیں۔ لیکن بدھ مت میں روحیت مظاہر یا نسبت (Animism) کا جو عنصر پایا جاتا ہے وہ کوئی فلسفیانہ نظریہ نہیں، بلکہ محض ایک عام وحشیانہ اعتقاد ہے جو مذہب کے ایک تاریخی نظام میں شامل کر لیا گیا ہے۔ بینفے اور اس کے ہم خیال لوگوں کی یہ رائے کہ ایشیا کی غیر مہذب قوموں میں روحیت مظاہر یا نسبت کے جو نظریے ملتے ہیں وہ بدھ مت سے ماخوذ ہیں، حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔

بعض صورتوں میں صرف خاص قسم کے درختوں کو روحوں کا مسکن تصور کیا جاتا ہے۔ ڈالمیشیا (آسٹریا) میں گرباج کے لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ بیچ، بلوط اور دوسرے بڑے بڑے پیڑوں میں بعض ایسے ہیں جن میں روحیں ودیعت کی گئی ہیں اور جو کوئی ان میں سے کسی پیڑ کو کاٹے اس کو وہیں مرجانا یا کم از کم عمر بھر کے لئے اپاہج ہو جانا لازمی ہے۔ اگر کسی لکڑہارے کو یہ ڈر ہو کہ اس نے اس قسم کے کسی ذی روح درخت کو کاٹ ڈالا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس پیڑ کی ٹھنٹھ پر اسی کلہاڑی سے، جس سے اس نے کٹائی کی ہو، ایک مرغا ذبح کرے۔ ایسا کرنے سے اسے کوئی گزند نہیں پہنچنے پائے گا، خواہ وہ پیڑ واقعی ذی روح ہی کیوں نہ ہو۔ ریشمی روئی کے درخت، جن کے زبردست تنے اس قدر اونچے نکلتے ہیں کہ دوسرے تمام درخت ان کے آگے پست ہو کر رہ جاتے ہیں، سینیگل سے لے کر نائجر تک

سارے مغربی افریقہ میں مقدس سمجھے جاتے ہیں اور ان کے متعلق وہاں کے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ کسی دیوتا یا روح کا ٹھکانہ ہیں۔ سلیو کوسٹ (گنی) کی ایو زبان بولنے والی قوموں میں اس بلند قامت درخت میں بسنے والا دیوتا ھننش کہلاتا ہے۔ لیکن وہ ریشمی روئی کے ہر درخت کو اپنی سکونت سے عزت نہیں بخشتا۔ جو خاص درخت اس کا مسکن ہوتے ہیں' ان کے گرد کھجور کے پتوں کا حلقہ بنا دیا جاتا ہے اور مرغیوں' نیز کبھی کبھی انسانوں کی بھینٹ اس کے تنے سے باندھ دی جاتی ہے۔ اس درخت کو جس کی نشاندہی اس طرح کھجور کے پتوں کا حلقہ بنا کر کی گئی ہو' کاٹنے یا کسی اور طرح گزند پہنچانے کی اجازت نہیں۔ اسی قسم کے ایسے درختوں کی کٹائی بھی ممنوع ہے جو ھننش کی روح سے خالی ہوں' تاوقتیکہ لکڑہارا پہلے مرغیوں یا کھجور کے تیل کی بھینٹ چڑھا کر اس کی بے حرمتی کا کفارہ نہ دے دے۔ اس بھینٹ کے چڑھانے میں فروگزاشت ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا موت ہو سکتی ہے۔ پنجاب میں کانگڑے کی پہاڑیوں میں ہر سال ایک لڑکی ایک پرانے دیودار کے درخت پر بھینٹ چڑھائی جاتی تھی۔ یہ لڑکی دیہات کے کنبے باری باری فراہم کرتے تھے۔ چند سال ہوئے اس درخت کو کاٹ ڈالا گیا۔

اگر درخت ذی روح ہوں تو ان کا حساس ہونا بھی ضروری ہے' اس کی وجہ سے ان کی کٹائی ایک نازک عمل جراحی کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس میں مریض کے احساسات کا لحاظ کرتے ہوئے پوری پوری احتیاط برتنی چاہیے' ورنہ جراح اناڑی ہو تو وہ الٹ کر اس کا کچومر نکال دیں گے۔ جب بلوط کے کسی درخت کی کٹائی کی جاتی ہے تو "اس کی آہ و بکا میلوں سنی جا سکتی ہے' جیسے بلوط کی روح فریاد کرتی ہو۔ ای۔ وائلڈ صاحب نے یہ فریاد بارہا سنی ہے۔" اوجیوے قبیلے کے لوگ "شاید ہی کبھی کسی سرسبز درخت کو کاٹتے ہوں' ان کا خیال ہے کہ ایسا کرنے سے اس درخت کو تکلیف ہوتی ہے اور ان کے بعض طلسم گروں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے کلہاڑی کی دھار کے تلے درختوں کی گریہ و زاری سنی ہے۔" ایسے درختوں کا ذکر چینی کتابوں بلکہ مستند تاریخوں میں بہ کثرت ملتا ہے جو کاٹنے یا جلانے سے لہو لہان ہو جاتے ہیں یا درد و کرب یا غم و غصہ سے چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ آسٹریا کے بوڑھے کسانوں کا اب تک اس بات پر اعتقاد ہے کہ جنگل کے درخت ذی روح ہوتے ہیں اور وہ بلا کسی خاص وجہ کے ان کی چھال چیرنے نہیں دیتے۔ انہوں نے اپنے بزرگوں سے سن رکھا ہے کہ درخت اپنی خراش کو اسی طرح محسوس کرتا ہے جس طرح کوئی زخمی آدمی اپنے زخم

کو۔ جب وہ کسی درخت کی کٹائی کرنے لگتے ہیں تو اس سے معافی مانگ لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پیلیٹنیٹ (جرمنی) کے بالائی علاقے میں بھی بوڑھے لکڑھارے اب تک کسی خوبصورت اور صحیح و سالم درخت کو کاٹنے سے قبل چپکے سے اس سے معذرت کر لیتے ہیں۔ اسی طرح جارکینو میں لکڑھارا جس درخت کو کاٹتا ہے اس سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔ نوران (فلپائن) کے الوکین کسی تازہ جنگل یا پہاڑیوں میں درختوں کی کٹائی سے پہلے کچھ اشلوک پڑھتے ہیں، جن کا مطلب یہ ہے "اے ہمارے عزیز! گھبرائیو مت، ہم تجھے کاٹتے ہیں کہ حکم سے مجبور ہیں۔" اس کاروائی سے انھیں اپنے آپ کو ان روحوں کی عداوت سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے جو درختوں میں بستی ہیں اور جو بلاوجہ نقصان پہنچانے والوں کو کسی شدید مرض میں مبتلا کر کے اپنا انتقام لیتی ہیں۔ وسطی افریقہ کے باسوگا قبیلے کا خیال ہے کہ جب کوئی درخت کاٹا جاتا ہے تو اس میں سمائی ہوئی روح غضب ناک ہوجاتی ہے اور اس کے سردار کے کنبے کو ہلاک کر سکتی ہے۔ اس آفت سے بچنے کے لئے وہ کسی درخت کی کٹائی سے پہلے کسی نیرنگ ساز یا طلسم گر سے مشورہ کر لیتے ہیں۔ اگر یہ ماہر فن کٹائی کی اجازت دے دے تو لکڑھارا پہلے ایک مرغی اور بکری اس درخت کو پیش کرتا ہے اور اپنی کلہاڑی کی پہلی ضرب کی چیر پر اپنا منہ رکھ کر اس کا تھوڑا سا ساست چوس لیتا ہے۔ اس صورت سے، جس طرح دو آدمی ایک دوسرے کا خون چوس کر خونی رشتے کے بھائی بن جاتے ہیں، وہ اس درخت سے برادرانہ رشتہ جوڑ لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے پیڑ بھائی کو بلا خوف سزا کاٹ سکتا ہے۔

لیکن نباتات کی روحوں سے یہ مودبانہ سلوک ہمیشہ نہیں ہوتا۔ اگر میٹھے بول اور نرمی کا برتاؤ ان پر اثر نہ کرے تو بعض اوقات ان پر سختی کی جاتی ہے۔ شرق الہند میں ڈوریو کے درخت کا پھل، جس کا ساپٹ تنا آٹھ یا نو فٹ اونچا ہوتا ہے، نہایت خوش ذائقہ لیکن بڑا بودار ہوتا ہے۔ ملایا والے اس پھل کے لئے اس درخت کی کاشت کرتے ہیں اور پتا چلا ہے کہ اس کی بار آوری کے لئے ایک خاص رسم ادا کی جاتی ہے۔ سیلانگر میں جگرا کے قریب ڈوریو کا ایک چھوٹا سا باغ ہے۔ دیہات کے لوگ ایک خاص جگہ مقرر کر کے اس باغ میں جمع ہوا کرتے ہیں، جس کے بعد کوئی مقامی جادوگر اس درخت پر جو سب سے زیادہ بے ثمر ہوتا ہے، شدید ضربیں لگاتا اور اس کے ساتھ یہ کہتا جاتا ہے "بتا اب تو بار لائے گا یا نہیں، اگر نہیں لائے گا تو میں تجھے کاٹ ڈالوں گا۔" اس کا جواب وہ درخت ایک اور شخص کی زبانی جو قریب ہی کسی منگوسٹین کے پیڑ پر چڑھا ہوتا (ڈوریو پر چڑھا نہیں جاتا) یہ دیتا "میں اب ضرور

بار لاؤں گا' مجھے نہ کاٹو۔" اسی صورت میں جاپان میں درختوں کو ثمرآور کرنے کے لیے دو آدمی باغ میں پہنچتے ہیں۔ ایک آدمی ایک درخت پر چڑھ جاتا ہے اور دوسرا اس کے پیچھے کلہاڑی لئے کھڑا ہوجاتا ہے' پھر یہ کلہاڑی والا اس درخت سے پوچھتا ہے کہ وہ آئندہ سال اچھی فصل دے گا یا نہیں؟ نیز وہ اسے دھمکی دیتا ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اسے کاٹ کر گرا دیا جائے گا۔ اس کا جواب درخت کی شاخوں سے اس کا ساتھی یہ دیتا ہے کہ وہ اگلی فصل میں گھن گھنا کر بار لائے گا۔ باغ بانی کا یہ طریقہ ہمیں کچھ عجیب و غریب معلوم ہوگا' لیکن اس کی ہو بہو مثالیں یورپ میں بھی ملتی ہیں۔ کرسمس کی رات جنوبی سلیوونیا اور بلغاریہ کے متعدد کسان یہ کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک آدمی میوے کے کسی بانجھ درخت کو ڈرانے کے لئے اس پر کلہاڑی گھمانے لگتا ہے اور ایک اور کسان جو اس کے برابر کھڑا ہوتا ہے' اس درخت کی سفارش یوں کرتا ہے' "اسے نہ کاٹو' یہ جلد بار لے آئے گا۔" تین مرتبہ اس پر کلہاڑی گھمائی جاتی ہے اور تین مرتبہ سفارش کرنے والے کسان کی استدعا پر اسے لگتے لگتے رہ جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ خوف زدہ درخت ضرور پھل دے گا۔

درختوں کے ذی حیات ہونے کے بارے میں اس تصور کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ انہیں ایسے نر اور مادہ کی حیثیت حاصل ہوجاتی ہے جن کا صحیح معنی میں شادی بیاہ ہوسکتا ہو اور یہ خیال نرا وہم نہیں' اس لئے کہ جانوروں کی طرح درختوں میں بھی جنس ہوتی ہے اور وہ بھی اپنے ذکور و اناث کے اختلاط سے اپنی نوع کی افزائش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جہاں تمام اعلیٰ حیوانات میں ہر جنس کے مخصوص اعضاء الگ الگ ہوتے ہیں' وہاں بیشتر اشجار میں یہ صورت پائی جاتی ہے کہ کسی نوع کے منفرد درخت میں دونوں قسم کے اعضاء ایک ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ تاہم یہ کلیہ عالم گیر نہیں ہے اور بہت سے پودے ایسے ہوتے ہیں جن میں نر اور مادہ ایک دوسرے سے ممیز ہوتے ہیں۔ بعض وحشی اقوام نے ان کے اس جنسی فرق کا ضرور مشاہدہ کیا ہوگا' کیونکہ کہا جاتا ہے کہ "ماوری (پولینیشیا کی ایک قوم) درختوں وغیرہ کی جنس سے واقف ہیں اور ان لوگوں کے ہاں درختوں کے نر اور مادہ الگ الگ ناموں سے موسوم کئے جاتے ہیں۔" قدیم زمانے کے لوگوں کو کھجور کے نخل کے جنسی فرق کا علم تھا اور وہ نر کے پھول کا زیرہ مادہ کے پھول پر چھڑک کر اس نخل کو مصنوعی طور پر پھلایا کرتے تھے۔ ان کی پھلائی کا یہ عمل موسم بہار میں کیا جاتا تھا۔ حاران (شام) کے بت پرستوں میں

CamScanner

وہ مہینہ جس میں نخل کو ثمور کیا جاتا تھا "کھجوروں کا مہینہ" کہلاتا تھا اور اسی زمانے میں وہ اپنے دیوتاؤں اور دیویوں کے بیاہ کا تیوہار مناتے تھے۔ کھجور کے درخت کے اس حقیقی اور ثمورانہ اتحاد سے بالکل مختلف پودوں کی وہ بے حقیقت اور بے نتیجہ شادیاں ہیں جو ہندو توہمات میں اپنا ایک حصہ ادا کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی ہندو نے امرائی لگائی ہو تو وہ جب تک وہ اس میں کے کسی آم کے پیڑ کو دولھا بنا کر اس کا کسی اور قسم کے پیڑ سے بیاہ نہ کر دے' وہ اور اس کی بیوی اس امرائی کا آم نہیں کھا سکتے۔ اس بیاہ میں دلہن عموماً" املی کا پیڑ ہوتا ہے' جو عموماً" امرائی ہی میں آم کے درخت کے قریب نمو پاتا ہے۔ لیکن اگر املی نہ ہو تو پھر موتیا دلہن کا کام دے سکتی ہے۔ اس قسم کے بیاہ کا خرچ اکثر خاصا ہوتا ہے' اس لئے کہ اس موقع پر جتنے زیادہ برہمنوں کی ضیافت کی جائے گی اتنی ہی امرائی کے مالک کی شان بڑھے گی۔ ایک ہندو خاندان کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے آم اور موتیا کا دھوم دھام سے بیاہ رچانے کے لئے اپنے سونے چاندی کے زیور بیچ دیے تھے اور جس قدر قرضہ مل سکا وہ سب اس پر لگا دیا تھا۔ کرسمس کی رات جرمن کسان درختوں کو پھلانے کے لئے انہیں پرال کی رسی سے باندھ دیتے تھے اور اسے وہ ان کی شادی پر محمول کرتے تھے۔

مالوکاز (جزائر اسپائس جو سلیبیز اور پاپوا کے درمیان واقع ہیں) میں جب لونگ کے درختوں پر پھول آتا ہے تو ان کے ساتھ حاملہ عورتوں کا سا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ ان کے قریب کوئی شور نہیں مچا سکتا' رات کو ان ان کے پاس سے آگ یا روشنی لے کر گزرنے کی اجازت نہیں' کوئی شخص ان کے آگے ٹوپی پہنے نہیں آسکتا اور سب کو ان کے آگے برہنہ سر رہنا پڑتا ہے۔ یہ سب احتیاطیں اس لئے برتی جاتی ہیں کہ کہیں وہ درخت خوفزدہ ہو کر بار لاتا نہ چھوڑ دے یا اس کا بار کسی دہشت زدہ عورت کے اسقاط حمل کی طرح قبل از وقت نہ جھڑ جائے۔ مشرق میں بڑھتے ہوئے دھان کا بھی حاملہ عورت کی طرح خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ امبوئنا (مولاکاز) میں جب دھان شباب پر ہوتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اسے حمل ہے اور اس کے کھیتوں کے قریب بندوق چلانے یا شور مچانے سے احتراز کرتے ہیں۔ انہیں یہ خوف ہوتا ہے کہ اس سے کہیں چاول گھبرا کر جھڑ نہ جائے اور فقط بھوسا ہی بھوسا نہ رہ جائے۔

بعض صورتوں میں عقیدہ یہ ہے کہ مردوں کی روحیں درختوں کو زندگی بخشتی ہیں۔ وسطی افریقہ کا واڈری قبیلہ بعض درختوں کو نہایت مقدس سمجھتا ہے' جن کے متعلق اس کا یہ

خیال ہے کہ وہ اس کے متوفی بزرگوں کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں۔ چنانچہ ایسے درختوں کا ذکر بڑے ادب سے کیا جاتا ہے اور اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ ان میں سے کوئی کٹنے یا جلنے نہ پائے۔ اگر وہاں کے آبادکار اس قبیلے کے لوگوں سے ان درختوں کو کٹوانا چاہتے ہوں تو وہ اس کے خلاف سخت احتجاج کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو انہیں بدنصیبی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ جزائر فلپائن کے بعض باشندوں کے عقیدے کی رو سے چند درخت ایسے ہیں جن میں ان کے اسلاف کی روحیں بستی ہیں' اس لئے وہ ان کی جان نہیں لیتے۔ اگر انہیں ان میں سے کسی درخت کی کٹائی کرنی پڑ جائے تو اس سے یہ کہہ کر معافی مانگ لیتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پیشوا کے کہنے سے ایسا کیا تھا۔ روحیں اپنے رہنے کے لئے بلند قامت اور پھیلے ہوئے شاندار درختوں کو منتخب کرتی ہیں۔ ہوا میں ان کے پتوں کی سرسراہٹ کو جزائر مذکورہ کے باشندے روح کی آواز سمجھتے ہیں اور وہ جب بھی ایسے کسی درخت کے قریب سے گزرتے ہیں تو اس کے آگے ادب سے سر جھکا دیتے ہیں' اور اس کے آرام میں مخل ہونے کی معافی مانگتے ہیں۔ اگوروٹ قوم میں ہر گاؤں کا ایک مقدس درخت ہوتا ہے جس میں اس گاؤں کے لوگوں کے اسلاف کی روحیں رہتی ہیں۔ اس درخت پر نذریں چڑھائی جاتی ہیں اور ان لوگوں کے عقیدے کے بموجب اگر اسے کوئی گزند پہنچے تو گاؤں پر کوئی نہ کوئی آفت آنی ضروری ہے اور اگر اس درخت کو کاٹ دیا جائے تو سارے گاؤں والوں کا خاتمہ ناگزیر ہے۔

کوریا میں جو لوگ وبا میں یا سڑک کے کنارے مرتے ہیں یا جن عورتوں کی موت زچگی میں واقع ہوتی ہے' ان کی روحیں ہمیشہ درختوں کو اپنا مسکن بناتی ہیں۔ ایسی روحوں کو کیک' شراب اور لحم خنزیر (سور کا گوشت) کی نذر پیش کی جاتی ہے' جسے درختوں کے نیچے لگے ہوئے ڈھیر پر رکھ دیا جاتا ہے۔ چین میں قدیم الایام سے قبروں پر درخت لگانے کا دستور ہے تاکہ مردوں کی روحوں کو تقویت پہنچائی جائے اور اس طرح ان کے جسم سڑنے نہ پائیں اور چوں کہ سدا بہار سرو اور صنوبر میں قوت حیات سب سے زیادہ ہوتی ہے' لہٰذا انہیں اس مقصد کے لئے دوسروں پر ترجیح دی گئی ہے۔ اس وجہ سے ان درختوں کو جو قبروں پر نمو پاتے ہیں' متوفی اشخاص کی روحیں سمجھا جاتا ہے۔ میاؤکیا نسل کے لوگوں کے ہاں' جو جنوبی اور مغربی چین کے اصلی باشندے ہیں' ہر گاؤں کے دروازے پر ایک مقدس درخت کھڑا ہے جس میں گاؤں والوں کے عقیدے کے بموجب ان کے جداعلیٰ کی روح بستی ہے اور ان کی

تقدیر اسی درخت کے تابع ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گاؤں کے قریب کسی مقدس جھاڑ زار میں درخت اپنی اپنی جگہ کھڑے مرجھانے اور سوکھ سوکھ کر گرنے کے لئے چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ ان کی شکستہ شاخوں سے زمین پٹ جاتی ہے' جنہیں کوئی شخص نہیں ہٹا سکتا تاوقتیکہ وہ درخت کی روح سے اس کی اجازت نہ مانگ لے اور اسے بھینٹ نہ دے دے۔ جنوبی افریقہ کی ماروے قوم میں قبرستان کی حیثیت ایک مقدس مقام کی ہے' جس میں کسی درخت کا کاٹنا یا چوپائے کا مارنا ممنوع ہے' اس لئے کہ اس میں ہر چیز مردوں کی روحوں کا مسکن سمجھی جاتی ہے۔

اگر ان سب میں نہیں تو بیشتر صورتوں میں روح کو درخت کا جزو لاینفک تصور کیا جاتا ہے' جو درخت کو حیات بخشتا ہے اور جس کا درخت کے ساتھ مصیبت جھیلنا اور فنا ہو جانا لازمی ہے۔ لیکن ایک اور رائے کے بموجب جو غالباً" بعد میں قائم کی گئی ہے' درخت کی حیثیت جسم کی نہیں بلکہ وہ محض روح کے ٹھکانے سے عبارت ہے' جسے وہ جب چاہے چھوڑ سکتی ہے اور جب چاہے اس میں لوٹ کر آسکتی ہے۔ شرق الہند کے ایک جزیرے سیاو کے لوگ بعض روحوں پر اعتقاد رکھتے ہیں' جو جنگلوں یا اونچے اونچے تنہا پیڑوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ چاند کی چودھویں کو روح اپنی کمین گاہ سے نکل کر گشت لگاتی ہے۔ اس کا منہ بڑا' ہاتھ پاؤں لمبے لمبے اور جسم بھاری بھر کم ہوتا ہے۔ ان صحرائی روحوں کو رام کرنے کے لئے لوگ کھانے' مرغیوں' بکریوں وغیرہ کی بھینٹ لے کر ان جگہوں پر جاتے ہیں جنھیں روحوں کا مرجع خیال کیا جاتا ہے۔ نیاس کے لوگوں کا خیال ہے کہ کسی درخت کے مرنے پر اس کی روح پرواز کرتی ہے تو بھوت بن جاتی ہے' جو کسی ناریل کے درخت پر اتر آئے تو اس کی جان چلی جائے اور کسی گھر کے ستون پر آبیٹھے تو اس کے بچوں کا خاتمہ ہو جائے۔ نیز وہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ بعض درختوں میں آوارہ گرد شیاطین بسے رہتے ہیں۔ اگر ان درختوں کو ضرر پہنچے تو وہ آزاد ہو کر آزار رسانی کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں' اس لئے اس جزیرے کے لوگ ان درختوں کا بڑا احترام کرتے ہیں اور انہیں کبھی نہیں کاٹتے۔

آسیب زدہ درختوں کی کٹائی پر جو رسمیں ادا کی جاتی ہیں ان میں بہت سی اس عقیدے پر مبنی ہیں کہ ان درختوں کو اپنی مرضی یا ضرورت سے چھوڑنا روحوں کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ جب جزائر پی لو (خلیج کارپنٹریا' شمالی آسٹریلیا) کے باشندے کسی درخت کی کٹائی کرتے ہیں تو وہ اس کی روح کو جادو کر کے کسی اور درخت پر اڑا دیتے ہیں۔ سلیو کوسٹ کا

حبشی، جو کسی اشورین کے درخت کو کاٹنا چاہتا ہو، لیکن جانتا ہو کہ جب تک اس پر روح موجود ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا، تو زمین پر کھجور کا کچھ تیل رکھ دیتا ہے جس طرح شکار کو دانہ ڈالتا ہو اور پھر جب وہ روح اپنے اس من بھاتے کھاجے پر اتر آتی ہے تو اس کے گھر کو ڈھانے کے لئے جھپٹ پڑتا ہے۔ اسی طرح سلیبیز کے ٹویو نکو جس وقت دھان بونے کے لئے جنگل میں کسی زمین کے قطعے کو صاف کرنے لگتے ہیں تو ایک ننھا سا مکان بناتے ہیں اور اس میں چھوٹے چھوٹے کپڑے، کچھ کھانا اور سونا رکھ دیتے ہیں، پھر جنگل کی تمام روحوں کو بلا کر انہیں وہ مکان تمام چیزوں سمیت پیش کر دیتے ہیں اور ان کی منتیں کرتے ہیں کہ وہ اس جگہ کو چھوڑ جائیں۔ اس کے بعد یہ لوگ وہاں بڑے اطمینان سے کٹائی کر سکتے ہیں، جس میں انہیں اپنے زخمی ہونے کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ سلیبیز کے ایک اور قبیلے کے لوگ، جس کا نام ٹوموری ہے، کسی اونچے درخت کی کٹائی کرنے سے پہلے پان کا ایک بیڑا اس کی جڑ میں رکھ دیتے ہیں اور اس میں بسی ہوئی روح سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنا ٹھکانہ بدل دے۔ نیز وہ اس درخت کے تنے سے ایک چھوٹی سے سیڑھی لگا دیتے ہیں تاکہ روح بہ حفاظت اتر آئے۔ سماٹرا کے مینڈلنگ اس قسم کی تمام بداعمالیوں کا الزام ولندیزی حکام کے سر پر رکھ دیتے تھے۔ چنانچہ جب ان میں سے کوئی شخص جنگل میں سڑک بنا رہا ہو اور اسے کسی ایسے درخت کو کاٹنا پڑ جائے جو راستے میں حائل ہو تو وہ جب تک یہ نہ کہہ لے گا کلہاڑی نہیں چلائے گا: "اس درخت میں بسنے والی روح! اگر میں تیرے گھر کو گراؤں تو تو برا نہ مان، اس لئے کہ میں کنٹرولر کے حکم سے ایسا کرتا ہوں، اس میں میری مرضی کوئی دخل نہیں۔" اور جو وہ جنگل میں زمین کا کوئی ٹکڑا کاشت کرنے کی غرض سے صاف کرنا چاہے تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس مقام کی صحرائی روحوں سے ان کے ہرے بھرے مسکن گرانے سے پہلے اس بات پر مفاہمت کر لے۔ چنانچہ اس مقصد سے شخص مذکور اس قطعہ زمین کے بیچوں بیچ ہل چلاتا ہے اور جھک کر کوئی خط اٹھانے کا بہانہ کرتا ہے، پھر کاغذ کا ایک پرزا کھول کر ولندیزی حکومت کا ایک خیالی مکتوب بلند آواز سے پڑھتا ہے، جس میں اس پر سخت تاکید کی جاتی ہے کہ وہ بلا تاخیر زمین کی صفائی کا کام شروع کر دے۔ یہ کر چکنے کے بعد وہ یہ کہتا ہے کہ "روحو! سنتی ہو؟ مجھے فی الفور صفائی شروع کر دینی چاہیے، ورنہ میرا سر قلم کر دیا جائے گا۔"

کسی درخت کے گر چکنے اور اس کے تختے کٹ کر مکان میں لگ چکنے کے بعد بھی اس

بات کا امکان رہتا ہے کہ صحرائی روح شہتیروں وغیرہ میں چھپ رہی ہو۔ لہٰذا بعض لوگ ایسے مکان میں سکونت اختیار کرنے سے پہلے یا اس کے بعد اس روح کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی نیا گھر تیار ہوتا ہے تو سلیبیز کے تورا ڈجا ایک بکری' سور یا بھینس مار کر اس کا خون عمارت میں لگی ہوئی لکڑی پر مل دیتے ہیں۔ اگر وہ عمارت لوبو یا روح کا نشیمن ہو تو لکڑی پر مرغی یا کتا لے جا کر مارا جاتا ہے' تاکہ اس کا خون عمارت کی دونوں جانب بہہ نکلے۔ ٹوناپو' جو تورا ڈجاؤں سے زیادہ وحشی ہیں' ایسی صورت میں عمارت کی چھت کے اوپر قربانی کرتے ہیں۔ لوبو یا معبد کی چھت پر اس قربانی کی غرض و غایت وہی ہے جو کسی معمولی مکان میں لگی ہوئی لکڑی پر خون ملنے کی' یعنی جنگل کی ان روحوں کی رضاجوئی جو عمارت کی لکڑی میں چھپی رہ گئی ہوں۔ اس صورت میں ان روحوں کو ہموار کرلیا جاتا ہے تاکہ وہ عمارت کے مکینوں کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔ سلیبیز اور جزائر ملوکاز کے لوگ جو اس بات سے بہت ڈرتے ہیں کہ کہیں کسی مکان کی تعمیر میں اس کا ستون الٹا نہ نصب ہوجائے' اس کا بھی یہی کچھ سبب ہے۔ کیونکہ یہ لازمی امر ہے کہ صحرائی روح جو لکڑی میں رہ گئی ہو' اپنی اس اہانت پر ناراض ہوجائے گی اور اس کے مکینوں کو کسی بیماری میں مبتلا کردے گی۔ بورنیو کے کاینوں کی رائے میں شجری روحوں کو اپنی عزت کا بڑا پاس ہوتا ہے اور اگر انہیں کوئی آزار پہنچتا ہے تو وہ آدمی کو اس کا مزہ چکھا دیتی ہیں چنانچہ کوئی مکان بنانے کے بعد' جس میں انہیں بہت سے درختوں کے ساتھ بری طرح پیش آنا پڑتا ہے' یہ لوگ سال بھر تک اس کی تلافی کرتے ہیں اور اس میں انہیں بہت سی چیزوں کا پرہیز ہوتا ہے' جیسے' ریچھ' شیر' بلی اور سانپ کا مارنا۔

شجری روحوں کی برکتیں

جب کسی درخت کو اپنی روح کے جسمانی مظہر کی بجائے شجری روح کا محض ایک ایسا ٹھکانہ تصور کیا جانے لگے جسے وہ اپنی مرضی سے چھوڑ سکتی ہو تو مذہبی فکر میں ترقی کا ایک نہایت اہم قدم آگے بڑھتا ہے اور روحیت مظاہر کا عقیدہ کثرت الہ کے عقیدے سے بدل جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اپنے مذہبی ارتقاء کے اس مرحلے پر انسان کو ہر درخت ایک ذی حیات اور باشعور ہستی کی بجائے ایک ایسا ڈھیر دکھائی دینے لگتا ہے جسے طویل یا مختصر مدت کے لئے کسی مافوق ہستی نے اپنا مسکن بنا رکھا ہو۔ اور چوں کہ یہ روح اس نئے عقیدے کی رو

سے آزادانہ شجر بہ شجر منتقل ہو سکتی ہے' اس لئے اسے درختوں پر قبضے یا ملکیت کا ایک خاص حق حاصل ہو جاتا ہے اور وہ کسی ایک درخت کا عنصر نہیں رہتی بلکہ بن دیوتا بن جاتی ہے۔ جیسے ہی شجری روح اس طرح ہر درخت سے ایک حد تک علیحدہ کر دی جاتی ہے' اپنی صورت بدلنے اور ابتدائی عہد کے عام فکر رجحان کے مطابق' جس کی بنا پر مجرد قسم کی تمام روحانی ہستیاں آدمی کا روپ دھار لیتی ہیں' انسانی جسم میں ظاہر ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ کلاسیکی فن میں صحرائی معبود انسانی شکل میں پیش کئے گئے ہیں' جن کی شجری خصوصیت کو ایک آدھ شاخ یا اسی قسم کی کوئی اور علامت ظاہر کرتی ہے۔ لیکن صورت کی اس تبدیلی سے شجری روح کی اصلیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ کسی درخت کے جزو بند یا عنصر کی حیثیت سے آگے جن قوتوں کی حامل ہوتی ہیں' وہ نخلستان کا دیوتا بننے کے بعد بھی اس میں برقرار رہتی ہیں۔ میں اب اس کا مفصل ثبوت بھی پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس سلسلے میں ایک تو میں یہ بتاؤں گا کہ ایسے درختوں کے متعلق جنہیں ذی روح ہستیوں کی نظر سے دیکھا جاتا ہو' یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ مینہ برسانے' دھوپ نکالنے' مویشیوں کی افزائش کرنے اور عورتوں کی گود ہری کرنے کی قوتیں رکھتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ بعینہ یہی قوتیں تشبیہی یا زندہ انسانوں کی صورت میں متشکل ہستیوں کی حیثیت سے دیوتاؤں سے بھی منسوب کی جاتی ہیں۔

آیئے تو پہلے ذی روح موجودات کی حیثیت سے درختوں یا شجری روحوں کی قوتوں پر غور کیا جائے۔ ان کے بارے میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ وہ مینہ برساتی یا دھوپ نکالتی ہیں۔ چنانچہ پیریگ کا جیروم نامی مبلغ جس وقت لیتھونیا کے بت پرستوں کو اس بات کی تلقین کر رہا تھا کہ وہ اپنے مقدس شجرزاروں کو کاٹ ڈالیں تو عورتوں کا ایک ہجوم لیتھونیا کے فرمانرواں کے پاس پہنچا اور اس سے استدعا کی کہ جیروم کو اپنی تبلیغ سے باز رکھا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ بنوں کے ساتھ دیوتا کے اس گھر کی بربادی کے درپے ہے جس سے انہیں دھوپ اور بارش ملتی رہی ہے۔ آسام کے منڈاری سمجھتے ہیں کہ اگر ان کے مقدس شجرزار کا کوئی درخت کاٹ ڈالا جائے تو بن کے دیوتا خفا ہو کر بارشوں کو روک دیتے ہیں۔ برما میں ضلع ساگائنگ کے ایک گاؤں مونغ کے لوگ بارش کے لئے اپنے گاؤں کے قریب سب سے بڑا املی کا پیڑ چن کر اسے اس روح (نات) کے مسکن کے نام سے موسوم کرتے ہیں جو بارش پر حکومت کرتی ہے۔ پھر وہ روٹی' ناریل' کیلے اور مرغیاں اپنی اس مینہ برسانے والی محافظ روح

کی نذر کرتے اور اس سے یہ پرارتھنا کرتے "اے خداوند ناٹ! ہم غریب خاکیوں پر رحم کر اور بارش نہ روک! ہم نے تجھے دل کھول کر بھینٹ دی ہے' تو بھی دن رات مینہ برسا دے۔" اس کے بعد اس املی پر کوئی چیز از قسم مشروبات نذر چڑھائی جاتی اور پھر تین سن رسیدہ عورتیں عمدہ لباس زیب تن کئے اور گلوبند اور بندے پہنے بارش کے گیت گاتیں۔

اس کے علاوہ شجری روحیں فصلوں کو نمو بخشتی ہیں۔ منڈاریوں کے ہاں ہر گاؤں کا ایک مقدس شجرزار ہے اور "شجری معبودوں پر فصلوں کی افزائش کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور تمام بڑے بڑے فصلی تہواروں میں انھیں خاص عزت بخشی جاتی ہے۔" گولڈ کوسٹ کے حبشیوں میں بعض اونچے اونچے درختوں کی جڑوں میں قربانی کرنے کا رواج ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ان میں سے کسی درخت کو کاٹ ڈالا جائے تو دھرتی کے سارے پھل پھول ملیا میٹ ہو جائیں۔ گلا لوگ جوڑیاں بنا کر مقدس درختوں کے گرد رقص کرتے ہیں اور ان سے اچھی فصل کی پرارتھنا کرتے ہیں۔ ان میں ہر جوڑی ایک عورت اور ایک مرد پر مشتمل ہوتی ہے' جو ایک لکڑی کے سرے پکڑے ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں اور ان کی بغلوں میں اناج کے تازہ پودے اور ہری گھاس دبی ہوتی ہے۔ سویڈن کے کسان اپنے اناج کے کھیتوں کی ہر ریگاری میں ایک ہری بھری ٹہنی گاڑ دیتے ہیں۔ انھیں یقین ہوتا ہے کہ ان کے ایسا کرنے سے فصل وافر ہوگی۔ یہی تصور جرمنوں اور فرانسیسیوں کی حاصل بہار والی رسم میں نظر آتا ہے۔ حاصل بہار (Harvest may) اناج کے بھٹوں سے سجی ایک لمبی سی شاخ یا سالم درخت ہوتا ہے' جسے فصل والے کھیت سے آخری ویگن میں لایا جاتا ہے اور کھتے کی چھت سے باندھ دیا جاتا ہے جہاں وہ سال بھر رکھی رہتی ہے۔ مان ہارٹ نے ثابت کیا ہے کہ یہ درخت یا شاخ اس شجری روح کا مظہر ہے جو نباتات کے عام جوہر سے عبارت ہے اور جس کی حیات بخش اور بارآور قوت سے اس طرح اناج کو متاثر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سوبیا (جرمنی) میں حاصل بہار کو کھیت میں کھڑے باقی ماندہ پودوں سے باندھ دیا جاتا ہے۔ دوسرے مقامات پر اسے اناج کے کھیت میں نصب کر دیا جاتا ہے اور وہ پولی' جو سب سے آخر میں کاٹی گئی ہو' اس کے تنے سے باندھ دی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ' شجری روح جانوروں کی افزائش اور عورتوں کو اولاد عطا کرتی ہے۔ شمالی ہند میں آنولے کا درخت ایک مقدس شجر کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھاگن (فروری) کی گیارہ تاریخ کو اس کی جڑوں میں دھار (Lihatain) چڑھائی جاتی ہے۔ اس کے تنے سے ایک زرد

ڈوری لپیٹی جاتی ہے اور عورتوں' جانوروں اور فصلوں کی بار آوری کے لئے پرارتھنا کی جاتی ہے۔ نیز شمالی ہند میں ناریل کا شمار مقدس ترین پھلوں میں ہوتا ہے اور وہ سری پھل یا لکشمی دیوی کا میوہ کہلاتا ہے اور زرخیزی کی علامت ہے۔ شمالی ہند کے طول و عرض میں پجاری اسے مندروں میں رکھتے ہیں اور ان عورتوں کو دیتے ہیں جو اولاد کی خواہش مند ہوں۔ پرانے کیلے بار (ساحل گنی) کے قریب قصبہ کوا میں کھجور کا ایک درخت تھا' اگر کوئی بانجھ عورت اس کی ایک کھجور توڑ کر کھالیتی تو اس کا بامراد ہونا یقینی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یورپ میں شجربہار یا (May-ple) بیساکھے یہ ایک بانس یا بلی ہوتی ہے جسے یوم بہار پر یعنی مئی کی پہلی تاریخ کو پھولوں سے سجا کر اس کے گرد رقص کیا جاتا ہے۔ ہم نے اس کے لئے "بیساکھے" کا لفظ اس لئے منتخب کیا ہے کہ ہندوؤں کے ہاں غالباً" بیساکھ کی ایک رسم میں ایک بلی پر تشتھ کی جاتی ہے جسے بیساکھا کہا جاتا ہے۔ بیساکھ کے مہینے میں کچھ دن مئی کے اوائل میں پڑتے ہیں) کے متعلق یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اندر عورتوں اور مویشی کو بارور کرنے کی یہی قوتیں رکھتا ہے۔ چنانچہ جرمنی کے بعض حصوں میں پہلی مئی کو کسان طویلے اور گوسالہ کے دروازوں پر ہر گھوڑے یا گائے کے لئے ایک ایک شجربہار نصب کردیتے ہیں۔ ان کی دانست میں ایسا کرنے سے گائے بہت دودھ دیتی ہے۔ آئرستان والوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "ان کے خیال میں یوم بہار پر کسی پیڑ کی ہری بھری ٹہنی مکان سے باندھ دی جائے تو اس سال گرمیوں میں دودھ افراط سے پیدا ہوگا۔"

بعض وینڈ (شمال مشرقی جرمنی کے باشندے) جولائی کی دوسری تاریخ کو گاؤں کے بیچوں بیچ ایک شجر بلوط نصب کردیا کرتے تھے' جس کی انی پر ایک آہنی مرغ بندھا ہوتا۔ پھر وہ اس کے اطراف رقص کرتے اور اپنے مویشی کو افزائش نسل کی غرض سے اس کے گرد گھماتے۔ سرکیشیا (روس) والے ناشپاتی کے درخت کو مویشی کا محافظ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ جنگل میں پہنچ کر وہ اس کا ایک پودا کاٹتے ہیں اور اس کا بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں تقریباً" ہر گھر میں باجے گاجے کے ساتھ سارے گھر والوں کے خوشی کے نعروں کی گونج میں' جو اس کے ورود مسعود پر اسے سلام کرتے ہیں' بڑے دھوم دھڑکے سے گھر لایا جاتا ہے اور اس کی انی پر پنیر باندھ دی جاتی ہے۔ اس کے گرد سب بیٹھ جاتے ہیں اور کھاتے پیتے اور گاتے بجاتے ہیں۔ اس کے بعد اسے الوداع کہہ کر گھر کے صحن میں واپس لے جایا جاتا ہے' جہاں وہ دیوار کے سہارے سال بھر کھڑا رہتا ہے اور اس دوران میں اس کا کوئی ادب نہیں ہوتا۔

ماوریوں کے توھو قبیلے میں "درختوں سے اولاد بخشنے کی قوت منسوب کی جاتی ہے، جنہیں وہ اپنے بعض خاص اسلاف کی نالوں سے وابستہ سمجھتے ہیں' اس لئے کہ کچھ عرصہ پیشتر تک تمام بچوں کی نالیں ان پر لٹکائی جاتی رہی ہیں۔ بانجھ عورت کو ایسے کسی درخت سے چمٹنا پڑتا' اور اگر وہ اس کے مشرقی رخ سے ہم کنار ہوتی تو لڑکا پاتی اور مغربی رخ سے ہم کنار ہوتی تو لڑکی۔" یورپ میں یوم بہار پر کسی کنواری محبوبہ کے گھر کے سامنے یا اس کے اوپر جھاڑی نصب کرنے کا جو عام دستور ہے اس کی بنا غالباً" یہ عقیدہ ہے کہ شجری روح کے اثر سے عورتوں میں قوت تولید پیدا ہوتی ہے۔ بوریا کے بعض حصوں میں اس قسم کی جھاڑیاں نئے بیاہتا جوڑوں کے گھروں میں نصب کی جاتی ہیں اور یہ رسم صرف اس وقت ادا نہیں کی جاتی جب عورت کی زچگی کے دن قریب ہوں' اس لئے کہ ایسی صورت میں لوگ یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ "مرد نے بیساکھ والی جھاڑی خود اپنے لئے نصب کی ہے۔" جنوبی سلیوونیا کے لوگوں میں بانجھ عورت' جسے اولاد کی خواہش ہو' سینٹ جارج کے عرس کی رات ایک نئی شمیز کسی پھل دار درخت پر رکھ آتی ہے۔ اگلے دن سویرے پو پھٹنے سے پہلے وہ اس پوشاک کو الٹ پلٹ کر دیکھتی ہے۔ اگر اس پر کسی جاندار چیز کے چلنے کا نشان نظر آجائے تو اس عورت کو اسی سال اپنے بامراد ہونے کی آس بندھ جاتی ہے اور پھر وہ اسے پہن کر اس خیال میں مگن رہتی ہے کہ اس میں بھی اس درخت کے برابر قوت ثموری پیدا ہوجائے گی' جس پر اس کی شمیز نے رات گزاری ہو۔ کارگیزوں (وسط ایشیا کی ایک قوم) کے ہاں بانجھ عورتیں سیب کے کسی تنہا پودے کے نیچے لوٹ لگاتی ہیں تاکہ ان کے ہاں بچے پیدا ہوں۔ افریقہ اور سویڈن کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ درخت اپنے اندر زچگی میں عورتوں کی مشکل آسان کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ سویڈن کے بعض اضلاع میں ہر کھیت کے قریب ایک "بار ٹراڈ" یا محافظ شجر (لیموں' ایش یا نارون) ہوتا تھا۔ کسی شخص کو اس مقدس شجر کا ایک پتا بھی توڑنے کی جرات نہ ہوتی۔ اسے ضرر پہنچانے کا خمیازہ بدقسمتی یا بیماری کی صورت میں بھگتنا پڑتا تھا۔ حاملہ عورتیں اس شجر سے چمٹا کرتیں تاکہ زچگی میں انہیں تکلیف نہ ہونے پائے۔ کانگو کے چند حبشی قبائل میں حاملہ عورتیں اپنے لئے ایک خاص شجر مقدس کی چھال کی پوشاک تیار کرتی ہیں' اس لئے کہ ان کے عقیدے کے بموجب یہ شجر ان تمام خطرات سے مامون رکھتا ہے جو حمل سے وابستہ ہیں۔ یہ قصہ کہ لیٹو نے جڑواں دیوتاؤں اپولو اور آرتمیس کو جنتے وقت ایک کھجور' ایک زیتون اور دو

لارل کے درختوں کو پکڑا تھا' درختوں کے متعلق زچہ کی مشکل آسان کرنے والے اسی قسم کے عقیدے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

بیسواں باب

اناج کی روح

اناج کی روح کے حیوانی مظہر

عام خیال کے بموجب اناج کی روح جن متعدد جانوروں کی صورت اختیار کرتی ہے ان میں بھیڑیا، کتا، خرگوش، لومڑی، مرغ، انس، بیئر، گائے، (بیل، سانڈ) سور اور گھوڑا شامل ہیں۔ اس کے متعلق عام طور پر یہ اعتقاد پایا جاتا ہے کہ وہ ان میں سے کسی نہ کسی کے روپ میں غلے کے اندر موجود ہوتی ہے اور آخری پولی میں پکڑی یا ماری جاتی ہے۔ جس وقت اناج کٹتا ہے تو اس کی روح کا جانور دروگر کے آگے آگے دوڑتا ہے اور اگر کوئی دروگر کھیت پر بیمار پڑتا ہے تو یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ غفلت میں اناج کی روح کو اس کی ٹھوکر لگ گئی ہے جس نے اس کو اس بے ادبی کی سزا دی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ "رئی بھیڑیے" کے چنگل میں پھنس گیا ہے "فصل کی بکری نے اسے ٹکر ماری ہے" وہ شخص جو اناج کی آخری پولی کاٹتا یا باندھتا ہے اسے کسی جانور کا نام ملتا ہے، جیسے رئی بھیڑیا، رئی سوریا، جئی بکری وغیرہ اور بعض اوقات وہ سال بھر اسی نام سے موسوم رہتا ہے۔ نیز بسااوقات آخری پولی، لکڑی، پھولوں وغیرہ سے اس جانور کی شبیہ تیار کی جاتی ہے اور اسے خوشی خوشی فصل کے آخری چھکڑے میں رکھ کر گھر لایا جاتا ہے۔ اگر کہیں آخری پولی کی ایسی کوئی شبیہ نہ بنائی جاتی ہو تو وہاں عام طور پر رئی بھیڑیا، خرگوش، بکری وغیرہ ضرور پکارا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کے اناج کی فصل کا اپنا ایک خاص جانور ہوتا ہے جو آخری پولی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اسے اناج کی قسم کے لحاظ سے جو بھیڑیا، جئی بھیڑیا، مٹر بھیڑیا یا آلو بھیڑیا پکارا جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات مذکرہ جانور کا پتلا ساری فصل کا آخری دانہ لاتے وقت بنایا جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں یہ عقیدہ ملتا ہے کہ وہ درانتی یا داس کی آخری ضرب سے مارا جاتا ہے لیکن اس کے متعلق بیشتر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اس وقت تک نہیں مرتا جب تک سارے دانے کی چھڑائی نہ ہو جائے اور وہ چھڑائی کی آخری پولی میں پکڑا جاتا ہے۔ یہی وجہ

ہے کہ اس شخص سے، جس کی ساتٹ کی چھڑائی میں آخری ضرب لگے، کہہ دیا جاتا ہے کہ اس نے ان سوریا، چھڑائی کتا وغیرہ پایا ہے۔ جب چھڑائی ختم ہو چکتی ہے تو اس جانور کی شکل کی ایک گڑیا تیار کی جاتی ہے اور اسے آخری پولی کو چھڑنے والا پڑوس کے کسی ایسے کھیت میں لے جاتا ہے، جہاں چھڑائی ہنوز ختم نہ ہوئی ہو۔ اس سے بھی یہی عقیدہ ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں کہیں بھی اناج کی چھڑائی ہو رہی ہو وہاں اناج کی روح زندہ موجود ہوتی ہے۔ بعض وقت خود آخری پولی چھڑنے والا بھی اناج کی روح کی نمائندگی کرتا ہے اور اگر برابر کے کھیت والے، جن کے ہاں ابھی چھڑائی جاری ہو، اسے پکڑلیں تو وہ اس شخص کے ساتھ اس جانور کا سا سلوک کریں گے جس کا وہ نمائندہ متصور ہو اور اسے سوروں کے باڑے میں بند کردیتے ہیں۔ اسے مخاطب کرنے کے لئے وہی آوازیں استعمال کی جاتی ہیں جو سوروں کے لئے مخصوص ہیں۔ اب ان کلیوں کو مثالوں کے ذریعے واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اناج کی روح بھیڑیے یا کتے کے روپ میں

آیئے تو سب سے پہلے اناج کی روح کے بھیڑیے یا کتے والے تصور پر نظر ڈالی جائے۔ یہ تصور فرانس، جرمنی اور سلافی ملکوں میں عام ہے۔ چنانچہ جب ہوا کے جھونکوں میں اناج لہراتا ہے تو دہقان اکثر کہا کرتے ہیں "بھیڑیا اناج پر سے یا اناج میں سے جارہا ہے۔" "رئی بھیڑیا کھیت پر سے دوڑا جاتا ہے" "اناج میں بھیڑیا ہے" "دیوانہ کتا اناج میں ہے" "بڑا کتا آیا ہے۔" بچے بالیں توڑنے یا نیلی نیلی بوٹیاں چننے اناج کے کھیتوں میں جانا چاہیں تو انہیں منع کردیا جاتا ہے، اس لئے کہ "اناج میں بڑا کتا بیٹھا ہوتا ہے" "یا اناج میں بھیڑیا بیٹھا ہوتا ہے جو تمہیں پھاڑ ڈالے گا" "بھیڑیا تمہیں ہڑپ کرجائے گا۔" یہ بھیڑیا جس سے بچوں کو خبردار کیا جاتا ہے معمولی بھیڑیا نہیں ہوتا" اس لئے کہ اسے عموماً "اناج بھیڑیا" رئی بھیڑیا" وغیرہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ان سے کہا جاتا ہے "بچو! رئی بھیڑیا آن کر تمہیں پھاڑ کھائے گا۔" "رئی بھیڑیا تمہیں لے اڑے گا۔" وقس علیٰ ھذا۔ اس کے باوجود اناج کا یہ درندہ اصلی بھیڑیے سے پوری پوری مشابہت رکھتا ہے، مثلاً فائلن ھاف (مشرقی پروشیا) کے قرب و جوار میں جب کوئی بھیڑیا کھیت میں سے دوڑتا نظر آتا ہے تو دہقان یہ دیکھا کرتے کہ آیا وہ اپنی دم کو ہوا میں اونچا کئے دوڑ رہا ہے یا زمین پر گھسیٹے۔ اس دوسری صورت میں وہ اس کے پیچھے پیچھے جاتے اور ان کے لئے خیر و برکت لے کر آنے پر اس کا شکریہ ادا کرتے۔ لیکن

اگر بھیڑیا دم کو اٹھائے ہوئے جاتا تو اس پر لعنت بھیجتے اور اسے مارنے کی کوشش کرتے۔ یہاں بھیڑیا اناج کی ایسی روح سے عبارت ہے جس کی نمو بخش قوت اس کی دم میں پنہاں ہو۔

فصلی رسموں میں اناج کی روح کتے اور بھیڑیے دونوں کے روپ میں نظر آتی ہے۔ چنانچہ سی لیشیا کے بعض علاقوں میں وہ شخص جو آخری پولی کو کاٹتا یا باندھتا ہے، گیہو کتا یا مٹر پگ (Pug ایک قسم کا کتا جس کی ناک چپٹی ہوتی ہے) کہلاتا ہے، لیکن اناج کتے کا یہ تصور سب سے زیادہ واضح شمال مشرقی فرانس کی فصلی رسموں میں ہے۔ یہاں جب کوئی دروگر بیماری یا تھکن کے سبب یا سستی سے اگلے دروگر کا ساتھ نہ دے سکے تو لوگ کہا کرتے ہیں "سفید کتا اس کے پاس سے گزرا ہے" یا "اسے سفید کتیا نے کاٹا ہے"۔ دوژ میں "حاصل بہار" کو "سگ حاصل یا سگ فصل" کہا جاتا ہے اور وہ شخص جو چارے کی گھاس کا آخری گچھا کاٹتا ہے "کتا مارتا ہے"۔ زورا میں لوں لے سونئیے کے قریب اناج کی آخری پولی کو کتیا کہا جاتا ہے۔ ورڈن کے قریب اناج کے خاتمے کے لئے باظابطہ "وہ کتے جارہے ہیں" کا فقرہ استعمال ہوتا ہے اور ایپے نال میں اناج کی قسم کے لحاظ سے "ہم گیہوں کتے، رئی کتے یا آلو کتے" کو ماریں گے" بولتے ہیں۔ لورین میں آخری پولی کاٹنے والے کی بابت کہا جائے گا "وہ فصل کے کتے مار رہا ہے" میترول (آسٹریا) میں ڈوکس کے مقام پر جس شخص کے ہاتھوں چھڑائی میں آخری ضرب لگتی ہے وہ "کتے کو مار گراتا ہے" اور اسٹیڈ کے قریب احمن برگن میں شخص مذکور غلے کی قسم کی مشابہت سے اناج پگ، رئی پگ، گیہو پگ کہلاتا ہے۔

بھیڑیے کے ساتھ بھی قصہ کچھ یہی ہے۔ چنانچہ سی لیشیا میں جب دروگر اناج کی آخری بالوں کو کاٹنے کے لئے ان کے گرد اکٹھے ہوتے ہیں تو ان کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ "اب بھیڑیا پکڑنے" والے ہیں۔ میک لین برگ کے مختلف حصوں میں، جہاں اناج بھیڑیے کا عقیدہ خصوصیت کے ساتھ پایا جاتا ہے، ہر شخص آخری اناج کاٹتے ہوئے ڈرتا ہے کیوں کہ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں بھیڑیا بیٹھا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر دروگر کٹائی میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے تاکہ وہ کسی سے پیچھے نہ رہنے پائے۔ اسی طرح عورت آخری پولی باندھتے ہوئے ڈرتی ہے کیونکہ "اس کے اندر بھیڑیا بیٹھا ہوتا ہے"۔ اسی طرح دروگروں اور پولیاں باندھنے والی مزدورنیوں دونوں میں ایک ہنگامہ مسابقت گرم رہتا ہے، جن میں ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے پیچھے نہ رہنے پائے اور غالباً" جرمنی میں یہ

ایک کہاوت ہے کہ "آخری پولی میں بلی بیٹھے" بعض مقامات پر لوگ دروگر کو آواز لگا کر کہتے ہیں "بھیڑیے سے خبردار" یا کہا جاتا ہے کہ "اناج میں سے بھیڑیے کو رگید کر نکال رہا ہے" میکلن برگ میں بالعموم خود کھڑے اناج کے آخری گچھے کو بھیڑیا کہا جاتا ہے اور جو شخص اس اناج کو کاٹتا ہے "اس کے پاس بھیڑیا" ہوتا ہے۔ یہ اناج کی قسم کے لحاظ سے "رئی بھیڑیا" "گیہوں بھیڑیا" اور "جو بھیڑیا" وغیرہ کہلاتا ہے۔ خود آخری اناج کاٹنے والے کو بھی بھیڑیا یا رئی بھیڑیا کہا جاتا ہے، اگر متعلقہ فصل رئی کی ہو۔ اور میکلن برگ کے متعدد علاقوں میں اس شخص کو اپنا یہ کردار نبھانے کے لئے دوسرے دروگروں کو دانت مارنے پڑتے ہیں یا بھیڑیے کی سی آواز نکالنی پڑتی ہے۔ اناج کی آخری پولی بھی اس کی قسم کے لحاظ سے بھیڑیا، رئی بھیڑیا یا جئی بھیڑیا کہلاتی ہے اور آخری پولی باندھنے والی مزدورنی کے لئے یہ الفاظ کہے جاتے ہیں "بھیڑیا اسے کاٹ رہا ہے" یا "اس کے پاس بھیڑیا ہے" یا "اسے بھیڑیے کو (اناج میں سے) نکال لانا چاہیے۔" نیز خود اس مزدورنی کو بھیڑیے کے نام سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ اسے پکار کر کہا جاتا ہے کہ "تو بھیڑیا ہے" اور اسے سال بھر اسی نام سے موسوم رہنا پڑتا ہے۔ کسی زمانے میں کولون کے ضلع بورز میں پہلے آخری پولی سے بھیڑیے کی شبیہ تیار کرنے کا دستور تھا۔ یہ جب تک سارا غلہ چھڑنہ لیا جاتا کھتے میں رکھی رہتی۔ پھر اس شبیہ کو کاشت کار کے پاس لے جایا جاتا جسے اس پر بوزہ یا برانڈی چھڑکنی پڑتی۔ لیکن برگ میں برن شا۔فن کے مقام پر یہ ہوا کرتا تھا کہ وہ نوجوان عورت جس کے ہاتھوں آخری پولی بندھتی اس میں سے مٹھی بھر ڈنٹھل لے کر ان کا "گیہوں بھیڑیا" بناتی۔ یہ کوئی دو فٹ لمبی اور نصف فٹ اونچی بھیڑیے کی ایک شبیہ ہوتی جس میں اس جانور کی ٹانگیں سخت ڈنٹھلوں پر مشتمل ہوتیں اور دم اور ایال گیہوں کی بالوں پر۔ اس گرگ گندم کو لئے وہ دوروگروں کے آگے آگے گاؤں کی طرف روانہ ہوتی، جہاں پہنچ کر اس کو کاشت کار کی بیٹھک میں کسی اونچے مقام پر رکھ دیا جاتا، جہاں وہ عرصے تک اسی طرح رکھی رہتی۔ متعدد مقامات پر اس پولی سے جس کو بھیڑیا کہا جاتا ہے آدمی کا پتلا تیار کیا جاتا ہے اور اسے کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ اس مثال میں اناج کی انسانی اور حیوانی صورتوں کے تصورات خلط ملط نظر آتے ہیں۔ بھیڑیے کو عموماً خوشی کے نعروں کی گونج میں آخری چھکڑے پر گھر لایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے خود آخری کھیت کے چھکڑے کو بھیڑیے کا نام ملتا ہے۔

علاوہ برایں خیال ہے کہ اناج کا بھیڑیا، جب تک کہ اسے سانٹ کی آخری ضرب سے

CamScanner

مار کر بھگا نہ دیا جائے۔ اپنے آپ کو کوٹھے میں درو شدہ اناج کے درمیان چھپائے رکھتا ہے۔ چنانچہ ماگ ڈے بورگ کے قریب ایک جگہ وانزلے بن میں چھڑائی کے بعد دہقان ایک شخص کو جو چھڑی ہوئی پیال میں لپٹا ہوتا ہے اور بھیڑیا کہلاتا ہے زنجیر سے پکڑے جلوس کی صورت میں نکلتے ہیں۔ وہ اناج کی اس روح کی نمائندگی کرتا ہے جو چھڑائی میں غلے سے فرار ہوتی پکڑی گئی ہو۔ ضلع ٹریوز میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ اناج کا بھیڑیا چھڑائی میں مارا جاتا ہے۔ لوگ آخری پولی کی ایسی دھنائی کرتے ہیں کہ اس کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ ان کے خیال میں اسی طرح اناج کا بھیڑیا جو آخری پولی میں دبکا رہتا ہے یقیناً مارا جاتا ہے۔

فرانس میں بھی اناج کا بھیڑیا فصل کی کٹائی پر رونما ہوتا ہے۔ چنانچہ آخری پولی کے کاٹنے والے کو آواز دے کر کہا جاتا ہے: "بھیڑیا تمہارے ہاتھ آجائے گا۔" شون بیرے کے قریب یہ ہوتا ہے کہ لوگ کھڑے اناج کی آخری چند بالوں کے گرد حلقہ باندھ کر آواز لگاتے ہیں "اس کے اندر بھیڑیا ہے"! فنسٹیر میں جب کٹائی قریب الختم ہوتی ہے تو درو گر چیخ کر کہتے ہیں "یہ رہا بھیڑیا" ہم اسے جانے نہ دیں گے"۔ پھر ان میں ہر شخص ایک ایک کھیپ کاٹنا شروع کر دیتا ہے اور جو سب سے پہلے فارغ ہو جاتا ہے وہ یہ آواز لگاتا ہے: "میں نے بھیڑیا پکڑ لیا ہے۔" ڈیپنے کے مقام پر جب آخری اناج کی کٹائی ہو چکتی ہے تو لوگ ایک خصی مینڈھے کو سارے کھیت کے اردگرد گھماتے ہیں۔ اسے کھیت کا بھیڑیا کہا جاتا ہے۔ اس کے سینگوں کو پھولوں کے ہاروں اور اناج کی بالوں سے سجایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی گردن اور باقی جسم پر بھی ہار اور ربن لپیٹ دیئے جاتے ہیں۔ سارے درو گر گاتے ہوئے اس کے پیچھے نکلتے ہیں اور کھیت پر پہنچ کر اس کو مار دیا جاتا ہے۔ فرانس کے اس علاقے میں آخری پولی "کوڑولاؤ" کہلاتی ہے جس سے مراد مقامی بولی میں خصی مینڈھا ہے۔ لہٰذا خصی مینڈھے کا مارا جانا اناج کی روح کی موت کی تمثیل ہے جو لوگوں کے خیال میں آخری پولی کے اندر موجود ہوتی ہے۔ لیکن یہاں بھیڑیے اور خصی مینڈھے کی حیثیت سے اناج کی روح کے دو مختلف تصور گڈمڈ ہو گئے ہیں۔

بعض صورتوں میں بہ ظاہر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بھیڑیا جو آخری اناج میں پکڑا جاتا ہو سردیوں کے دوران میں گوشت خانے کے اندر زندہ اور بہار میں از سرِ نو اپنی سرگرمیاں شروع کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ اسی وجہ سے وسط سرما میں جب بڑھتے ہوئے دن آمد بہار کی غمازی کرتے ہیں تو یہ بھیڑیا دوبارہ رونما ہوتا ہے۔ پولستان میں ایک شخص کے سر پر

بھیڑیے کی کھال ڈال کر اسے گشت کرایا جاتا ہے یا پھر آدمی بھس بھرا بھیڑیا لے کر نکلتے ہیں اور پیسے وصول کرتے پھرتے ہیں۔ چند واقعات ایک ایسے قدیم دستور کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کے مطابق لوگ ایک برگ پوش آدمی کو لے کر نکلا کرتے اور پیسے وصول کیا کرتے تھے۔

اناج کی روح مرغے کے روپ میں

ایک اور روپ جو اناج کی روح اکثر دھارتی ہے مرغ کا روپ ہے۔ آسٹریا میں بچوں کو کھیتوں میں آوارہ گردی سے روکا جاتا ہے' کیونکہ وہاں اناج "مرغا" بیٹھا ہوتا ہے' جو ٹھونگیں مار کر ان کی آنکھیں نکال لے گا۔ شمالی جرمنی میں لوگ کہا کرتے ہیں کہ آخری پولی میں مرغا بیٹھا ہوتا ہے اور اناج کی آخری بالیں کاٹتے وقت دروگر آواز لگاتے ہیں "اب ہم مرغے کو رگید کر نکال لائیں گے۔" ٹرانسلوینیا میں ایک مقام برالر پر جب دروگر کھیت کاٹتے کاٹتے اس کے آخری ٹکڑے پر پہنچتے ہیں تو پکار اٹھتے ہیں "یہاں ہم مرغا پکڑیں گے"۔ فیورسٹن والڈے میں جب آخری پولی بندھنے کو ہو تو کھیت والا ایک مرغ کو جو وہ ٹوکری میں رکھ کر لاتا ہے کھیت میں چھوڑ دیتا ہے۔ سارے دروگر اس کے پیچھے بھاگتے ہیں اور اس طرح وہ پکڑا جاتا ہے۔ دوسرے مقامات میں دروگر اس اناج کو پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں جو آخر میں کٹے۔ جو شخص اس کو پکڑ لیتا ہے اسے بانگ دینی پڑتی ہے اور وہ مرغا کہلاتا ہے۔ وینڈوں کے ہاں یہ ہوا کرتا تھا کہ کاشت کار اناج کی آخری پولی کے تلے جس وقت وہ کھیت میں پڑی ہوتی ایک زندہ مرغ لا کر چھپا دیتا اور اناج اکٹھا کیا جاتا تو وہ دروگر جسے اتفاق سے یہ پولی ملتی مرغ کا حقدار ہو جاتا بشرطیکہ اسے پکڑ بھی لیتا۔ یہ کاروائی جو "مرغ گیری" کہلاتی تھی تیوہار کے خاتمے کی حیثیت رکھتی تھی اور وہ شراب جو اس موقع پر دروگروں کو پیش کی جاتی "بوزہ مرغ" کے نام سے موسوم تھی۔ اناج کی آخری پولی مرغا' پولی مرغا' فصل کا مرغا' فصل کی مرغی یا خزاں مرغی کہلاتی ہے۔ پیداوار کی قسم کے لحاظ سے یہ مرغ ایک دوسرے سے ممیز ہوتے ہیں' جیسے گیہوں مرغا' سیم مرغا وغیرہ وغیرہ۔ تھورینگن میں ایک مقام ون شن ڈھل پر آخری پولی سے ایک مصنوعی مرغا تیار کیا جاتا ہے اور اسے مرغ حاصل کہا جاتا ہے۔ مرغ کی ایک شبیہ جو لکڑی کی دفتی اور اناج کی بالوں سے تیار کی جاتی ہے حاصل بردار چھکڑے میں لے جائی جاتی ہے' خاص کر ویسٹ فیلیا میں' جہاں یہ مرغا اپنی چونچ میں مختلف النوع اجناس دبائے نظر آتا ہے۔ بعض اوقات مرغے کی کوئی شبیہ فصل کے آخری چھکڑے پر لدے ایک

شجر بہار کی لئی سے باندھ دی جاتی ہے۔ دوسرے مقامات پر ایک زندہ یا مصنوعی مرغا ماج حاصل سے باندھ دیا جاتا ہے اور بلی پر رکھ کر لے جایا جاتا ہے۔ گالیشیا اور دوسری جگہوں میں یہ زندہ مرغا اناج کی بالوں پر پھولوں کے ایک ہار سے باندھ دیا جاتا ہے جس کو دروگر عورتوں کے گروہ کی سرداری اپنے سر پر رکھے فصل کے جلوس کے آگے آگے چلتی ہے۔ سی لیشیا میں ایک زندہ مرغا رکابی میں رکھ کر پیش کیا جاتا ہے۔ فصل کے عشائیہ کو مرغ حاصل یا تمشر مرغا وغیرہ کہا جاتا ہے اور اس میں اصل ڈش کم از کم چند مقامات پر مرغ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اگر کوئی چھکڑے والا حاصل بردار چھکڑے کو الٹ دے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے "مرغے کو گرا دیا ہے" اور وہ مرغے یعنی فصل کے عشائیہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ حاصل بردار چھکڑے کو جس پر ایک مرغے کی شبیہ رکھی ہوتی ہے' کھتے لے جانے سے پہلے کشت خانے کے اطراف گھمایا جاتا ہے۔ اس مصنوعی مرغے کو مکان کے دروازے پر یا اس کے پہلو یا چھجے میں کیلوں سے ٹھونک دیا جاتا ہے' جہاں وہ آئندہ فصل تک اسی طرح لگا رہتا ہے۔ مشرقی فریزیستان (پالستان) میں اس شخص کو جس کے ہاتھوں چھڑائی میں آخری ضرب لگے کڑک مرغی کہا جاتا ہے اور اس کے آگے اس طرح دانہ ڈال دیا جاتا ہے جیسے وہ سچ مچ مرغی ہو۔

اس کے علاوہ اناج کی روح مرغے کے روپ میں ماری بھی جاتی ہے۔ مثلاً جرمنی' ہنگری' پولستان اور پکارڈی کے چند علاقوں میں دروگر ایک زندہ مرغی لاکر اناج کے ان پودوں میں چھوڑ دیتے ہیں جن کی کٹائی سب سے آخر میں کی جاتی ہو اور پھر کھیت میں اس کے پیچھے دوڑتے ہیں یا گردن تک اسے زمین میں گاڑھ دیتے ہیں' جس کے بعد درانتی یا ہنسیے سے اس کی گردن اڑا دی جاتی ہے۔ ویسٹ فیلیا کے متعدد علاقوں میں جب کھیت کاٹنے والے مزدور کاشت کار کے پاس لکڑی کا ایک مرغا لے کر آتے ہیں تو وہ انہیں ایک زندہ مرغا دیتا ہے جس کو یہ مزدور کوڑوں یا لکڑیوں سے مار مار کر موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں' یا کسی پرانی تلوار سے اس کو ذبح کر ڈالتے ہیں یا کھتے میں لڑکیوں کی طرف اٹھا کر پھینکتے ہیں یا کھیت والی کو پکانے کے لئے دے دیتے ہیں۔ اگر مرغ حاصل گرایا نہ گیا ہو یعنی اگر کوئی چھکڑا الٹایا نہ ہو تو فصل کاٹنے والے مزدوروں کو اس کا حق ہوتا ہے کہ وہ باڑے کے کسی مرغ کو پتھراؤ کر کے مار ڈالیں یا اسے ذبح کر ڈالیں۔ ان مقامات پر جہاں یہ رسم ترک کر دی گئی ہے' اب بھی بالعموم کھیت والے کی بیوی فصل کاٹنے والوں کے لئے گندنے ڈال کر

مرغ کا شوربہ پکاتی ہے اور انہیں اس مرغے کا سر دکھاتی ہے جسے مذکورہ شوربے کے لیے
ذبح کیا گیا ہو۔ کلاؤزنی بورگ ٹرانسلوینیا کے قرب و جوار میں فصل والے کھیت کے اندر ایک
مرغا لے جا کر اس طرح گاڑھ دیا جاتا ہے کہ اس کا فقط سر باہر رہ جاتا ہے۔ پھر ایک نوجوان
درانتی لے کر ایک ہی ہاتھ میں اس کے سر کا صفایا کر دیتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کر پائے تو اسے
سال بھر لال مرغا پکارا جاتا ہے اور لوگوں کو یہ اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ آئندہ سال فصل
خراب ہوگی۔ ٹرانسلوینیا میں ایک مقام اوودار ہیلی میں ایک زندہ مرغے کو کھیت کی آخری پولی
سے باندھ دیا جاتا ہے اور کباب کی سیخ گھونپ کر مار دیا جاتا ہے۔ پھر اس کی کھال اتار کر
گوشت کو پھینک دیا جاتا ہے لیکن کھال اور پر آئندہ سال کے لئے سنبھال کر رکھے جاتے
ہیں۔ بہار میں کھیت کی آخری پولی کا دانہ ان پروں کے ساتھ ملا کر اس کھیت میں بکھیر دیا جاتا
ہے جس کی جتائی کی جانے والی ہو۔ اناج کی روح کے ساتھ مرغے کی مماثلت و مجانست کے
تصور کی اس سے زیادہ واضح مثال نہیں مل سکتی۔ آخری پولی میں بندھنے اور مارے جانے
کے بعد مرغے کو اناج سے اور اس کے مرنے کو اناج کے کٹنے سے تعبیر کیا جانے لگتا ہے۔
مزید برآں اس کے پروں کو بہار تک محفوظ رکھنے اور پھر انہیں اسی پولی کے دانے میں ملا کر
جس میں مرغے کو باندھا گیا ہو کھیت میں بکھیرنے سے مرغ اور اناج کی باہمی مجانست نمایاں
ہوتی ہے اور اس سے یہ عقیدہ بھی بالکل عیاں ہے کہ اناج کے مظہر کی حیثیت سے مرغا
اپنے اندر ایک حیات بخش اور بار آور قوت رکھتا ہے۔ اس صورت سے اناج کی روح مرغے
کے روپ میں کھیت کی کٹائی میں ماری جاتی ہے لیکن بہار میں وہ نئی توانائی کے ساتھ پھر زندہ
ہو جاتی ہے۔ نیز اسی رسم سے اناج کے ساتھ مرغے کی مماثلت و مجانست کا تصور اس کو
زمین میں دفن کرنے اور اس کا سر کاٹنے سے کچھ کم واضح نہیں۔

اناج کی روح خرگوش کے روپ میں

اناج کی روح کا ایک اور عام مظہر خرگوش ہے۔ چنانچہ گلوے میں کھیت کی آخری بالوں کے
درو کرنے کو خرگوش کی کٹائی کہا جاتا ہے۔ اس کے کاٹنے کا طریقہ کچھ یوں ہے۔ کھیت کی
اس طرح کٹائی کی جاتی ہے کہ چند پودے خرگوش کی شکل میں باقی رہ جائیں۔ ان کو تین
حصوں میں تقسیم کر کے بٹ لیا جاتا ہے اور بالوں کو جوڑ کر ان کی ایک گانٹھ باندھ دی جاتی
ہے۔ پھر وہاں سے دور ہو کر چند گز کے فاصلے پر جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس خرگوش کو
باری باری اپنی درانتی کا نشانہ بناتے ہیں۔ اسے گانٹھ کے نیچے سے کاٹنا شرط ہے۔ وہ کیے بعد

CamScanner

دیگرے برابر اس پر اپنی درانتیاں پھینکتے جاتے ہیں تاآں کہ ان میں کوئی نہ کوئی ان ڈنٹھلوں کو گرہ کے نیچے سے کاٹنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ پھر اس خرگوش کو گھر لے جایا جاتا ہے اور باورچی خانے میں کسی ماما کے سپرد کردیا جاتا ہے' جو اسے باورچی خانے کے اندر دروازے پر رکھ دیتی ہے۔ بعض وقت اناج کا خرگوش اگلی فصل تک اسی طرح رکھا رہتا ہے۔ منی گک کے کلیسائی علاقے میں جب خرگوش کی کٹائی ہوتی تھی تو تاکتھا دروگر پوری رفتار سے گھر کی طرف بھاگتے اور ان میں سے جو سب سے پہلے پہنچتا اس کا بیاہ سب سے پہلے ہوتا۔ جرمنی میں بھی کھیت کی آخری پولی کا ایک نام خرگوش ہے چنانچہ جب آن ہالٹ میں سارا اناج درو ہو چکتا ہے اور صرف چند ڈنٹھل کھیت میں کھڑے رہ جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے "خرگوش اب آنے ہی والا ہے" یا دروگر ایک دوسرے کو آواز لگا کر کہتے ہیں "دیکھنا' دیکھنا یہ خرگوش کس طرح زقند بھرتا آتا ہے۔" مشرقی پروشیا میں لوگ کہا کرتے ہیں کہ کھیت کے بن کٹے آخری ٹکڑے میں خرگوش بیٹھا ہوتا ہے' آخری دروگر کے لئے اسے رگید کر نکالنا لازمی ہے۔ دروگر بڑی تیزی سے اپنا کام کرتے ہیں اور ان میں ہر ایک اس فکر میں ہوتا ہے کہ وہ "خرگوش کو رگید کر نکالنے" سے بچے' اس لئے جس شخص کو ایسا کرنا پڑ جائے یعنی جو کٹائی میں سب سے پیچھے رہ جائے اس کی بڑی ہنسی اڑتی ہے۔ آرخ میں' جیسا کہ ہم دیکھ آئے ہیں' کھیت کی آخری بالوں کی کٹائی کو "خرگوش کی دم کاٹنا بولتے ہیں۔" جرمنی' سویڈن' ہالستین' فرانس اور اٹلی میں اس شخص کی بابت جو کھیت کا آخری اناج کاٹے عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ "وہ خرگوش مار رہا ہے" ناروے میں جو شخص "خرگوش مارتا ہے" اسے اپنے ساتھیوں کو خرگوش کا خون یعنی برانڈی پلانی پڑتی ہے۔ لیس باس میں جب دو پڑوس کے کھیتوں کی کٹائی ہو رہی ہو تو ہر کھیت کے مزدوروں کی جماعت یہ کوشش کرتی ہے کہ اپنا کام پہلے ختم کرلے' تاکہ خرگوش کو پڑوسیوں کی طرف بھگا دیا جائے۔ اس میں جن دروگروں کو کامیابی ہوتی ہے انہیں یقین ہوتا ہے کہ آئندہ سال ان کے ہاں فصل اچھی ہوگی۔

اناج کی روح بلی کے روپ میں

اس کے علاوہ بعض اوقات اناج کی روح بلی کی صورت اختیار کرتی ہے۔ کیل (جرمنی) کے قرب و جوار میں بچوں کو متنبہ کردیا جاتا ہے کہ وہ کھیتوں کی طرف نہ جائیں' وہاں "بلی بیٹھی ہوتی ہے۔" لوبرلینڈ (سوئٹزرلینڈ) میں ایک مقام کلی دناک میں ان سے کہا جاتا ہے "

اناج کی بلی آن کر تمہیں پکڑ لے جائے گی۔" "اناج کی بلی اناج کے کھیت میں جایا کرتی ہے۔" سی لیشیا کے بعض علاقوں میں اناج کے آخری بالوں کو درو کرتے وقت لوگ کہا کرتے ہیں "بلی پکڑی گئی" اور وہ شخص جس کے ہاتھوں چھڑائی میں آخری ضرب لگے بلی کہلاتا ہے۔ لایونز کے گردو نواح میں کھیت کی آخری پولی اور فصل کا عشائیہ دونوں کو بلی کہا جاتا ہے۔ ویزول کے قریب آخری پولی کاٹتے وقت لوگ کہتے ہیں: "ہم نے بلی کو دم سے پکڑ لیا ہے۔" بریاں سون ڈانتے میں کٹائی کے آغاز پر ایک پولی کو ربنوں' پھولوں اور اناج کی بالوں سے سجایا جاتا ہے اور اسے "گولے کے چڑے کی بلی کہا جاتا ہے" اگر کوئی کھیت کاٹنے والا مزدور کام کرتے ہوئے زخمی ہوجائے تو اس کے گھاؤ کو اس بلی سے چھوایا جاتا ہے۔ کٹائی کے خاتمے پر اس کو ایک مرتبہ پھر ربنوں اور اناج کے بالوں سے آراستہ کیا جاتا ہے اور پھر سب مل کر رقص کرتے اور رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ جب رقص ختم ہوجاتا ہے تو لڑکیاں بڑی سنجیدگی سے اس بلی کا سامان زیبائش اتار لیتی ہیں۔ گرون برگ' سی لیشیا میں اس دروگر کو جو کھیت کی آخری بالیں کاٹے بلے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس کو رئی کے ڈنٹھلوں اور ہری بھری ڈالیوں میں لپیٹ دیا جاتا ہے اور انھی کی ایک لمبی سی دم بٹ کر لگا دی جاتی ہے۔ بعض اوقات اس کے جوٹ کے طور پر ایک اور آدمی اسی ہیئت میں اس کے ساتھ ہوتا ہے جسے بلی کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کا فرض یہ ہے کہ جو لوگ انہیں نظر آئیں ان کے پیچھے دوڑیں اور انہیں ایک لمبی سی لکڑی سے پیٹیں۔ آمنیس کے گرد و نواح میں کھیت کی کٹائی ختم کرنے کے لئے "بلی ماری جانے والی ہے" کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اور جب کھیت کا آخری اناج کٹتا ہے تو باڑے میں ایک بلی ماری جاتی ہے۔ چھڑائی کے وقت فرانس کے بعض علاقوں میں اناج کے اس گٹھے کے نیچے ایک بلی لے جا کر چھپا دی جاتی ہے جسے آخر میں چھڑنا ہوا سے سانٹیں مار مار کے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ پھر اتوار کے دن اس کو تعطیل کی ایک خاص ڈش کے طور پر بھون کر کھا لیا جاتا ہے۔ کوہ ووژ میں چارے کی گھاس کی تیاری یا کٹائی کو "بلی پکڑنا" "کتا مارنا" یا کبھی کبھار "خرگوش پکڑنا" بولتے ہیں۔ اچھی یا خراب فصل کی مناسبت سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بلی' کتا یا خرگوش دبلا نکلا ہے۔ اس شخص کی بابت جس کے ہاتھوں کھیت کا آخری مٹھی بھر گندم یا گھاس کٹے' یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بلی یا خرگوش پکڑتا ہے یا کتا مارتا ہے۔

اناج کی روح بکری کے روپ میں

مزید برآں اناج کی روح بسا اوقات بکری کی صورت میں رونما ہوتی ہے۔ پروشیا کے

بعض علاقوں میں جب اناج کے پودے ہوا سے خم ہوتے ہیں تو لوگ کہا کرتے ہیں: "بکریاں ایک دوسرے کا پیچھا کر رہی ہیں" یا "ہوا بکریوں کو کھیت میں ہانکے لئے جاتی ہے" یا "کھیت میں بکریاں چر رہی ہیں۔" اور انہیں توقع ہوتی ہے کہ فصل بڑی اچھی ہوگی۔ نیز کہا جاتا ہے: "رئی بکری رئی کے کھیت میں بیٹھی ہے" یا "اناج کی بکری رئی کے کھیت میں بیٹھی ہے" بچوں کو متنبہ کر دیا جاتا ہے کہ وہ اناج کے کھیتوں میں نیلی بوٹیاں یا بینس کے کھیتوں میں پھلیاں توڑنے نہ جائیں۔ وہیں رئی بکری' اناج بکری یا بینس بکری بیٹھی یا لیٹی ہوئی ہے جو ان کو پکڑ کر لے جائے گی اور مار ڈالے گی۔ جب کوئی کھیت کاٹنے والا مزدور بیمار پڑ جائے یا اپنے کام میں ساتھیوں سے پیچھے رہ جائے تو یہ آواز لگائی جاتی ہے: "فصل کی بکری نے اسے ٹکر ماری ہے" یا "اناج کی بکری نے اس کے سینگ مارے ہیں۔" براونس برگ (مشرقی پروشیا) کے قرب و جوار میں رئی باندھنے میں ہر شخص جلدی کرتا ہے کہ کہیں "اناج کی بکری اس کے سینگ نہ مار دے۔" ناروے میں ایک مقام اوے فوٹن پر ہر دروگر کے لئے کھیت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا جاتا ہے اور جب سارے مزدور اپنے اپنے حصوں کی کٹائی کر چکیں اور صرف ایک شخص اپنا کام ختم نہ کر پائے تو متوخرالذکر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "وہ جزیرے پر رہ گیا ہے" اگر یہ سست رفتار مزدور مرد ہو تو اس کو پکارنے کے لئے وہی آوازیں نکالتے ہیں جو بکرے کے لئے مخصوص ہوں' اگر وہ عورت ہو تو اس کے لئے وہ آواز جو بکری کے لئے مخصوص ہو۔ بویریا کے نچلے علاقے میں جو آدمی کھیت کا آخری اناج کاٹے اس کے متعلق اناج کی قسم کے لحاظ سے یہ کہا جاتا ہے کہ "اس کے پاس اناج کی بکری ہے' رئی بکری ہے' گیہوں کی بکری ہے۔" اس کے علاوہ اناج کے آخری انبار پر دو سینگ لگا دیئے جاتے ہیں اور اسے "سینگوں والی بکری" کہتے ہیں۔ کروٹس بورگ' مشرقی پروشیا' میں لوگ آخری پولی باندھنے والی عورت کو یہ آواز لگاتے ہیں "پولی میں بکری بیٹھی ہے" گلب لنگن' سوبیا' میں کسی کشت زار یا اراضی مزروعہ میں جئی کے آخری کھیت کی کٹائی کرتے وقت دروگر لکڑی کا ایک چوبی بت تراشتے ہیں۔ اس کے نتھنوں اور منہ میں جئی کی بالیں رکھ کر اس کو پھولوں کے گجروں سے سجایا جاتا ہے' اسے جئی بکری کہا جاتا اور کھیت میں لے جا کر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ جب کٹائی ختم ہونے لگتی ہے تو ہر دروگر اپنے حصے کا کام جلد از جلد پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان میں جو سب سے پیچھے رہ جاتا ہے اسے جئی بکری مل

جاتی ہے' نیز خود کھیت کی آخری پولی بکری کہلاتی ہے' چنانچہ بوریا کی وادی میں ویزینٹ میں کھیت پر جو پولی سب سے آخر میں باندھی گئی ہو بکری کہلاتی ہے اور یہاں یہ مثل مشہور ہے کہ "کھیت کو بکری کا بوجھ برداشت کرنا چاہیے۔" ہیس کے ایک علاقے اسپاخ برو کن میں وہ مٹھی بھر اناج جو سب سے آخر میں کٹے بکری کے نام سے موسوم ہوتا ہے اور جن لوگوں کے ہاتھوں یہ کٹتا ہے ان کا بڑا مذاق اڑتا ہے۔ بیڈن میں ڈیورین بوخیگ کے مقام پر اور موزباخ کے قرب و جوار میں آخری پولی بھی بکری کہلاتی ہے۔ بعض اوقات آخری پولی سے ایک مصنوعی بکری تیار کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے "اس کے اندر بکری بیٹھی ہے۔" نیز وہ شخص جو آخری پولی کاٹتا یا باندھتا ہے' بکری کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ چنانچہ میکلن برگ کے بعض علاقوں میں آخری پولی باندھنے والی عورت کو آواز لگائی جاتی ہے "تم فصل کی بکری ہو۔" ہانوور کے ایک مقام یوالیزن کے گرد و نواح میں فصل کا تہوار "فصل کی بکری کے لانے" سے شروع ہوتا ہے' یعنی آخری پولی باندھنے والی عورت کے تنکے لپیٹ کر اور فصل کا سہرا باندھ کر اسے ہتھ گاڑی میں گلوں لایا جاتا ہے' جہاں اس کی آمد پر ایک حلقہ بند رقص ہوتا ہے۔ لون بورگ کے قرب و جوار میں اس عورت کو جو آخری اناج باندھتی ہے اناج کی بالیوں کا تاج پہنا کر اناج کی بکری کہا جاتا ہے۔ بیڈن میں ایک جگہ میرزے شائم میں وہ دروگر جس کے ہاتھوں کٹائی کے خاتمے پر اناج یا جئی کے آخری چند دانے کٹیں' اناج بکری یا جئی بکری پکارا جائے گا۔ سوئٹزرلینڈ کے صوبہ سینٹ گال میں جو شخص کھیت پر اناج کی آخری مشت کاٹے یا فصل کا آخری چھکڑا ہانک کر کھیتے لے جائے اناج بکری' رئی بکری یا فقط بکری کہلاتا ہے۔ صوبہ تھرگاؤ میں اسے اناج بکری کہتے ہیں اور بکری ہی کی مانند اس کے گلے میں گھنٹی لگا دی جاتی ہے اور پھر اس کو بڑی دھوم دھام کے ساتھ گھمایا جاتا ہے اور شراب میں بھگو کر شرابور کر دیا جاتا ہے۔ آسٹریا کے بعض علاقوں میں بھی آخری دروگر کو اناج بکری' جئی بکری وغیرہ کہا جاتا ہے۔ جس شخص کو اناج بکری کہا جائے اسے اصولاً سال بھر اسی نام سے موسوم رہنا پڑتا ہے۔

لیکن بعض صورتوں میں اناج کی روح کے متعلق یہ بھی عقیدہ ملتا ہے کہ وہ بکری کے روپ میں فصل والے کھیت پر ماری جاتی ہے۔ چنانچہ دریائے موزیل (دوش) کے کنارے برنا کاسل کے قرب و جوار میں دروگر قرعہ اندازی کے ذریعے کٹائی میں اپنی ترتیب معین کرتے ہیں۔ ان میں جو سب سے پہلے ہوتا ہے وہ مقدم دروگر کہلاتا ہے اور جو سب سے پیچھے ہوتا

ہے وہ عقبی دروگر۔ اگر کوئی دروگر اپنے اگلے ساتھی پر سبقت لے جائے تو وہ اسے پیچھے چھوڑتے ہوئے چاروں طرف جھک کر اس طرح کٹائی کرتا ہے کہ وہ سست رفتار مزدور کھیت کے ایک ٹکڑے میں اکیلا رہ جاتا ہے۔ یہ ٹکڑا بکری کہلاتا ہے۔ جس شخص کے لئے اس طرح بکری کاٹی جاتی ہے وہ اپنے ساتھیوں کے لئے دن بھر نقل محفل بنا رہتا ہے اور جب عقبی دروگر آخری بالیں کاٹنے لگتا ہے تو کہا جاتا ہے "بکری کی گردن اڑا رہا ہے۔" گرے نوبل (فرانس) کے گرد و نواح میں کٹائی ختم ہونے سے پہلے ایک زندہ بکری کو پھولوں اور ربنوں سے سجا کر کھیت میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ دروگر اس کے پیچھے دوڑتے ہیں اور اس کو پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب وہ ان کے ہاتھ آجاتی ہے تو کاشتکار کی بیوی اسے کس کر پکڑ لیتی ہے اور کاشتکار اس کا سر اڑا دیتا ہے۔ اس بکری کے گوشت سے فصل کا ماحضر تیار کیا جاتا ہے اور ایک ٹکڑے کو مسالہ لگا کر آئندہ سال فصل کی بکری کے کٹنے تک محفوظ رکھا جاتا ہے' پھر سارے مزدور مل کر اس گوشت کو کھاتے ہیں۔ اس دن اس بکری کی کھال سے ایک کلوک تیار کیا جاتا ہے' جسے کاشتکار کو' جو اپنے مزدوروں کے ساتھ کام کیا کرتا ہے' جب کبھی کٹائی کے زمانے میں بارش ہو یا موسم خراب ہو جائے' پہنے رہنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر کسی دروگر کی پیٹھ میں درد ہونے لگے تو کاشتکار یہ کھال اسے پہنا دیتا ہے۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیٹھ کی تکلیف کو جو سزا کے طور پر اناج کی روح کی طرف سے ملتی ہے اناج کی روح دور بھی کر سکتی ہے۔ اسی طرح ہم دیکھ چکے ہیں کہ بعض دوسرے مقامات پر جب کٹائی میں کسی دروگر کے چوٹ آجائے تو اس کے زخم کو ایک بلی سے جو اناج کی روح کی مظہر ہوتی ہے چٹوایا جاتا ہے۔ جزیرہ مون کے ایستھونی دروگروں کا خیال ہے کہ جو شخص فصل کی پہلی بالیں کاٹے اس کی پیٹھ میں درد ہونے لگے گا' غالباً اس لئے کہ ان کے عقیدے کی رو سے اناج کی روح کو پہلی چوٹ خاص طور پر ناگوار گزرتی ہے اور پیٹھ کے اس درد سے بچنے کے لئے ٹرانسلوینیا کے سیکسن دروگر اناج کی جو پہلی چند بالیں کاٹتے ہیں ان سے کمریں کس لیتے ہیں۔ اس دستور میں بھی درد کی دوا کے لئے یا حفظ ماتقدم کے طور پر اناج کی روح سے رجوع کیا جاتا ہے لیکن اس کی اپنی اصل صورت میں' نہ کہ بلی یا بکری کے روپ میں۔

اس کے علاوہ اناج کی روح کو جو اناج چھڑتے وقت بکری کے روپ میں پکڑی جاتی ہے' کسی پڑوسی کے ہاں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ فروئش کونٹے (فرانس) میں جوں ہی چھڑائی ختم

ہوتی ہے نوجوان پیال کی ایک مصنوعی بکری کسی ایسے پڑوسی کے باڑے میں رکھ آتے ہیں جس کے ہاں ابھی چھڑائی ہو رہی ہو۔ اسے لازم ہے کہ اس کے صلے میں وہ ان لوگوں کو شراب یا زر نقد دے۔ ایل وینگن' ورتمبورگ میں اناج چھڑتے وقت آخری گٹھے سے ایک بکری کی شبیہ تیار کی جاتی ہے۔ اس کی ٹانگیں چار اور سینگ دو لکڑیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس شخص کو' جس کے سانٹ کی ضرب سب سے آخر میں لگے' یہ مصنوعی بکری کسی ایسے پڑوسی کے کوٹھے میں لے جاکر پھینکنا پڑتی ہے جس کے ہاں چھڑائی ختم نہ ہوئی ہو۔ اگر وہ ایسا کرتے ہوئے پکڑا جائے تو بکری اس کی پشت سے باندھ دی جاتی ہے۔ ایسا ہی ایک دستور بالائی بوریا میں انڈرز ڈورف کے مقام پر پایا جاتا ہے۔ یہاں وہ شخص جو پیال کی مصنوعی بکری کو پڑوسی کے کھتے میں ڈال دیتا ہے بکری کی طرح ممیانے لگتا ہے۔ اگر وہاں لوگ اس کو پکڑ لیں تو اس کا منہ کالا کر کے وہ بکری اس کی پشت پر باندھ دی جاتی ہے۔ آلساس (فرانس) میں بمقام سیورنے' جب کوئی کاشتکار چھڑائی میں اپنے پڑوسیوں سے ہفتہ بھر یا اس سے زائد عرصہ پیچھے رہ جائے تو یہ اس کے دروازے کے آگے بھس بھری ایک بکری یا لومڑی رکھ آتے ہیں۔

بعض اوقات اناج کی روح کے متعلق یہ عقیدہ ملتا ہے کہ وہ بصورت بز چھڑائی میں ماری جاتی ہے۔ بالائی بوریا کے ضلع ٹراونز اسٹائن میں لوگوں کا خیال ہے کہ جئی بکری' جئی کی آخری پول میں ہوتی ہے۔ اس کی علامت کے طور پر ایک پرانی چھلنی کو الٹا کھڑا کر دیا جاتا ہے اور اس کے اوپر ایک پرانا برتن بطور سر رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر بچوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ جئی بکری کو مار ڈالیں۔

اناج کی روح سانڈ' گائے یا بیل کے روپ میں

اناج کی روح بسا اوقات سانڈ' گائے یا بیل کی صورت میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جب ہوا کے جھونکوں میں کھیت لہراتے ہیں تو مشرقی پروشیا میں کانیٹس کے لوگ کہا کرتے ہیں "اناج کے کھیت میں بچھڑا دوڑ رہا ہے۔" کھیت کے کسی حصے میں اناج گھن گھنا کر آئے اور موٹا ہو تو مشرقی پروشیا کے بعض علاقوں میں کہا جاتا ہے کہ "اناج میں سانڈ بیٹھا ہوا ہے" اگر کلم کی بولاوتی سے کسی کھیت کاٹنے والے مزدور کے ہاتھ پاؤں میں چوٹ لگ جائے تو مغربی پروشیا کے ضلع گرلاوڈینس کے لوگ کہا کرتے ہیں کہ "سانڈ نے ٹکر ماری ہے۔" لارین میں

کہا جاتا ہے "اسے سانڈ ملا ہے۔" ان دونوں محاوروں کا مطلب یہ ہے کہ وہ سوئے اتفاق سے اناج کی مقدس روح پر جا پڑا اور اس روح نے اپنی اس بے حرمتی کی پاداش میں اسے لنگڑا یا لولا کردیا۔ چنانچہ شوئبرے (فرانس) کے قرب و جوار میں کوئی درو گر اپنی درانتی سے زخمی ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس کے "بیل کی چوٹ" لگی ہے۔ ضلع بوتس لاؤ اسی لیشیا) میں بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ اناج کی آخری پولی کا سن بھر کے اور بالیں لپیٹ کر ایک مصنوعی بیل تیار کیا جاتا ہے۔ یہ شبیہ "بوڑھا" کہلاتی ہے۔ بوہیمیا کے کچھ علاقوں میں آخری پولی سے آدمی کا پتلا بنایا جاتا ہے اور اسے بھینسے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان صورتوں میں اناج کے انسانی اور حیوانی روپ گڈمڈ نظر آتے ہیں اور اس ذہنی پراگندگی کی مثال ویسی ہی ہے جیسے بھیڑیے کے نام سے دنبہ مارنے کا دستور (جس کی مثال پیش کی جاچکی ہے)۔ سویبیا میں ہر جگہ اناج کا وہ آخری گٹھا جو کھیت پر ہو' گائے کے نام سے موسوم ہے اور اس شخص کو گائے ملتی ہے جو اناج کی آخری بالیں کاٹے۔ خود وہ بھی اناج کی قسم کے لحاظ سے گائے' جو گائے یا جئی کہلاتا ہے۔ فصل کے عشائیے میں اس کو ایک گل دستہ اور اناج کی بالیں اور دوسروں سے زیادہ شراب ملتی ہے۔ لیکن اسے چھیڑ چھیڑ کر اس کی خوب ہنسی اڑائی جاتی ہے۔ لہٰذا کوئی شخص گائے بننا پسند نہیں کرتا۔ یہ گائے کبھی کبھی ایک زنانہ پتلے کی صورت میں بھی پیش کی جاتی تھی' جو اناج کی بالوں اور کھیتوں کی خود رو بوٹیوں سے تیار کیا جاتا تھا۔ اس پتلے کو وہ شخص کشت خانے لے جاتا ہے جس نے اناج کی آخری مشت کاٹی ہو۔ بچے اس کے پیچھے دوڑتے اور پڑوسی سب اس کی ہنسی اڑانے کے لئے نکل آتے اور جب تک وہ کاشتکار اس سے وہ گائے نہیں لے لیتا' اسے چھٹکارا نہیں ملتا۔ یہاں بھی اناج کی روح کا انسانی روپ اس کی حیوانی صورت سے الجھا ہوا نظر آتا ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے مختلف حصوں میں وہ شخص جو اناج کی آخری بالیں کاٹے "گیہوں گائے" اناج گائے' جئی گائے یا اناج بچھڑے کے نام سے موسوم ہے اور نقل محفل بنایا جاتا ہے۔ دوسری طرف بویریا کے ضلع روزین ہائم میں جب کوئی کاشتکار غلہ کاٹ کر لانے میں اپنے پڑوسیوں سے پیچھے رہ جائے تو وہ اس کے کشت زار میں ایک "پوال سانڈ" رکھ آتے ہیں۔ یہ لمبا چوڑا مصنوعی سانڈ ٹھنٹھوں سے ایک چوبی ڈھانچے پر تیار کیا جاتا ہے اور پھول پتیوں سے سجایا جاتا ہے۔ اس پر اس شخص کی ہجو میں ذیل اشعار لکھ کر ایک لیبل لگا دیا جاتا ہے جس کی اراضی پر وہ پوال سانڈ رکھ دیا گیا ہو۔

اس کے علاوہ اناج کی روح سانڈ یا بیل کی صورت میں فصل والے کھیت پر کٹائی ختم ہوتے وقت ماری جاتی ہے۔ ڈیژون (فرانس) کے قریب پولی کے مقام پر جب اناج کی آخری بالیں کٹنے کو ہوں تو ایک بیل رہنوں' پھولوں اور اناج کی بالوں سے آراستہ کھیت کے چاروں طرف گھمایا جاتا ہے' جس کے پیچھے سارے دروگر اچھلتے کودتے چلتے ہیں۔ پھر ایک شخص شیطان کا روپ بھرے اناج کی آخری بالیں کاٹتا ہے اور اس کے بعد ہی اس بیل کو ذبح کر ڈالتا ہے۔ اس کے گوشت کا کچھ حصہ فصل کے عشائیہ میں شامل ہوتا ہے۔ کچھ حصے کو مصالحہ لگا کر آئندہ بہار میں بوائی کے وقت تک محفوظ رکھا جاتا ہے۔ پاں آموساں (فرانس) اور دوسرے مقامات میں کٹائی کے آخری دن شام کو یہ ہوا کرتا ہے کہ ایک بچھڑے کو پھولوں اور اناج کی بالوں سے سجا کر چارہ دکھاتے یا ڈنڈوں سے ہانکتے ہوئے تین مرتبہ باڑے کے گرد گھمایا جاتا ہے یا کاشتکار کی بیوی رسی سے کھینچتی ہوئی اسے گشت کراتی ہے۔ اس رسم کے لئے وہ بچھڑا منتخب کیا جاتا ہے جو اس سال بہار میں اراضی مزروعہ پر سب سے پہلے پیدا ہوا ہو۔ اس کے پیچھے پیچھے سارے دروگر اپنے اوزار لئے ہوئے چلتے ہیں۔ پھر اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور دروگر سب اس کے پیچھے دوڑتے ہیں اور جو کوئی اس کو پکڑ لیتا ہے وہ بچھڑے کا بادشاہ کہلاتا ہے۔ آخر میں اسے بڑی سنجیدگی سے مار دیا جاتا ہے۔ لوناویل (فرانس) میں اس موقع پر گاؤں کا یہودی تاجر قصائی کی خدمت انجام دیتا ہے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ بعض صورتوں میں اناج کی تازہ روح کے متعلق' جس کا کام آئندہ سال کے اناج کو تقویت اور بالیدگی بخشنا ہے' یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ وہ فصل والے کھیت پر ایک نوزائیدہ بچے کی صورت میں جنم لیتی ہے۔ اس طرح برے میں اناج کی نئی روح کے بارے میں بعض اوقات یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کھیت پر بچھڑے کے روپ میں پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ جب پولیاں باندھنے والے کسی مزدور کے پاس رسی نہ ہو تو وہ باقی ماندہ گیہوں کو ایک طرف رکھ دیتا ہے اور گائے کی طرح ڈکرانا شروع کر دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ "پولی نے بچھڑا جنا ہے۔" پوے ڈی ڈوم (فرانس) میں پولیاں باندھنے والا مزدور یا مزدورنی اس دروگر کا ساتھ نہ دے سکے جس کے پیچھے اسے کام پر لگایا گیا ہو تو کہا جاتا ہے کہ "وہ بچھڑا جن رہا ہے یا جن رہی ہے۔" انہی حالات میں پروشیا کے بعض علاقوں کے لوگ اس مزدورنی کو آواز لگا کر کہتے ہیں "سانڈ آنے والا ہے" اور سانڈ کی طرح ڈکرانے لگتے ہیں۔ ان صورتوں میں مزدورنی اناج کی گائے یا پرانی روح کی حیثیت رکھتی ہے اور فرضی بچھڑے سے

مراد اناج کی تازہ روح ہے۔ آسٹریا کے بعض علاقوں کے لوگوں کے عقیدے کی رو سے بہار میں جب اناج کے کلیے پھوٹتے ہیں تو ان میں ایک فرضی بچھڑا نظر آتا ہے اور بچوں کو ٹکر مارتا ہے۔ جب اناج ہوا میں لہراتا ہے تو لوگ یہ کہتے ہیں "بچھڑا گھومتا پھر رہا ہے۔" جیسا کہ مان ہارٹ کا کہنا ہے "موسم بہار کا یہ بچھڑا واضح طور پر اسی جانور سے عبارت ہے جو بعد میں ان لوگوں کے عقیدے کے بموجب کٹائی میں مارا جاتا ہے۔"

اناج کی روح گھوڑے یا گھوڑی کے روپ میں

بعض اوقات اناج کی روح گھوڑے یا گھوڑی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے کالو اور اسٹوٹ گارٹ (جرمنی) کے درمیانی علاقے میں جب اناج کے پودے ہوا کے جھونکوں سے خم ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے "وہ گھوڑا دوڑا جاتا ہے۔" بیڈن میں راڈو فیتسل کے قریب ایک جگہ بوہ لنگن میں جئی کی آخری پولی کو جئی گھوڑا یا جئی سانڈ (وہ گھوڑا یا زیان جو جفتی کے لئے مخصوص ہو) کہا جاتا ہے۔ ہرٹ فرڈ شائر میں کٹائی کے خاتمے پر ایک رسم ادا کی جاتی تھی جو "مادیان پکارنا" کہلاتی تھی۔ اس میں لوگ اناج کی آخری بالوں کو جو کھیت میں کھڑی رہ گئی ہوں جوڑ کر باندھ دیتے ہیں اور اس صورت میں انہیں مادیان کہا جاتا ہے۔ درو گر چند فاصلے پر کھڑے ہو کر اس کھڑی پولی پر درانتیاں پھینکتے ہیں اور جو شخص اسے کاٹ لیتا ہے "تحسین و آفرین کی صداؤں میں گویا بازی لے جاتا ہے۔" جب یہ کٹ چکتی ہے تو درو گر تین مرتبہ بہ آواز بلند یہ الفاظ دھراتے ہیں "میں نے اسے پالیا۔" اتنی ہی مرتبہ باقی جواب دیتے ہیں "تم نے کیا پایا؟" جواب آتا ہے: "مادیان! مادیان! مادیان!" پھر پوچھا جاتا ہے "وہ ہے کس کی۔" مالک کا نام لے کر "فلاں فلاں کی۔" "اور تم اسے کہاں بھیجو گے؟" کسی ایسے پڑوسی کا نام لے کر جو ابھی کٹائی سے فارغ نہ ہوا ہو "فلاں فلاں کے ہاں۔" اس دستور میں اناج کی روح گھوڑی کے روپ میں کسی ایسے کشت زار سے جہاں اناج کٹ چکا ہو اس کشت زار میں منتقل کر دی جاتی ہے جہاں وہ ابھی بن کٹا رہ گیا ہو اور اس لئے یہاں عام نیاں کے بموجب اناج کی روح کا پناہ لینا قدرتی بات ہے۔ شراپ شائر میں بھی ایسا ہی دستور پایا جاتا ہے۔ یہاں کاشتکار اس شخص کی بابت جو فصل کی کٹائی میں سب سے پیچھے ہو اور اس وجہ سے جس کے ہاں اناج کی گھوڑی آکر رک جائے' یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس کو "سردیوں تمام اپنے پاس رکھتا ہے۔" بعض وقت جس مضحک انداز سے گھوڑی پیش کی جاتی ہے اس

مضحک انداز سے قبول بھی کی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک بوڑھے سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ "جب ہم بیٹھے رات کا کھانا (فصل کا عشائیہ) کھا رہے تھے تو ایک شخص باگ لئے اسے (گھوڑی کو) لے جانے آپہنچا۔" ایک جگہ تو اس موقعے پر ایک سچ مچ کی گھوڑی بھیجنے کا رواج تھا۔ لیکن اس پر سوار ہو کر جانے والے ناخواندہ مہمان کے ساتھ پڑوسی کے کشت خانے پر کچھ اچھا سلوک نہ ہوتا۔

لیل (فرانس) کے آس پاس گھوڑے کے روپ میں اناج کی روح کا یہ تصور نمایاں چلا آتا ہے۔ یہاں جب کوئی کھیت کاٹنے والا کام کرتے کرتے تھک جائے تو کہا جاتا ہے "اسے گھوڑے کی تکان ہے۔" پہلی پولی کو جو گھوڑے کی صلیب کہلاتی ہے باکس (وہ جھاڑی جو باغوں کے اطراف لگائی جاتی ہے) کی لکڑی کی ایک صلیب سی بنا کر اس پر رکھ دیا جاتا ہے۔ اسے کشت زار کے سب سے کم سن گھوڑے کا روندنا ضروری ہے۔ کھیت کاٹنے والے اناج کے آخری ڈنٹھلوں کے گرد رقص کرتے ہوئے کہتے ہیں "دیکھو گھوڑے کی لاش کے ٹکڑے۔" ان آخری پودوں سے جو پولی باندھی جاتی ہے وہ کلیسائی علاقے کے سب سے کم سن گھوڑے کو کھلائی جاتی ہے۔ یہ علاقے کا سب سے کم سن گھوڑا بہ قول مان ہارٹ کے آئندہ سال کے اناج کی روح ہے، یعنی وہ بچھڑا جو آخر میں کٹے ہوئے اناج کو کھا کر پرانے اناج کے گھوڑے کی روح کو اپنے اندر جذب کرلیتا ہے، کیونکہ بالعموم اناج کے گھوڑے کی روح کا آخری مامن اس کی آخری پولی ہوتی ہے۔ نیز جو شخص آخری پولی چھڑتا ہے اس کے متعلق "گھوڑے کو پیٹنے" کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

اناج کی روح سور یا سوریا کے روپ میں

اب آخر میں اناج کے جس حیوانی مظہر پر غور کیا جائے گا وہ سور یا سوریا ہے۔ تھورنگن میں جب ہوا کے جھونکوں سے اناج کے تازہ پودے ہلتے ہیں تو لوگ کبھی کبھی کہتے ہیں "سور اناج کے کھیت میں دوڑا جاتا ہے۔" ایستھونیا کے جزیرہ اوسیل (بحیرہ بالٹک) میں اناج کی آخری پولی کو رئی سور کہا جاتا ہے اور جس شخص کو یہ پولی ملتی ہے اس کا ان الفاظ کے ساتھ سواگت کیا جاتا ہے "تمہاری پشت پر رئی سور لدا ہوا ہے۔" اس کے جواب میں شخص مذکور ایک نغمہ چھیڑ دیتا ہے جو دعائے برکت پر مشتمل ہوتا ہے۔ آگسبورگ کے قریب ایک جگہ کو لروئکیل میں فصل کی کٹائی کے خاتمے پر سارے درو گر اناج کے آخری بچے کو باری

باری ایک ایک ڈنٹھل کر کے کاٹتے ہیں۔ ان میں اس شخص کو جو آخری ڈنٹھل کاٹتا ہے "سوریا مل جاتی ہے" اور اس کی بڑی ہنسی اڑتی ہے۔ دوسرے سویبیائی گاؤوں میں بھی وہ شخص "سوریا پاتا ہے" یا "رئی سوریا پاتا ہے" جو کٹائی میں سب سے پیچھے رہے۔ بیڈن میں راڈلفسل کے قریب ایک جگہ بوہ لنگن میں آخری پولی اناج کی قسم کے لحاظ سے رئی سوریا یا بیس سوریا کہلاتی ہے اور اس علاقے میں روہرن باخ کے مقام پر جو شخص آخری پولی کے طور پر آخری کولی بھر اناج لائے اناج سوریا یا جئی سوریا کہلاتا ہے۔ فریڈ لکن واقع سویبیا میں آخری ضرب لگانے والا خرمن کوب اناج کی قسم کے لحاظ سے سوریا، جو سوریا' اناج سوریا وغیرہ وغیرہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اونسٹ مینگن میں جس شخص کے ہاتھوں چھڑائی میں آخری ضرب لگے وہ "سوریا پاتا ہے۔" اسے "تموما" ایک پولی میں باندھ کر رسی سے گھسیٹتے ہوئے لے جایا جاتا ہے اور سویبیا میں بالعموم اس شخص کو جس کی سانٹ کی ضرب آخری ہو سوریا کہا جاتا ہے۔ تاہم وہ پوال کی اس رسی کو کسی پڑوسی کے طرف منتقل کرکے' جو اس کا نشان امتیاز ہے' اپنے ناگوار اعزاز سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ شخص مذکور کو کسی گھر میں جاکر یہ آواز لگاتے ہوئے وہ رسی ڈال دیتا ہے "یہ میں تمہارے لئے سوریا لایا ہوں!" گھر کے سارے آدمی اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ اگر وہ پکڑا جائے تو اس کی خوب پٹائی ہوتی ہے اور اسے کئی گھنٹے سور کے باڑے میں بند رکھ کر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ "سوریا" کو واپس لے جائے۔ بالائی بوریا کے مختلف علاقوں میں اس شخص کے لئے جو چھڑائی میں آخری ضرب لگائے "سور لے جانا" لازمی ہوجاتا ہے' جس سے مراد پیال کی ایک مصنوعی سوریا یا محض پیال کے رسوں کا بنڈل لے جانا ہے۔ اسے لے کر وہ قریب کے کسی ایسے کشت زار پر پہنچتا ہے جہاں چھڑائی ہنوز ختم نہ ہوئی ہو اور کھتے میں پھینک دیتا ہے۔ اگر وہ وہاں کے چھڑائی کرنے والے مزدوروں کے ہاتھ آجائے تو اس کی بری گت بنتی ہے۔ وہ اس کی ٹھکائی کرتے ہیں' سوریا اس کی پشت پر باندھ کر اس کے چہرے پر کالک یا گندگی ملتے ہیں اور اسے کوڑے پر پھینک دیتے ہیں' وغیرہ وغیرہ۔ اگر سوریا کو لے جانے والی کوئی عورت ہو تو اس کے بال کاٹ دئے جاتے ہیں۔ فصل کے عشائیہ پر اس "سور لے جانے والے" شخص کو ڈمپلنگ (اس قسم کی پڑنگ جو میدے وغیرہ میں سیب رکھ کر تیار کی جاتی ہے) کے ایک یا ایک سے زائد ٹکڑے جو بصورت خنزیر تیار کئے جاتے ہیں ملتے ہیں۔ جس وقت یہ ٹکڑے خادمہ لاکر اس کو پیش کرتی ہے تو میز پر تمام لوگ "سوز! سوز! سوز!"

CamScanner

کرنے لگتے ہیں جو سوروں کو بلانے کی مخصوص آواز ہے۔ بعض اوقات عشائیہ کے بعد اس شخص کے منہ پر کالک مل دی جاتی ہے اور اسے گاڑی پر بٹھا کر گاؤں میں گشت کرایا جاتا ہے اور ایک ہجوم اس کے پیچھے ہو لیتا ہے جو اس طرح سوز! سوز! سوز! کرتا جاتا ہے' جیسے سوروں کو آواز لگاتا ہو۔ بعض اوقات اس شخص کو گاؤں میں گھمانے کے بعد گھوڑے پر پھینک دیا جاتا ہے۔

لیکن سور کے روپ میں اناج کی روح کے اس تصور کی واضح ترین مثال اسکینڈی نیویا کا یول سور والا دستور ہے۔ چنانچہ سویڈن اور ڈنمارک میں یہ ہوا کرتا ہے کہ یول (کرسمس) پر سور کی شکل کی ایک ڈبل روٹی پکائی جاتی ہے اور اسے "یول سور" کہا جاتا ہے۔ یہ عموماً آخری پولی کے دانے سے تیار کی جاتی ہے۔ یول میں تمام وقت یہ "یول سور" میز پر کھڑا رہتا ہے اکثر اسے اگلی بہار کی بوائی کے وقت تک محفوظ رکھا جاتا ہے' جب کہ اس کا کچھ حصہ بیج میں ملا دیا جاتا ہے کچھ ہالی کو کھانے کے لئے دے دیا جاتا ہے اور کچھ ہل میں جتنے والے گھوڑوں یا بیلوں کو کھلا دیا جاتا ہے' اس توقع کے ساتھ کہ فصل اچھی ہوگی۔ زیر بحث دستور میں اناج کی روح جو آخری پولی میں داخل و شامل ہوتی ہے' سرما کے وسط میں اس سور کا روپ دھارے نمودار ہوتی ہے جو آخری پولی کے دانے سے بنایا جاتا ہے۔ اناج پر اس کا جو حیات بخش اثر پڑتا ہے وہ "یول سور" کا کچھ حصہ بیج میں ملائے جانے اور کچھ ہالی کو کھانے کے لئے دیے جانے سے ظاہر ہے۔ اسی طرح ہم دیکھ چکے ہیں کہ اناج بھیڑیا وسط سرما میں رونما ہوتا ہے جب کہ بہار قریب آنے لگتی ہے۔ کسی زمانے میں کرسمس کے موقع پر ایک حقیقی سور قربان کیا جاتا تھا اور بظاہر "یول سور" کے روپ میں ایک آدمی بھی۔ یہ کم از کم ایک رسم سے مستنبط ہوتا ہے جو سویڈن میں ابھی تک جاری ہے۔ اس میں ایک آدمی کھال میں لپٹا مٹھی بھر پوال اس طرح منہ میں دبائے لگتا ہے کہ اس کے باہر کو نکلے ہوئے تنکے سور کے بال دکھائی دیتے ہیں۔ پھر چھری لائی جاتی ہے اور اس سے ایک بڑھیا جس کے منہ پر کالک ملی ہوتی ہے اس آدمی کو ذبح کرنے کا بہانہ کرتی ہے۔

ایستھونیا کے جزیرہ اوسیل میں کرسمس کی شب لمبا سا ایک کیک تیار کیا جاتا ہے جو دو سروں پر سے مڑا ہوتا ہے۔ اس کو کرسمس کا سور کہا جاتا ہے اور یہ نئے سال کے پہلے دن تک میز پر رکھا رہتا ہے' جب کہ اس کا تھوڑا تھوڑا سا حصہ سارے مویشیوں کو کھلا دیا جاتا ہے۔ اس جزیرے کے دوسرے حصوں میں کرسمس کا سور کیک کی بجائے سور کے بچے

پر مشتمل ہوتا ہے جو مارچ میں پیدا ہوا ہو۔ اس کو گھر والی چوری چھپے کھلا پلا کر موٹا کرتی رہتی ہے' جس کی عموماً" خاندان کے دوسرے افراد کو مطلق خبر نہیں ہوتی۔ کرسمس کی رات یہ چھوٹا سا سور چپکے سے مار دیا جاتا ہے' پھر اسے تنور میں بھون لیا جاتا ہے اور میز پر لے جا کر چاروں پاؤں پر کھڑا کردیا جاتا ہے' جہاں وہ کئی دن تک اسی صورت میں کھڑا رکھا جاتا ہے۔ نیز مذکورہ بالا جزیرے کے بعض دوسرے حصوں میں اگرچہ کرسمس والا کیک نہ تو سور کے نام سے موسوم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی شکل سور کی سی ہوتی ہے' لیکن وہ سال نو کے آغاز تک رکھا رہتا ہے' جس پر اس کا آدھا حصہ خاندان کے افراد اور چوپایوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے اور آدھا آئندہ بوائی تک محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اس وقت صبح میں اس حصے کو بھی اسی طرح آدمیوں اور جانوروں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایستھونیا کے دوسرے علاقوں میں کرسمس کا سور رئی کے اس دانے سے تیار کیا جاتا ہے جو سب سے پہلے کاٹا گیا ہو۔ یہ مخروطی شکل کا ہوتا ہے اور اس پر سور کی ہڈی یا چابی سے ایک صلیب کا نشان بنا دیا جاتا ہے' یا پھر بجسوئے یا کوئلے سے تین گڑھے ڈال دئے جاتے ہیں۔ یہ جشن کرسمس کے سارے ایام میں میز پر ایک چراغ کے برابر کھڑا رہتا ہے۔ نئے سال کے پہلے دن اور ظہور مسیح کے موقع پر سورج کے نکلنے سے پہلے اس کیک کا چھوٹا سا ٹکڑا توڑ کر اس کے بھورے مویشی کو دے جاتے ہیں۔ باقی کیک اس دن کے لئے اٹھا کر رکھ لیا جاتا ہے جب بہار میں مویشی پہلی مرتبہ چراگاہ پر لے جائے جاتے ہیں۔ اس دن وہ کیک کسان کے تھیلے میں ڈال دیا جاتا ہے اور شام کو ذرا ذرا سا تمام مویشیوں کو کھلا دیا جاتا ہے تاکہ وہ جادو ٹونے اور مصیبت سے بچے رہیں۔ بعض مقامات میں جو کی بوائی کے وقت بھرپور فصل پیدا کرنے کی غرض سے کرسمس کا یہ سور کشت زار کے ملازم اور مویشی دونوں کھاتے ہیں۔

حاصل بحث: اناج کی روح کے ان حیوانی مظاہر کے بارے میں جو شمالی یورپ کے عوامی رسم و رواج میں نظر آتے ہیں' ہمیں بس اسی قدر کہنا تھا۔ ان رسم و رواج میں فصل کے عشائیے کی متبرک حیثیت یا عشائی خصوصیت بالکل عیاں ہے۔ اناج کی روح کے متعلق یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ کسی جانور کا روپ دھارتی ہے۔ اس مقدس جانور کو ذبح یا ہلاک کردیا جاتا ہے اور اس کا خون اور گوشت فصل کاٹنے والے مزدور کھا لیتے ہیں۔ اسی طرح مرغا' خرگوش' بلی' بکری اور بیل بطور تبرک یا عشائے ربانی ان مزدوروں کے کھانے میں آجاتا ہے

CamScanner

اور سور بہار میں بالی بطور تبرک کھا لیتا ہے۔ نیز متبرک جانور کے اصل گوشت کی بجائے اس کی شکل کی روٹی یا ڈمپلنگ بطور تبرک کھائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ڈمپلنگ کے خنزیر نما ٹکڑوں کا تبرک دروگر فصل کی کٹائی پر اور اسی شکل کے نان بھاؤ کا تبرک (یول سور) قبلہ راں اور اس کے مویشی بوائی کے وقت کھاتے ہیں۔

آپ نے غالباً" غور کیا ہو گا کہ انسانی اور حیوانی روپ میں اناج کی روح کے تصورات کے درمیان کیسی کامل مطابقت پائی جاتی ہے۔ آیئے یہاں ان کی مطابقت پر ایک اجمالی نظر اور ڈالی جائے۔ اناج کے پودوں کو ہوا میں لہراتا دیکھ کر لوگ اسے یا تو ان ماتا کے گزرنے سے تعبیر کرتے ہیں یا اناج بھیڑیے وغیرہ کے۔ بچوں کو متنبہ کردیا جاتا ہے کہ وہ اناج کے کھیتوں میں مارے مارے نہ پھریں' اس لئے کہ ان میں یا تو ان ماتا ہوتی ہے یا اناج بھیڑیا۔ خیال ہے کہ اناج کی ان بالوں میں جو سب سے پیچھے کاٹی یا جھڑی گئی ہوں یا تو ان ماتا موجود ہوتی ہے یا اناج بھیڑیا وغیرہ۔ آخری پولی کو خود یا تو ان ماتا کہا جاتا ہے یا اناج بھیڑیا اور اس سے یا تو عورت کی شبیہ تیار کی جاتی ہے یا مصنوعی بھیڑیا وغیرہ۔ جو شخص آخری پولی باندھتا' کاٹتا یا جھڑتا ہے وہ اس کے نام کے لحاظ سے جو خود اس پولی کو عطا کیا جائے یا تو بڑھیا کہلاتا ہے یا بھیڑیا وغیرہ۔ جس طرح بعض مقامات پر اناج کی پولی سے آدمی کا پتلا بنا کر اسے کنواری' مکئی کی ماں وغیرہ کہا جاتا ہے اور اسے ایک فصل سے دوسری فصل تک محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ اناج کی روح کی برکتوں کا سلسلہ جاری رہے۔ اسی طرح بعض مقامات پر اسی مقصد سے ایک فصل کا مرغا اور بعض دوسرے مقامات پر ایک فصل کی بکری کا گوشت ایک فصل سے دوسرے فصل تک سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔ جس طرح بعض مقامات پر ان ماتا کا دانہ فصل کے لئے اناج کے بیج کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے اسی طرح بعض دوسرے مقامات پر مرغ کے پر اور سویڈن میں "یول سور" کو بہار تک محفوظ رکھا جاتا ہے اور اناج کے بیج میں ملا دیا جاتا ہے۔ جس طرح ان ماتا یا دوشیزہ فصل کا ایک جزو کرسمس پر مویشی کو یا کھیت کی ابتدائی جتائی پر گھوڑوں کو کھلایا جاتا ہے' اسی طرح "یول سور" کا کچھ حصہ بہار میں ان گھوڑوں یا بیلوں کو دیا جاتا ہے جو ہل میں جوتے جائیں۔ نیز اناج کی روح کے انسانی یا حیوانی نمائندوں کے قتل کا ڈھونگ اس روح کی موت کی تمثیل ہے اور اس کے پرستار یا تو اپنے معبود کے مظاہر کا متبرک جسم اور خون فی الحقیقت کھاتے یا پیتے ہیں' یا ایسی روٹی بہ طور تبرک کھاتے ہیں جو اس کی شبیہ پر مشتمل ہو۔

CamScanner

وہ دوسرے جانور جن کی صورت روح اختیار کرتی ہے' لومڑی' بارہ سنگا' آہو' بھیڑ' ریچھ' چوہا' بٹیر' لق لق' راج ہنس' اور چیل ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اناج کی روح کے متعلق ایسا کیوں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ایسے مختلف جانوروں کے روپ میں ظاہر ہوا کرتی ہے تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اناج کے پودوں میں سے کسی جانور یا پرندے کا محض برآمد ہونا ہی غیر مہذب انسان کے ذہن میں اناج اور جانور کے درمیان کسی مخفی رشتے کا تصور پیدا کرنے کے لئے کافی ہے اور اس امر کے پیش نظر کہ اگلے زمانے میں جب کھیتوں کی احاطہ بندی کا رواج نہیں تھا تو ان میں ضرور بھانت بھانت کے جانور چکر کاٹتے ہوں گے۔ لہٰذا کوئی تعجب کی بات نہیں جو اناج کی روح کو اور تو اور گھوڑے اور گائے جیسے بڑے جانوروں پر بھی محمول کیا جاتا ہو' جو جدید انگلستان کے کسی کھیت میں شاید ہی کبھی نظر آتے ہوں۔ جانور کی صورت میں اناج کی روح کے تصور کی یہ توجیہہ اس عام عقیدے پر خصوصیت کے ساتھ صادق آتی ہے کہ اس کا حیوانی مظہر کھیت کے بن کٹے آخری چند پودوں میں دبکا یا چھپا رہتا ہے۔ اس لئے کہ جب فصل کٹتی ہے تو عموماً" خرگوش اور تیتر جیسے جنگلی جانور بھاگ کر کھیت کے اس آخری ٹکڑے میں پناہ لیتے ہیں' جس کی کٹائی باقی ہو اور جب یہ بھی کٹنے لگتا ہے تو وہ وہاں سے بھی بھاگ کر بچ نکلتے ہیں۔ یہ صورت اس قدر باقاعدگی کے ساتھ پیش آتی ہے کہ دروگر اور دوسرے لوگ کھیت کے آخری بن کٹے ٹکڑے کے گرد لاٹھیں اور بندوقیں لئے تیار کھڑے رہتے ہیں تاکہ جب جانور اناج کے ڈنٹھلوں کی اس آخری پناہ گاہ سے تڑپ کر نکلے تو اسے مار ڈالیں۔ اب غیر متمدن انسان کو جس کے نزدیک ہیئت کی سحری تبدیلیاں قطعاً" قرین عقل اور قابل اعتبار ہوتی ہیں' یہ بات فطرت کے عین مطابق معلوم ہوتی ہے کہ جب اناج کی روح کو تیار دانے میں اس کے آخری مسکن سے بھگایا جائے تو وہ اس جانور کی صورت میں راہ فرار اختیار کرے جو دروگر کی درانتی کے بچے کھیت کے آخری ٹکڑے میں سے جھپٹ کر نکلتا نظر آتا ہو۔ اس طرح اناج کی روح کے کسی حیوانی روپ کا یہ تصور اس کے متعلق اس تصور کے مماثل ہے جس کے مطابق وہ کسی راہ چلتے اجنبی کا روپ دھارتی ہو۔ جس طرح جاہل ذہن کے لئے کٹائی کے زمانے میں کسی اجنبی کا کھیت یا کھلیان کی طرف اچانک آنکلنا اس کو اناج کی خاناں خراب روح قرار دینے کے لئے کافی ہے' اسی طرح کسی جانور کا بھی درو شدہ اناج سے اچانک نکل بھاگنا اناج کی اس روح سے تعبیر کرنے کے لئے کافی ہے جو اپنے برباد شدہ گھر سے بچ نکلی ہو۔ اناج کی روح

CamScanner

کے یہ دونوں تصورات ایک دوسرے سے اس قدر مطابقت رکھتے ہیں کہ ان کی تفہیم کی کسی
کوشش میں انہیں علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

اکیسواں باب

روح کے خطرات

جس طرح وحشی بالعموم فطرت کی بے جان اشیاء کے ظہور کو ان ذی حیات موجودات کے عمل کا نتیجہ سمجھتا ہے' جو مظاہر عالم میں یا ان کی پشت پر کارفرما ہیں' اسی طرح وہ ذی حیات مظاہر کی بھی توجیہہ کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر کوئی جانور سانس لیتا اور حرکت کرتا ہے تو اس کا سبب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے جسم کے اندر کوئی چھوٹا سا جانور موجود ہے جو اسے حرکت دیتا رہتا ہے۔ جانور کے اندر جو جانور یا آدمی کے اندر جو آدمی ہوتا ہے وہ اس کی روح سے عبارت ہے اور جس طرح جانور یا آدمی کے عمل کو جسم میں روح کی موجودگی کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح نیند اور موت کو اس کی غیرموجودگی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ نیند یا سکتہ روح کا عارضی طور پر جسم سے جدا ہونا ہے اور موت مستقل طور پر۔ لہذا موت اگر جسم سے روح کی مستقل جدائی کا نام ہے تو اس سے محفوظ رہنے کی صورت یہ ہے کہ روح کو جسم سے نکلنے سے روکا جائے' اور اگر نکل ہی جائے تو اسے واپس لانے کی کوئی یقینی تدبیر اختیار کی جائے۔ وحشی ایسے کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جو احتیاطی تدبیریں اختیار کرتا ہے وہ بعض امتناعوں یا ٹیبوؤں کی صورت اختیار کرلیتی ہیں۔ یہ ٹیبو محض ایسے ضوابط سے عبارت ہیں جن سے روح کو جسم میں یا تو مستقل طور پر موجود رکھنا مقصود ہے یا واپس لانا۔ دوسرے لفظوں میں وہ جان کے محافظ ہیں۔ ان کلیوں کی اب مثالوں کے ذریعے وضاحت کی جائے گی۔

ایک یورپی مبلغ نے چند آسٹریلوی وحشیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا "میں ایک نہیں ہوں بلکہ دو ہوں۔" یہ سن کر وہ ہنس پڑے۔ "تم جتنا چاہو ہنس لو" اس مبلغ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا' "میں تم سے کہتا ہوں کہ میں ایک کے اندر دو ہوں۔ یہ میرا بڑا سا جسم بھی جو تمہیں نظر آتا ہے ایک ہے لیکن اس کے اندر ایک ننھا سا جسم بھی ہے جو دکھائی نہیں دیتا۔ یہ بڑا جسم مرجاتا ہے اور سپرد خاک کردیا جاتا ہے' لیکن اس بڑے جسم کے

مرتے وقت چھوٹا جسم پرواز کر جاتا ہے۔" اس پر بعض وحشیوں نے کہا "ہاں' ہاں! ٹھیک ہے' ہم بھی دو ہیں۔ ہمارا بھی ایک چھوٹا سا جسم سینے کے اندر چھپا ہے۔" جب ان سے پوچھا گیا کہ موت کے بعد ان کا وہ چھوٹا سا جسم کہاں جاتا ہے تو ان میں سے بعض نے کہا کہ پہاڑی کے پیچھے' بعض نے کہا کہ سمندر میں اور بعض نے کہا کہ انہیں خبر نہیں۔ ہورانوں (جنوبی امریکہ کے باشندوں کا ایک قبیلہ) کا خیال تھا کہ روح کے سر' جسم' ہاتھ' پاؤں سب کچھ ہیں اور وہ آدمی کا ایک چھوٹا سا مکمل نمونہ ہے۔ اسکیموؤں کا عقیدہ ہے کہ "روح کی ہیئت اس جسم کی سی ہوتی ہے' جس سے اس کا تعلق ہو' لیکن اس کا بدن نسبتاً لطیف اور رقیق قسم کا ہوتا ہے۔" نونکاؤں کے نزدیک روح کی شکل و صورت بونے کی سی ہے۔ اس کا مرکز آدمی کی چندیا ہے' لیکن اگر کسی وجہ سے وہ سیدھی کھڑی نہ رہ سکے تو آدمی کے ہواس جاتے رہتے ہیں۔ دریائے فریزر کے نچلے علاقے کے امریکی قبیلوں کے نزدیک آدمی کی چار روحیں ہیں' جن میں سے اصل روح بونے سے ملتی جلتی ہے اور باقی تین پرچھائیاں ہیں۔ ملایا والے انسان کی روح کو انگوٹھے کے برابر ایک بالشتیا تصور کرتے ہیں جو رنگ' روپ اور تناسب کے اعتبار سے ٹھیک اس جسم سے مطابقت رکھتا ہے جس میں وہ رہتا ہو۔ یہ بالشتیا رقیق قسم کی ایک ایسی چیز ہے جو محسوس کی جا سکتی ہے لیکن اس کے کسی مادی شے میں داخل ہونے سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور جو ایک جگہ سے دوسری جگہ تیزی سے منتقل ہو سکتی ہے۔ وہ سکتے' نیند اور بیماری میں عارضی طور پر غائب رہتا ہے اور موت کے بعد مستقل طور پر۔

بالشتیا اور آدمی یا دوسرے لفظوں میں روح اور جسم ایک دوسرے سے اس قدر قریبی مشابہت رکھتے ہیں کہ جس طرح بھاری بھرکم جسم ہوتے ہیں اسی طرح بھاری بھرکم یا دبلی پتلی روحیں بھی ہوتی ہیں۔ اسی صورت سے جس طرح وزنی' ہلکے' لمبے اور چھوٹے جسم ہوتے ہیں' اسی طرح بھاری' ہلکی' لمبی اور چھوٹی روحیں بھی ہوتی ہیں۔ جزیرہ نیاس والوں کا خیال ہے کہ ہر شخص سے اس کے پیدا ہونے سے پہلے پوچھا جاتا ہے کہ اسے کتنی لمبی اور کتنی بھاری روح چاہیے اور وہ جس قدر بھاری اور لمبی روح چاہتا ہے وہ اسے مل جاتی ہے۔ بھاری سے بھاری روح جو کسی کو ملتی ہے وہ تقریباً دس گرام کی ہوتی ہے۔ آدمی کی عمر اتنی ہی لمبی ہوتی ہے جتنی لمبی اس کی روح ہو' جو بچے مر جاتے ہیں وہ پست قامت روح لے کر آتے ہیں۔ فیجیوں کے ذہن میں روح کے بونے کا جو تصور ہے وہ ان رسموں سے واضح ہے

جو نائیلو نام کے قبیلے میں جاری ہیں۔ اس قبیلے میں جب کوئی سردار مرجاتا ہے تو اس کی میت کو تیل مل کر اور زیور پہنا کر نفیس چٹائیوں پر لٹا دیا جاتا ہے اور چند خاص آدمی جن کا موروثی پیشہ جنازہ برداری ہے' اس سے چیخ کر یہ کہتے ہیں "سردار صاحب! اٹھیے بس اب چلیں کہ آفتاب لب بام آچکا ہے۔" پھر وہ اسے دریا پر لے جاتے ہیں جہاں روحوں کا ناخدا آن کر نائیلوؤں کی روحوں کو دریا کے پار لے جاتا ہے۔ اس طرح جب وہ اپنے سردار کو اس کی آخری منزل تک لے جاتے ہیں تو اپنے پنکھوں کو زمین سے لگائے رکھتے ہیں تاکہ اس پر سایہ کئے رہیں' اس لئے جیسا کہ ان میں سے ایک آدمی نے ایک مسیحی مبلغ کو سمجھایا' "اس کی روح ننھی سی جان ہے۔" پنجاب میں جو لوگ اپنے جسموں پر تصویریں کھدواتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ ان کے مرنے پر روح یعنی "وہ ننھا سا آدمی یا ننھی سی عورت" جو تن خاکی کے اندر ہوتی ہے' انہی نقش و نگار کے ساتھ آسمان پر جائے گی جو زندگی میں اس کے بدن کی زینت رہے ہوں۔ تاہم بعض صورتوں میں' جیسا کہ آگے چل کر ہم دیکھیں گے' انسانی روح کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ اس کی شکل و صورت انسان کی بجائے جانور کی سی ہوتی ہے۔

روح کی غیر حاضری اور طلبی

روح کے متعلق بالعموم یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ جسم کے قدرتی چھیدوں' خاص کر منہ اور نتھنوں کے راستے بچ نکلتی ہے۔ لہٰذا سیلبیز میں بعض اوقات مچھلی پکڑنے کا کانٹا بیمار کے نتھنوں' ناف اور پاؤں سے باندھ دیا جاتا ہے تاکہ اگر اس کی روح بچ نکلنے کی کوشش کرے تو اس کانٹے میں اٹک کر رہ جائے۔ بورنیو میں دریائے بارام کے نواح میں رہنے والا ایک نیورک چند پتھروں کو جو آنکڑے سے ملتے جلتے تھے' اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا' کیونکہ ان پتھروں نے اس کی روح کو بدن میں اٹکا رکھا تھا اور اس طرح ان کی بدولت اس کا روحانی حصہ جسمانی حصے سے علیحدہ نہیں ہونے پاتا تھا۔ جب کسی بگری وانگ کو ساحر یا طلسم گر بنایا جاتا ہے تو خیال ہے کہ اس کی انگلیوں میں آنکڑے لگ جاتے ہیں' جن سے وہ ساحر بننے کے بعد انسان کی روح کو اڑتے میں پکڑ لیتا ہے اور مرنے والے کے جسم میں پھیر دیتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آنکڑوں کو دوست اور دشمن دونوں کی روحوں کو پکڑنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس اصول پر عمل کرتے ہوئے بورنیو کے سر شکار اپنے مقتول دشمنوں کی

کھوپڑیوں کے برابر چوبی آنکڑے ٹانگ دیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس تدبیر سے انہیں اپنی یلغاروں میں نئے سر اتار کر لانے میں مدد ملے گی۔ ہیڈا کے طلسم گر کے اوزاروں میں ایک ہڈی شامل ہوتی ہے جس میں وہ رخصت ہونے والی روحوں کو بند کر لیتا ہے اور جن لوگوں کے جسموں سے وہ نکلی ہوں ان میں واپس ڈال کر انہیں دوبارہ زندہ کر دیا جاتا ہے۔ ان کے بندووں کے سامنے اگر کوئی جمائی لے لے تو وہ اس کا انگوٹھا ضرور چٹکا دیں گے۔ ان کے عقیدے کے بموجب ایسا کرنے سے روح منہ کے راستے نکلنے نہیں پائے گی۔ مار کوئی سائی (جزائر واشنگٹن کے باشندے) آدمی کے مرتے وقت اس کا منہ اور نتھنے بند کر دیا کرتے تھے تاکہ اس کا دم نہ نکلنے پائے۔ کہا جاتا ہے کہ نیو کیلے ڈونیا والوں کے ہاں بھی یہی دستور تھا۔ نیز اسی مقصد سے فلپائن کے باگوبو بیماروں کے پہنچوں اور ٹخنوں میں پیتل کے کڑے پہنا دیا کرتے ہیں۔ ادھر جنوبی امریکہ کے آئی ٹوناما مرنے والے شخص کی آنکھ، ناک اور منہ پر مہر لگا دیتے ہیں کہ کہیں اس کی روح نکل کر اپنے ساتھ دوسروں کی روحوں کو بھی نہ نکال لے جائے۔ کچھ اسی وجہ سے جزیرہ نیاس والے، جو تازہ مردوں کی روحوں کو سانس سمجھتے ہیں اور ان سے بہت خائف رہتے ہیں، مردے کے نتھنوں میں ڈاٹ لگا کر یا جبڑوں کو باندھ کر اس کی آوارہ روح کو تن خاکی میں بند رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آسٹریلیا کے واکل برا یہ کیا کرتے تھے کہ کسی میت کو چھوڑ کر جانے سے پہلے گرم گرم کوئلے اس کے کانوں میں رکھ دیتے تاکہ اس کی روح جسم میں رہے اور وہ وہاں سے اس طرح چمپت ہو جائیں کہ روح انہیں نہ پا سکے۔ جنوبی سیلیبیز میں دائی زچہ کے جسم سے ایک پٹی خوب کس کے لپیٹ دیتی ہے، تاکہ زچگی میں اس کی روح نکلنے نہ پائے۔ سماٹرا کے مناتگ کباپوروں کے ہاں بھی ایسا ہی ایک دستور جاری ہے۔ وہ بعض اوقات دھاگے یا ڈور کا لچھا زچہ کے پہنچے یا پنڈوں سے لپیٹ دیتے ہیں تاکہ دردزہ میں جب اس کی روح پرواز کرنے کی کوشش کرے تو اسے باہر نکلنے کا راستہ نہ ملے۔ اور سیلیبیز کے الفوروں کے ہاں جب کوئی بچہ ہوتا ہے تو اس خوف سے کہ کہیں اس کے پیدا ہوتے ہی اس کی روح بچ کر نکل نہ جائے، بڑی احتیاط سے گھر کے سارے کھلے ہوئے، حتیٰ کہ یہاں تک کہ تالے کا منہ بھی بند کر دیتے ہیں۔ نیز گھر کے اندر اور باہر تمام جانوروں کے منہ باندھ دئے جاتے ہیں کہ مبادہ بچے کی روح کو کوئی جانور نگل لے۔ کچھ اسی وجہ سے زچگی کے دوران میں تمام وقت گھر میں زچہ سمیت سب لوگوں کو اپنے منہ بند رکھنے پڑتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ انہوں نے اپنی ناکوں کو کیوں کھلا

چھوڑ دیا' جو بچے کی روح ان کے راستے داخل ہو جاتی؟ اس پر انہوں نے یہ جواب دیا کہ نتھنوں کے ذریعے چونکہ سانس جسم میں آتا بھی رہتا ہے اور جسم سے نکلتا بھی رہتا ہے' اس لئے اگر روح نتھنوں کے راستے داخل ہو تو فوراً خارج بھی ہو جائے گی اور جسم میں ٹکنے کا موقع نہیں ملے گا۔ مہذب قوموں کی زبانوں میں جو 'ناک میں دم ہونا' یا 'جان پہ لب ہونا' وغیرہ جیسے محاورے پائے جاتے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ روح کے منہ یا نتھنوں سے بچ نکلنے کا تصور کس قدر قدرتی چیز ہے۔

اکثر صورتوں میں روح کو ایک ایسا طائر تصور کیا جاتا ہے کہ جو قفسِ عنصری سے پرواز کرنے کے لئے ہر دم پر تولے رہتا ہو۔ اس تصور کے نقش غالباً بیشتر زبانوں میں موجود ہیں اور شاعرانہ استعاروں میں وہ آج بھی ملتا ہے۔ ملایا والوں کے ہاں اس تصور کی بنا پر بہت سی رسمیں جاری ہو گئی ہیں۔ اگر روح ایک اڑتی چڑیا ہے تو اسے چاول کے دانے ڈال کر پھسلایا جاسکتا ہے اور اس طرح یا تو اڑنے سے روکا جاسکتا ہے یا اگر وہ اڑ گئی ہو تو جل دے کر واپس بلایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جاوا میں جب بچے کو پہلی مرتبہ زمین پر چھوڑا جاتا ہے (یہ وہ وقت ہے جسے غیر مہذب لوگ خاص طور پر خطرناک خیال کرتے ہیں) تو اسے مرغیوں کی ٹوکری میں بند کر دیا جاتا ہے اور اس کی ماں اس طرح کٹ کٹ کرنے لگتی ہے جیسے وہ مرغیوں کو بلاتی ہو۔ بورنیو کے ضلع سن ٹانگ میں جب کوئی آدمی' عورت یا بچہ کسی مکان یا درخت پر سے گر پڑے اور اسے گھر لایا جائے تو اس کی بیوی یا رشتے کی کوئی اور عورت انتہائی تیزی سے اس مقام پر پہنچتی ہے جہاں وہ حادثہ پیش آیا ہو اور چاول کے رنگے ہوئے زرد دانے یہ کہتے ہوئے بکھیر دیتی ہے' "کٹ! کٹ! روح! فلاں فلاں شخص اپنے گھر میں ہے' کٹ! کٹ! روح!" پھر وہ ان سب چاولوں کو سمیٹ کر ایک ٹوکری میں رکھ لیتی ہے اور انہیں زخمی کے پاس لے جا کر اپنے ہاتھ سے دانہ دانہ اس کے سر پر گراتی ہے جس کے ساتھ ساتھ پھر یہ دہراتی جاتی ہے "کٹ! کٹ! روح!۔" اس دستور کا مقصد بھی صریحاً یہ ہے کہ روح کی بھٹکتی چڑیا کو دانہ ڈال کر واپس بلایا جائے اور اسے متعلقہ شخص کے سر میں لوٹا دیا جائے۔

سوتے آدمی کی روح کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے جسم سے نکل کر آوارہ گردی کرتی ہے اور سچ مچ ان مقامات پر پہنچتی ہے' لوگوں سے ملتی ہے' اور سارے وہ کام کرتی ہے جو اس آدمی کو خواب میں نظر آتے ہوں۔ مثلاً جب برازیل یا گیانا کا کوئی وحشی

گہری نیند سے جاگتا ہے تو اسے اس بات کا پورا یقین ہوتا ہے کہ اس کی روح مچھلی یا کسی اور چیز کا شکار، درخت کی کٹائی یا جو کچھ بھی اس نے اپنے آپ کو خواب میں کرتے دیکھا ہو، وہ سچ مچ کر آئی ہے، اور اس دوران میں اس کا جسم بے حس و حرکت اپنے بھولن کھٹولے میں پڑا رہا۔ بوروروؤں (ایک برازیلی قوم) کے ایک گاؤں میں کسی نے خواب میں یہ دیکھ لیا کہ دشمن چپکے سے آن پہنچے ہیں۔ اس سے سب لوگوں میں سراسیمگی پھیل گئی اور گاؤں خالی ہو گیا۔ امریکہ کی ماکوسی قوم کے ایک آدمی نے، جو بہت کمزور تھا، یہ خواب دیکھا کہ اس کے آقا نے اسے دشوار گزار آبشاروں سے ڈونگی کھینچ کر لانے پر لگایا ہے۔ اگلے دن صبح اس نے اپنے آقا کو اس بات پر بہت سخت سست کہا کہ وہ ایک غریب بیمار کا کوئی خیال کیے بغیر اس سے رات کے وقت مشقت اٹھواتا رہا۔ گرین چاکو کے باشندوں سے اکثر نہایت لغو قصے سنے گئے ہیں جنہیں وہ چشم دید واقعات بتاتے ہیں۔ جو اجنبی ان لوگوں سے اچھی طرح واقف نہ ہوں وہ ان قصوں کو سن کر فوراً انہیں جھوٹا قرار دیتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں انہیں اس کی صداقت پر پورا پورا یقین ہوتا ہے، کیونکہ یہ مبالغہ آمیز قصے محض ان کے خواب کی باتیں ہیں جو ان کے نزدیک بیداری کے مشاہدات کی طرح صحیح ہیں۔

نیند میں بھی روح کی غیر حاضری خطروں سے خالی نہیں، اس لئے کہ اگر وہ کسی وجہ سے مستقل طور پر جسم سے دور کہیں رکی رہ گئی تو اس شخص کی موت لازمی ہے جو اس طرح اپنی قوت حیات سے محروم ہو جائے۔ جرمنوں کے ہاں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ روح سوتے آدمی کے دہن سے سفید چوہیا یا چڑیا کی شکل میں پھدک کر نکل آتی ہے اور اس چوہیا یا چڑیا کی واپسی میں کوئی رکاوٹ سونے والے کے لئے مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ٹرانسلوینیا میں لوگ کہا کرتے ہیں کہ سوتے میں بچے کا منہ کھلا نہیں رہنا چاہیے ورنہ اس کی روح چوہیا بن کر بھاگ نکلے گی اور بچہ کبھی نہیں جاگ پائے گا۔ نیند کی حالت میں روح کے غائب ہو کر رکے رہنے کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک خفتہ آدمی کی روح کی کسی اور خفتہ آدمی کی روح سے مڈبھیڑ ہو سکتی ہے اور ان دونوں روحوں کی آپس میں لڑائی ہو سکتی ہے۔ اگر گنی کا کوئی حبشی صبح جوڑوں میں درد لے کر اٹھے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ نیند میں اس کی روح کی کسی اور روح نے پٹائی کی ہے۔ یا پھر یہ ہو سکتا ہے کہ سونے والے کی روح کی کسی ایسے شخص کی روح سے ملاقات ہو جائے جو حال میں مرا ہو اور وہ، اسے اپنے ساتھ لے کر چلی جائے۔ اسی وجہ سے جزائر آرو (شرق الہند) میں کسی کے گھر میں کوئی مر

CamScanner

جائے تو گھر کے لوگ اس کے بعد آنے والی رات کو سویا نہیں کرتے' کیونکہ ان کے خیال میں متوفی کی روح اس وقت تک گھر میں موجود ہوتی ہے' اور انہیں یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں وہ ان کے خواب میں نہ آجائے۔ اس کے علاوہ کسی سوتے آدمی کی روح کی واپسی میں کوئی حادثہ یا طبعی قوت حائل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ جب کوئی داتک خواب میں اپنے آپ کو پانی میں گرتا دیکھ لیتا ہے تو وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ حادثہ اصل میں اس کی روح کو پیش آیا ہے اور وہ کسی جادوگر کو بلا بھیجتا ہے۔ جادوگر آن کر پانی کے تسلے میں ایک دستی جال ڈالتا ہے اور اس کی روح کو پکڑ کر اس کے جسم میں لوٹا دیتا ہے۔ سانتال ایک آدمی کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ سوتے میں اس کی روح کو جو پیاس لگی تو وہ چھپکلی بن کر اس کے جسم سے نکل آئی اور اپنی پیاس بجھانے کے لئے ایک ٹھلیا میں گھس گئی۔ لیکن اتفاق سے عین اس وقت ٹھلیا کے مالک نے اسے ڈھانپ دیا۔ اس طرح روح اس آدمی کے جسم میں واپس نہ ہو سکی اور وہ سوتے کا سوتا ہی رہ گیا۔ جب اس کے دوست اور رشتے دار اس کی لاش کو جلانے لگے تو کسی نے پانی لینے کے لئے ٹھلیا پر سے ڈھکنا ہٹا دیا اور چھپکلی اس میں سے نکل کر اپنے جسم میں واپس چلی گئی اور اس میں فوراً جان پڑ گئی۔ وہ آدمی اٹھ بیٹھا اور اپنے دوستوں اور رشتے داروں سے ان کے رونے کا سبب پوچھنے لگا۔ انہوں نے اسے بتایا کہ وہ اسے مردہ سمجھے ہوئے تھے اور اس کی لاش کو جلانے والے تھے۔ اس نے کہا کہ وہ پانی پینے ٹھلیا کے اندر گیا ہوا تھا لیکن اس میں سے واپس نہیں نکل سکتا تھا اور یہ کہ وہ ابھی ابھی لوٹا ہے۔ یہ سب ان کا چشم دید واقعہ ہے۔

غیر مہذب لوگوں کا یہ ایک عام دستور ہے کہ وہ سوتے کو جگایا نہیں کرتے' کیونکہ نیند میں اس کی روح اس سے دور ہوتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کے جاگتے جاگتے وہ لوٹ نہ پائے۔ اس طرح اگر خفتہ آدمی اپنی روح کے بغیر بیدار ہو جائے تو وہ بیمار پڑ جاتا ہے۔ اور اگر اس کا جاگنا نہایت ضروری ہو تو اسے رفتہ رفتہ جگانا چاہیے تاکہ روح کو واپسی کی مہلت مل جائے۔ جزائر فجی میں ماتوکو کے ایک آدمی کی ذرا آنکھ لگی تھی کہ اس پر کسی کا پاؤں پڑ گیا' وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور اپنی روح کو پکار پکار کر اور گڑگڑا کر واپس بلانے لگا۔ وہ عین اس وقت یہ خواب دیکھ رہا تھا کہ وہ وہاں سے دور ٹانگا میں پہنچا ہوا ہے' اور اس طرح اچانک جاگ کر اپنے آپ کو ماتوکو میں پایا تو بے حد سراسیمہ ہوا اور اسے اپنی موت سر پر کھڑی نظر آئی جس

سے بچنے کی صرف یہ صورت تھی کہ اس کی روح کو بہلا پھسلا کر جلد از جلد سمندر پر سے واپس بلایا لیا جائے۔ اگر ایک عیسائی مبلغ اس کی تسکین قلب کے لئے اس وقت وہاں موجود نہ ہوتا تو وہ شخص شاید دہشت سے مرجاتا۔

غیر مہذب آدمی کے نزدیک سوتے کو اس کی جگہ سے ہٹانا یا اس کی شکل بدلنی اور بھی خطرناک ہے' کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو روح واپسی پر اپنے جسم کو نہیں پا سکے گی یا پہچان نہیں سکے گی اور اس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ یمانگ کیاور سوتوں کے چہروں پر کالک ملنا یا انہیں گندہ کرنا نہایت نامناسب سمجھتے ہیں۔ وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں غیرحاضر روح اپنے مسخ شدہ جسم میں داخل ہونے سے گریز نہ کرے۔ ملایا کے پاتانیوں کے خیال کے مطابق سوتے میں اگر کسی شخص کا چہرہ رنگ دیا جائے تو اس کی روح جو اس وقت اس کے جسم سے باہر گئی ہوتی ہے' اسے پہچان نہیں سکے گی' اور جب تک اس کا منہ نہ دھویا جائے وہ پڑا سوتا ہی رہے گا۔ بمبئی میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سوتے ہوئے آدمی کے چہرے پر طرح طرح کے رنگ مل کر یا عورت کے چہرے پر مونچھیں لگا کر اس کا حلیہ بگاڑنا بہ منزل قتل کے ہے' اس لئے کہ جب روح لوٹے گی تو اپنے جسم کو شناخت نہیں کر سکے گی اور سونے والا مر جائے گا۔

لیکن کسی آدمی کے جسم سے اس کی روح کے جدا ہونے کے لئے اس کا نیند میں ہونا ضروری نہیں' وہ بیداری میں بھی اس کے جسم سے علیحدہ ہو سکتی ہے' جس کا نتیجہ اس آدمی کی بیماری' دیوانگی یا موت ہوتا ہے۔ چنانچہ آسٹریلیا میں وورین جیری قبیلے کے ایک آدمی پر نزع کی کیفیت طاری ہو گئی' کیونکہ اس کی روح اس سے رخصت ہو چکی تھی۔ ایک طلسم گر اس کی روح کے پیچھے روانہ ہوا اور راستے ہی میں اسے عین اس وقت جا پکڑا جب وہ پھولتی شفق یعنی اس روشنی میں غائب ہونے والی تھی جو مغرب میں' جہاں آفتاب غروب ہوتا ہے' عالم اسفل سے نکلتی ہوئی روحیں ڈال دی جاتی ہیں۔ اس اڑتی روح کو پکڑ کر اور اسے اپنی اپوسم کی کھال میں چھپائے وہ ماہر فن بیمار کے پاس پہنچا اور اس پر پڑ کر روح کو اس کے جسم میں دوبارہ داخل کر دیا اور کچھ دیر بعد وہ آدمی دوبارہ زندہ ہو گیا۔ برما کے کارینوں کو یہ تردد رہتا ہے کہ کہیں ان کی روحیں انہیں مرتا چھوڑ کر آوارہ گردی کے لئے نہ چلی جائیں۔ چنانچہ ان میں جب کسی آدمی کو یہ خوف ہو کہ اس کی روح یہ مہلک قدم اٹھانے والی ہے تو

اسے روکنے یا واپس لانے کے لئے ایک رسم ادا کی جاتی ہے' جس میں سارے کنبے کو حصہ لینا پڑتا ہے۔ اس میں کھانا تیار کیا جاتا ہے جو ایک مرغ اور ایک مرغی' خاص قسم کے چاول اور کیلے کی گیبل پر مشتمل ہوتا ہے۔ پھر صدر خاندان وہ پیالہ لیتا ہے جس میں چاول کی پیچ نکالی جاتی ہے اور اسے گھر کی سیڑھی کی انی پر تین مرتبہ مار کر یہ کہتا ہے "پروا لوٹ آ روح! باہر نہ ٹھہر' بارش میں بھیگ جائے گی' دھوپ میں تپ جائے گی' تجھے مچھر بھنبوڑ ڈالیں گے' جونکیں کاٹ کھائیں گی' شیر ہڑپ کر جائے گا' برق و رعد پیس کر رکھ دیں گے۔ پرو لوٹ آ۔ یہاں تجھے ہر طرح کا آرام رہے گا' ہر چیز میسر ہوگی۔ آ ہوا اور طوفان سے محفوظ رہ اور کچھ کھا پی لے۔" اس کے بعد کنبے کے سب لوگ مل کر وہ کھانا کھا لیتے ہیں۔ پھر ہر شخص اپنے داہنے پہنچے پر جادوگر کی دی ہوئی ایک طلسمی ڈوری باندھتا ہے' جس پر یہ رسم ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح شمال مغربی چین کے لولووں کا عقیدہ ہے کہ روح مزمن مرض میں آدمی کو چھوڑ جاتی ہے۔ اس صورت میں وہ ایک طولانی مناجات پڑھتے ہیں' جس میں روح کا نام لے کر اسے پکارا جاتا ہے اور اس سے التجا کی جاتی ہے کہ وہ پہاڑیوں' وادیوں' دریاؤں' جنگلوں' کھیتوں میں سے' یا جہاں کہیں پڑی پھر رہی ہو' وہاں سے لوٹ آئے۔ ساتھ ہی گھر کی دہلیز پر پانی' شراب اور چاول کے پیالے رکھ دیئے جاتے ہیں کہ تھکی ماندی روح آئے تو کھا پی کر تازہ دم ہو جائے۔ جب یہ رسم پوری ہو جاتی ہے تو روح کو قید رکھنے کے لئے بیمار کے بازو سے ایک سرخ ڈوری باندھ دی جاتی ہے۔ یہ ڈوری جب تک گھس گھسا کر گر نہیں جاتی' اسی طرح بندھی رہتی ہے۔

کانگو کے بعض قبیلوں کا عقیدہ ہے کہ جب کوئی شخص بیمار پڑتا ہے تو اس کی روح جسم کو چھوڑ جاتی ہے اور ادھر ادھر گھومتی پھرتی ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں جادوگر سے رجوع کیا جاتا ہے کہ آوارہ روح کو گرفتار کر لائے اور بیمار کے جسم میں لوٹا دے۔ عام طور پر جادوگر آن کر یہ اعلان کرتا ہے کہ اس نے روح کا بڑی کامیابی سے تعاقب کیا ہے اور وہ ایک درخت کی شاخ میں جا گھسی ہے۔ اس پر قصبے کے تمام لوگ نکل آتے ہیں اور جادوگر کی معیت میں اس درخت کے پاس پہنچتے ہیں۔ یہاں سب سے تگڑے آدمیوں کو چن کر اس شاخ کو توڑنے پر لگا دیا جاتا ہے' جس کے اندر روح گھس گئی ہو۔ یہ آدمی شاخ کو توڑ کر اسے اپنے کندھوں پر لادے قصبے کا رخ کرتے ہیں اور اپنی حرکات و سکنات سے یہ ظاہر

کرتے جاتے ہیں کہ ان پر بڑا بھاری بوجھ لدا ہوا ہے۔ جب وہ شاخ بیمار کے جھونپڑے پر پہنچادی جاتی ہے تو بیمار کو اس کے برابر سیدھا کھڑا کردیا جاتا ہے اور جادوگر کچھ عمل کرتا ہے جس کے اثر سے ان لوگوں کے عقیدے کے بموجب روح اپنے جسم میں واپس چلی جاتی ہے۔

سوماٹرا کے باتک سمجھتے ہیں کہ روح کی غیرحاضری سے آدمی بیمار' دہشت زدہ اور ناتواں ہوجاتا ہے اور مرجاتا ہے۔ سب سے پہلے وہ چاول کے دانے ڈال کر روح کو واپس لانے کی کوشش کرتے ہیں' پھر عام طور پر یہ شبد دہرائے جاتے ہیں: "اے روح! تو جنگل' پہاڑ یا وادی میں جہاں کہیں رہ گئی ہے' لوٹ آ۔ دیکھ میرے پاس تیرے لئے تونیعبرا براس ہے' راجا موئے لئے جا مرغی کا انڈا ہے' گیارہ صحت بخش پتے ہیں۔ اسے بن' پہاڑی اور وادی میں روکو نہیں۔ ایسا نہ ہونے پائے' اے روح! سیدھی گھر لوٹ آ۔" ایک دفعہ ایک سیاح جو لوگوں میں بہت مقبول تھا' ایک کایانی گاؤں سے اپنے سفر پر روانہ ہونے لگا تو مائیں اس خوف سے کہ کہیں ان کے بچوں کی روحیں اس کے ساتھ نہ چلی جائیں' ان تختوں کو اٹھا لائیں جن پر وہ اپنے شیرخوار بچوں کو لئے پھرتی ہیں اور اس سے یہ پرارتھنا کرنے کی التجا کی کہ بچوں کی روحیں اپنے اپنے تختوں کو لوٹ آئیں اور اس سیاح کے ساتھ لگ کر کسی دور دراز ملک کو نہ چلی جائیں۔ بچے کی آوارہ گرد روح کو باندھنے کے لئے ہر تختے سے ایک ایک پھندا لگا ہوا تھا' جس میں اس کی پھولی ہوئی انگلی ڈلوائی گئی تاکہ اس بات کا یقین کرلیا جائے کہ اس کی ننھی سی روح آوارہ گردی نہیں کرے گی۔

ایک ہندوستانی قصے میں ایک راجا اپنی روح کو ایک برہمن کی لاش میں منتقل کردیتا ہے اور خود اس کے خالی جسم میں ایک کبڑا اپنی روح کو۔ اس طرح کبڑا راجا اور راجا برہمن بن جاتا ہے۔ تاہم کبڑے کو اس بات پر آمادہ کیا جاتا ہے کہ وہ ایک مرے ہوئے طوطے میں اپنی روح ڈال کر اپنی مہارت کا ثبوت دے۔ ادھر راجا جو موقعے کی تاک میں رہتا ہے' اپنے جسم پر دوبارہ قبضہ کرلیتا ہے۔ اسی قسم کی ایک کہانی فروعی اختلاف کے ساتھ ملایا والوں کے ہاں بھی ملتی ہے' جو یوں ہے کہ کسی بادشاہ نے بلا کسی وجہ کے اپنی روح ایک بندر میں منتقل کردی۔ اس پر چالاک وزیر نے جھٹ اپنی روح بادشاہ کے جسم میں پہنچادی اور اس طرح سلطنت اور ملکہ کو ہتھیالیا۔ اس دوران میں اصلی بادشاہ بندر کے روپ میں بڑا غم کھاتا رہا۔

CamScanner

لیکن ایک دن نقلی بادشاہ' جو کھیلا کرتا تھا' مینڈھے لڑوا رہا تھا کہ وہ مینڈھا جس پر اس نے بڑی بازی لگائی تھی مارا گیا۔ اس میں جان ڈالنے کی بھتیری کوششیں کی گئیں' لیکن ایک بھی کارگر نہ ہوئی' تاآنکہ بنے ہوئے بادشاہ نے ایک سچے کھلاڑی کی طرح اپنی جان مینڈھے میں ڈال دی اور وہ جی اٹھا۔ اتنے میں اصلی بادشاہ جو موقع کی تلاش میں تھا' بڑی ہوشیاری سے اپنے پرانے جسم میں منتقل ہوگیا' جسے وزیر بے سوچے سمجھے چھوڑ گیا تھا۔ اس طرح بادشاہ تو اپنے اصلی روپ میں آگیا اور غاصب وزیر مینڈھا بنا کیفرکردار کو پہنچ گیا۔ ایسا ہی ہرموٹمس کے زومنے نامی ایک شخص کا یونانی قصہ ہے' جس کی روح اپنے جسم کو چھوڑ کر دور دور کی خبریں لاتی تھی' جنھیں وہ اپنے دوستوں کو سنایا کرتا۔ ایک دن اتفاق سے جب اس کی روح گھومتی پھر رہی تھی' دشمنوں نے اس کے جسم پر قبضہ کرلیا اور اسے جلا ڈالا۔

لیکن روح ہمیشہ اپنی مرضی سے جسم کو نہیں چھوڑتی' بلکہ بھوت پریت یا جادوگر بھی اسے زبردستی کھینچ سکتے ہیں۔ اسی لئے کارنوں کے ہاں جب کوئی جنازہ کسی گھر کے پاس سے گزرتا ہے تو بچوں کو ایک خاص ڈوری سے گھر کے کسی حصے کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے اور جب تک جنازہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوجاتا' بچے اسی طرح اس جگہ بندھے پڑے رہتے ہیں۔ جنازے کو قبر میں رکھ کر مٹی دینے سے پہلے مرنے والے کے سوگوار عزیز اور دوست احباب سب اپنے ایک ہاتھ میں ایک ایک چرا ہوا بانس لئے اور ایک میں ایک ایک چھوٹی سی لکڑی' قبر کے گرد قطار باندھ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ پھر ہر شخص اپنا اپنا بانس قبر میں ڈالتا جاتا ہے اور اس کی نالی میں سے لکڑی نکال نکال کر اپنی روح کو بتاتا جاتا ہے کہ اس طرح وہ قبر میں سے اوپر نکل آئے۔ جب پھاوڑے سے مٹی قبر میں ڈالی جاتی ہے تو بانسوں کو بڑے احتیاط سے ایک طرف رکھ دیا جاتا ہے کہ مبادا ان میں روحیں موجود ہوں اور ان کی غفلت سے مٹی کے ساتھ قبر میں دب جائیں۔ جس وقت وہ مدفن سے روانہ ہوتے ہیں تو اپنی روحوں سے ساتھ چلنے کی منتیں کرتے ہوئے ان بانسوں کو بھی لیتے جاتے ہیں۔ نیز وہاں سے لوٹتے ہوئے ہر کارن اپنے لئے تین چھوٹے چھوٹے چوبی ہک درختوں سے کاٹ لیتا ہے اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے اپنی روح کو ساتھ چلنے کے لئے للکارتے ہوئے اسے ہک پکڑنے کا اشارہ کرتا جاتا ہے۔ پھر اس ہک کو زمین میں گاڑ دیتا ہے۔ یہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ جیتوں کی روحیں مردوں کی روحوں کے ساتھ نہ رہ جائیں۔ سوماٹرا کے کاروباتک اپنے کسی

مردے کو دفن کرنے کے بعد اس پر مٹی ڈالنے لگتے ہیں تو ایک جادوگرنی ہوا میں لکڑی چلاتی ہوئی دوڑتی ہے کہ زندوں کی روح کو وہاں سے مار بھگائے' اس لئے کہ اگر ان میں سے کسی شخص کی روح قبر میں اتر گئی اور اس میں دب کر رہ گئی تو وہ مر جائے گا۔

جزائر لاطینی کے ایک تاپو اویا میں غالباً" مردوں کی روحوں کے بارے میں یہ عقیدہ تھا کہ وہ اپنے اندر زندوں کی روحوں کو اڑا لے جانے کی طاقت رکھتی ہیں۔ چنانچہ جب کوئی آدمی بیمار پڑتا تو وہ جادوگر جو روحوں کا ماہر ہوتا' بہت سے مردوں اور عورتوں کو لے کر قبرستان پہنچتا۔ یہاں روح کو لبھا کر گھر لوٹانے کے لئے مرد بانسریاں اور عورتیں آہستہ آہستہ سیٹیاں بجاتیں۔ کچھ دیر تک یہ ہوتا رہتا جس کے بعد روح کو ہتھیلیوں سے ہانکا دیتے ہوئے سب لوگ جلوس کی شکل میں گھر کی طرف روانہ ہوتے اور تمام راستہ مرد بانسریاں اور عورتیں سیٹیاں بجاتی چلتیں۔ پھر مریض کے گھر پہنچ کر بہ آواز بلند روح کو حکم دیا جاتا کہ وہ بیمار کے جسم میں واپس چلی جائے۔

اکثر صورتوں میں یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ بھوت پریت آدمی کی روح کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔ چنانچہ چینی' دوروں اور تشنج کی کیفیت کو بعض ایسی ارواح کی شرارت سمجھتے ہیں' جنہیں آدمیوں کی روحوں کو جسموں سے کھینچ نکالنے میں لطف آتا ہو۔ اماۓ میں اس قسم کی ارواح جو بچوں کی روحوں کے ساتھ یہ کارروائی کرتی رہتی ہیں "شہسوار فرشتوں" اور "فلک آشیاں ناموروں" کے شاندار القاب سے ملقب ہیں۔ جب کسی شیرخوار بچے پر تشنج کے دورے پڑ رہے ہوں تو اس کی ماں گھبرا کر چھت پر چڑھ جاتی ہے اور ایک بانس گھما گھما کر' جس سے بچے کا کوئی کپڑا بندھا ہوتا ہے' یہ الفاظ بہ آواز بلند دہراتی جاتی ہے "میرے بچے فلاں فلاں! لوٹ آ' گھر لوٹ آ!" اس دوران میں گھر کا کوئی اور فرد بھٹکتی روح کو متوجہ کرنے کے لئے' جس کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ اپنے لباس کو پہچان کر اس میں گھس جاتی ہے' ایک گھنٹے تک ضربیں لگاتا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ روح گرفتہ کپڑا بچے کو پہنا دیا جاتا ہے یا اس کے برابر رکھ دیا جاتا ہے۔ اگر بچہ مر نہ جائے تو اس کارروائی سے اس کا دیر یا سویر اچھا ہو جانا یقینی ہے۔ اسی صورت سے امریکہ کے بعض قدیم باشندے آدمی کی روح رفتہ کو اس کے بوٹ میں پکڑ کر لاتے ہیں اور اس بوٹ کو اس کے پاؤں میں پہنا کر اسے دوبارہ اس کے جسم میں ڈال دیتے ہیں۔

جزائر مولکا میں اگر کسی کا جی اچھا نہ ہو تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی روح کو کوئی بھوت اپنے کسی شجر یا پہاڑی ٹھکانے پر اڑا کر لے گیا ہے۔ کسی جادوگر سے اس بھوت کا ٹھکانا معلوم کرنے کے بعد مریض کے دوست احباب کچھ خشکہ' پھل' مچھلی' کچے انڈے' ایک مرغی' ایک چوزہ' ایک ریشمی عبا' سونا' بازو بند وغیرہ لئے وہاں پہنچ جاتے ہیں اور کھانے کی چیزیں ترتیب کے ساتھ رکھ کر ان الفاظ میں بھوت سے پرارتھنا کرتے ہیں: "اے بھوت! ہم یہ کھانا' کپڑا' سونا وغیرہ تیری نذر کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ تو یہ لے لے اور اس مریض کی روح کو رہا کردے' جس کے لئے ہم تجھ سے پرارتھنا کرتے ہیں۔ اسے مریض کے جسم میں واپس چلا جانے دے کہ جو اس وقت بیمار ہے وہ تندرست ہو جائے گا۔" پھر وہ تھوڑا سا کھانا کھا لیتے ہیں اور مرغی کو مریض کی روح کے فدیے کے طور پر کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ انڈے بھی وہیں رکھ دیتے ہیں' البتہ ریشمی عبا' سونا اور بازو بند اپنے ساتھ واپس لے آتے ہیں اور مریض کے گھر پہنچتے ہی ان چیزوں کو ایک اتھلواں برتن میں مریض کے سرہانے رکھ کر اس سے یہ کہتے ہیں "لو' اب تمہاری روح آزاد ہو گئی' تم ضرور اچھے ہو جاؤ گے اور بڑی عمر پاؤ گے۔"

جو لوگ پہلی مرتبہ نئے مکان میں داخل ہوتے ہیں' انہیں خاص طور پر بھوت پریت کا خوف ہوتا ہے۔ چنانچہ سیلبیز میں منہاسا کے الفوروں کے ہاں نئے گھر میں جانے کی جو تقریب ہوتی ہے اس میں گھر والوں کی روحوں کو واپس لانے کی غرض سے مذہبی پیشوا ایک رسم ادا کرتا ہے' جس میں وہ اس مقام پر جہاں بھینٹ چڑھائی جاتی ہے' ایک تھیلی لٹکا دیتا ہے اور پھر دیوتاؤں کی فہرست پڑھنی شروع کردیتا ہے۔ وہ اتنے سارے ہیں کہ لگاتار ان کے نام گنواتے گنواتے تمام رات گزر جاتی ہے۔ صبح کو وہ ایک انڈا اور کچھ چاول ان دیوتاؤں کی نذر کرتا ہے اور یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اس وقت تک گھر والوں کی ساری روحیں تھیلی میں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ چنانچہ پروہت تھیلی کو لے کر اسے گھر کے مالک کے سر پر پکڑے یہ کہتا ہے: "یہ رہی تمہاری روح' جا (روح) کل پھر چلی جا۔" اس کے بعد وہ گھر والی اور خاندان کے دوسرے افراد پر بھی یہی عمل دہراتا ہے۔ انہی الفوروں کے ہاں بیمار کو شفا بخشنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کی روح کو پکڑنے کے لئے ایک پیالہ تسمے کے ذریعے کھڑکی کے باہر لٹکا دیا جاتا ہے اور جب وہ اس میں آ پھنستی ہے تو اسے کھینچ لیا جاتا ہے۔ نیز انہی لوگوں

میں جب کوئی پروہت بیمار کی روح کو کپڑے میں پکڑے واپس لا رہا ہو تو اس پر ایک لڑکی خاص قسم کے کھجور کے ایک بڑے پتے کا چھتر کیئے اس کے آگے آگے چلتی ہے کہ کہیں بارش ہو تو وہ روح سمیت بھیگ نہ جائے۔ اور اس کے جلو میں ایک شخص تلوار گھماتا چلتا ہے کہ دوسری روحیں اس گرفتار شدہ روح کو چھڑا کر لے جانے کی کوشش نہ کرنے پائیں۔

بعض وقت روح گم گشتہ کو مرئی صورت میں واپس لایا جاتا ہے۔ اور یگون کے سائیش یا جیپنے سر والے باشندوں کا عقیدہ ہے کہ آدمی کی روح کچھ عرصے کے لئے اس کے جسم سے جدا ہو سکتی ہے اور اس کے اس طرح چلے جانے سے نہ وہ مرتا ہے اور نہ اسے اس کی خبر ہونے پاتی ہے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ گمشدہ روح کا جلد پتا لگا کر اس کو آدمی کے جسم میں لوٹا دیا جائے۔ ورنہ وہ مر جائے گا۔ اس شخص کا نام جس کی روح اسے چھوڑ گئی ہو' خواب میں طلسم گر پر منکشف ہوتا ہے اور وہ بہ عجلت تمام مریضوں کے پاس پہنچ کر اسے اس کی اطلاع دیتا ہے۔ عام طور پر بیک وقت کئی آدمی اس طرح اپنی روحوں سے محروم ہو جاتے ہیں ان سب کے نام طلسم گر پر ظاہر ہو جاتے ہیں اور وہ سب کے سب ان کی بازیافت کے لئے اس سے رجوع کرتے ہیں۔ یہ بے روح آدمی گاؤں میں رات بھر ناچتے گاتے گھر گھر پھرتے ہیں اور پو پھٹتے ہی سب ایک علیحدہ مکان میں جمع ہو جاتے ہیں' جو چاروں طرف سے بند اور تیرہ و تار ہوتا ہے پھر اس کی چھت میں ایک چھوٹا سا چھید کر دیا جاتا ہے' جس میں سے طلسم گر پروں کی جھاڑو سے ہڈیوں کے ٹکڑوں اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کی شکل میں روحوں کو مکان کے اندر جھاڑ دیتا ہے' جو اس کے پاس ایک چٹائی کے ٹکڑے پر پہنچتی ہیں۔ اس کے بعد آگ جلائی جاتی ہے' سب سے پہلے وہ مردوں کی روحوں کی چھنٹائی کرتا ہے۔ اس میں سے سب سے پہلے وہ مردوں کی روحوں کو چھانٹ کر الگ کر دیتا ہے' جو عموماً" بہت سارے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر وہ کسی زندہ آدمی کو مردے کی روح دے دے تو اس کا کام اسی وقت تمام ہو جائے۔ اس کے بعد وہ یہ کرتا ہے کہ جتنے آدمی وہاں موجود ہوتے ہیں ان کی روحیں چن چن کر نکال لیتا ہے۔ پھر ان سب کو اپنے روبرو بٹھا کر ہڈی' لکڑی یا سیپی کے ٹکڑے کی شکل میں ایک ایک روح کو اٹھاتا جاتا ہے اور بہت سے عمل پڑھتے اور بل کھاتے ہوئے اسے روح والے کے سر پر تھپکتا جاتا ہے' یہاں تک کہ روح اس شخص کے قلب میں اتر کر اپنے صحیح مقام پر واپس پہنچ جاتی ہے۔

بھٹکتی روحوں کو بھوتوں کے علاوہ آدمی' یعنی جادوگر بھی جسموں سے نکال کر قید کر سکتے ہیں۔ فجی میں اگر کوئی مجرم اقبال جرم سے انکار کرتا تھا تو قبیلے کے سردار "اس بدمعاش کی روح کو کھینچ نکالنے کے لئے" ایک گلوبند طلب کرتا۔ اس گلوبند کو دیکھ کر' بلکہ اس کا نام سنتے ہی مجرم عام طور پر سب کچھ قبول کر لیتا' اس لئے کہ وہ اگر ایسا نہ کرتا تو گلوبند اس کے سر پر ہلایا جاتا اور جب روح اس میں آ پھنستی تو اسے بڑی احتیاط سے تہ کرکے سردار کی کشتی کے سرے میں ٹھونک دیا جاتا اور مجرم روح سے محروم ہو کر گھل گھل کر مرجاتا۔ ہنجرآئی لینڈ کے جادوگر روحوں کو پھانسنے کے لئے دام بچھایا کرتے تھے۔ یہ دام پندرہ سے تیس فٹ لمبی مضبوط سائینٹ پر مشتمل ہوتے' جن کی دونوں جانب روحوں کے حجم کے لحاظ سے مختلف ناپ کے پھندے لٹکے ہوتے۔ جب کوئی ایسا شخص بیمار پڑتا' جس سے جادوگروں کو عداوت ہوتی تو یہ روح گیر پھندے اس کے گھر کے قریب لگا دئے جاتے اور روح کے پرواز کرنے کا انتظار کیا جاتا۔ اگر وہ چڑیا یا پروانے کی شکل میں آ پھنستی تو مریض جان بر نہ ہو سکتا۔ مغربی افریقہ میں تو جادوگر اب تک ان روحوں کو پکڑنے کے لئے پھندے لگاتے رہتے ہیں' جو نیند میں جسموں سے نکل کر بھٹکتی پھرتی ہوں اور جب کوئی روح ان کے پھندے میں آ پھنستی ہے تو وہ اسے آگ پر لٹکا دیتے ہیں' جس کے تپ کر سوکھنے سے روح والا آدمی بیمار پڑ جاتا ہے۔ یہ کارروائی کسی خصومت کی بناء پر نہیں کی جاتی' بلکہ وہ محض ایک کاروبار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جادوگر کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کہ جو روح اس کے ہاتھ لگی ہے وہ کس کی ہے اور روح کا مالک جادوگر کو اپنی روح کی قیمت ادا کردے تو وہ بہ خوشی اسے اس کے جسم میں پھیر دیتا ہے۔ بعض جادوگروں نے بھٹکتی روحوں کو پکڑ رکھنے کے لئے باقاعدہ روح خانے بنا رکھے ہیں' اور اس شخص کو جس کی روح کھوئی گئی ہو یا جو اپنی روح کو کہیں رکھ کر بھول گیا ہو' مقررہ فیس ادا کرنے پر روح خانے سے ہر وقت نئی روح مل سکتی ہے۔ نجی روح خانے کھولے رکھنا یا آوارہ گرد روحوں کو پکڑنے کے لئے پھندے لگانا مذموم فعل نہیں سمجھا جاتا۔ یہ ان جادوگروں کا پیشہ ہے اور ان کے کاروبار کی پشت پر نفرت کا جذبہ نہیں ہوتا لیکن ان میں بعض شریر ایسے بھی ہیں جو محض بغض یا مال و زر کے لالچ سے دام بچھا کر اور چارہ لگا کر کسی آدمی کی روح کو پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس برتن میں جو چارے سے ڈھکا ہوتا ہے' چاقو اور نکیلی کیلیں دبی ہوتی ہیں' تاکہ روح بے چاری چھلنی

ہوجائے' اور یا تو اسی دم اس کا قصہ پاک ہوجائے یا اگر وہ بچ نکلے تو اس بری طرح گھائل ہو کر مالک کے پاس لوٹنے پر وہ بیمار پڑ جائے۔ مس کنگیلے ایک کرومن سے واقف تھیں' جسے اپنی روح کی طرف سے بڑی تشویش پیدا ہوگئی تھی۔ اسے خواب میں کئی رات تک چپٹ پٹے خشک جھینگے کی خوشبو آتی رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کے کسی بدخواہ نے خواب میں اس کی بھٹکتی روح کو پھانسنے کے لئے دام بچھا رکھا تھا اور اس میں چارے کے طور پر اس کا یہ من بھاتا کھاجا بھی لگا دیا تھا' جس کے ذریعے اس کو سخت جسمانی' بلکہ روحانی گزند پہنچانا مقصود تھا۔ اگلی کئی راتوں تک نیند میں اس کی روح کو بھٹکتے پھرنے سے روکنے کے لئے بڑے جتن کئے گئے اور وہ اس گرم خطے کی رات کی تپش میں کمبل کے اندر پڑا پسینے میں نہاتا اور خرخراتا رہتا تھا۔ اس کے نتھنوں اور منہ سے رومال باندھ دیا گیا تھا تاکہ اس کی بیش قیمت روح بچ کر نکلنے نہ پائے۔ ہوائی میں کچھ جادوگر تھے جو زندہ آدمیوں کی روحوں کو پکڑا کرتے تھے اور انہیں تونبوں میں بند کر کے لوگوں کو کھانے کے لئے دیا کرتے۔ کسی گرفتار شدہ روح کو اپنے ہاتھوں میں بھینچ کر وہ اس مقام کا کھوج لگا لیتے تھے جہاں لوگوں کو خفیہ طور پر دفن کیا گیا ہو۔

جزیرہ نمائے ملایا سے زیادہ شاید ہی کسی ملک میں روحوں کے اغوا کرنے کے فن کو فروغ بالکمال نصیب ہوا ہو۔ یہاں اس کام کے لئے مختلف ٹوٹکے رائج ہیں اور اسی طرح اس کے مقاصد بھی مختلف ہیں' بعض وقت روح کے اغوا کرنے سے جادوگر کو کسی دشمن کی تباہی مقصود ہوتی ہے اور بعض وقت کسی سنگ دل یا شرمیلی نازمین کا دل جیتنا۔ مثلاً اس دوسری قسم کے عمل میں حسب ذیل ہدایتیں دی جاتی ہیں تاکہ اس شخص کی روح کو مسخر کیا جاسکے جسے دیوانہ بنانا ہو۔ جب چاند تمتماتا ہوا افق مشرق سے ابھر آئے تو چاندنی میں نکل کھڑے ہو اور اپنے داہنے پاؤں کا انگوٹھا بائیں پاؤں کے انگوٹھے پر رکھے داہنے ہاتھ کی مٹھی ترم کی طرح منہ پر لگاؤ اور اس میں سے حسب ذیل عمل پڑھو:

> اوم۔ میرا تیر اکارت جاتا ہے' میرا تیر اکارت جاتا ہے چاند پر اداسی چھائی جاتی ہے۔ میرا تیر اکارت جاتا ہے کہ سورج گل ہوگیا ہے۔ میرا تیر اکارت جاتا ہے کہ تارے مدھم ہوئے جاتے ہیں۔ لیکن میرا نشانہ سورج نہیں' چاند نہیں' تارے نہیں۔ میرا نشانہ دختر انجمن فلاں فلاں

کا دل ہے۔ کٹ، کٹ! فلاں فلاں کی روح آ اور میرے ساتھ چل!
آ اور میرے پاس بیٹھ، آ اور میرے ساتھ ایک تکیے پر سو، کٹ کٹ!
روح!

اس عمل کو تین مرتبہ دہراؤ اور ہر مرتبہ اپنی مٹھی کا ترم بجاؤ۔ یا تم پھر مطلوبہ روح کو اپنی پگڑی میں اس طرح پکڑ سکتے ہو: پونم کی رات اور اس سے اگلی دو راتوں کو چاندنی میں نکل کر چیونٹیوں کے ڈھیرے پر بیٹھ جاؤ اور بخورات جلا کر حسب ذیل عمل پڑھو:

میں تیرے چبانے کو ایک پان کا پتا لایا ہوں،
اے شہزادہ غضبناک، اس پر چونا لگا کہ
شہزادہ سودائی کی بیٹی اسے چبائے،
تو کے کوئی میرے عشق میں دیوانہ ہو جائے۔
تم جب اپنے ماں باپ کو یاد کرو تو میں تمہیں یاد آؤں،
تم جب اپنے گھر کو اور گھر کی سیڑھی کو یاد کرو تو میں تمہیں یاد آؤں،
جب بادل گرجیں تو میں تمہیں یاد آؤں،
جب ہوا برسے تو میں تمہیں یاد آؤں،
جب آسمان برسے تو میں تمہیں یاد آؤں،
جب مرغ بانگ دے تو میں تمہیں یاد آؤں،
جب لال چڑی (روبن) اپنی کہانی سنائے تو میں تمہیں یاد آؤں،
جب تم آفتاب کی طرف دیکھو تو میں تمہیں یاد آؤں،
جب تم مہتاب کی طرف دیکھو تو میں تمہیں یاد آؤں،
کیونکہ اس مہتاب میں میں ہوں۔
کٹ کٹ! کسی کے دل، ادھر آ میرے پاس،
میں اپنا دل تجھے دینا نہیں چاہتا،
تو اپنے دل کو میرے دل میں آنے دے!

اس کے بعد ہر رات اپنی پگڑی کا ایک سرا سات مرتبہ چاند کی طرف ہلاؤ اور پھر گھر پہنچ کر اسے اپنے تکیے کے نیچے رکھ لو، اور اگر اسے تم دن میں پہننا چاہو تو بخورات جلا کر یہ کہو: "

پکڑی کہ میری بغل میں ہے میری نہیں' بلکہ کسی کی روح کی ہے۔"

برطانوی کولمبیا میں دریائے ناس کے باشندوں کے عقیدے کی رو سے معالج سہوا" اپنے مریض کی روح کو نگل سکتا ہے۔ جس طبیب کے متعلق یہ خیال ہو کہ اس سے اس قسم کی غلطی سرزد ہوگئی ہے' اسے اس کے شرکائے کار مریض پر کھڑا کر دیتے ہیں اور ان میں سے ایک معالج مذکور کے حلق میں انگلی ڈالتا ہے' دوسرا پوروں سے اس کا پیٹ دباتا ہے اور تیسرا اس کی پیٹھ ٹھونکتا ہے۔ اگر یہی ترکیب سارے اطباء آزما کے دیکھ لیں اور مریض کی روح اس میں موجود نہ ہو تو یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ صدر طبیب کے ڈبے میں ضرور بند ہوگی۔ لہٰذا اطباء کی ایک جماعت صدر طبیب کے گھر پہنچتی ہے اور اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے یہ درخواست کرتی ہے کہ وہ اپنا ڈبا نکال لائے۔ جب وہ ڈبا نکال کر اس میں سے تمام چیزیں ایک نئی چٹائی پر جما دیتا ہے تو وہ حکیم ایس لیپیس کے اس پرستار کو ایڑیوں سے پکڑ کر اور اس کے سر کو فرش میں ایک چھید کے اندر رکھ کر الٹا کھڑا کر دیتے ہیں اس حالت میں اس کا سر دھویا جاتا ہے اور "نہاون کا جو پانی رہ گیا ہو اسے لے جاکر مریض کے سر پر بہا دیا جاتا ہے۔" بلاشبہ مریض کی گمشدہ روح اس پانی کے اندر ہوتی ہے۔

روح سایہ اور عکس کی حیثیت سے

لیکن وحشی کو صرف روحانی خطرے لاحق نہیں ہوتے جو پیچھے گنوائے گئے۔ اکثر وہ اپنے سائے یا عکس کو اپنی روح یا کم از کم اپنا جزو حیات سمجھتا ہے' اور اس حیثیت سے اس کے سائے یا عکس کا اس کے لئے خطرے کا باعث ہونا ضروری بات ہے۔ چنانچہ اسے روندا یا مارا جائے یا اس میں چاقو گھونپا جائے تو وہ اس کی تکلیف اس طرح محسوس کرے گا کہ گویا خود اس کو روندا' پیٹا یا چاقو مارا گیا ہے' اور اگر اس کا سایہ اس سے بالکل جدا ہو جائے (جیسا کہ اس کے عقیدے کی رو سے ہو سکتا ہے) تو وہ مر جائے گا۔ جزیرہ ویتار (شرق الہند) میں ایسے جادوگر پائے جاتے ہیں جو کسی کی پرچھائیں پر برچھی گھونپ کے یا تلوار کا وار کرکے اسے بیمار کرسکتے ہیں۔ ہندوستان میں سنکارا بدھ مت والوں کا قلع قمع کر چکا تو کہا جاتا ہے کہ وہ نیپال پہنچا' جہاں اس کا دلائی لاما سے کچھ اختلاف رائے ہوگیا۔ وہ اپنے استدراج کا ثبوت دینے کے لئے ہوا میں اڑنے لگا' لیکن جس وقت وہ بلند ہوا تو دلائی لاما نے زمین پر اس کی

جھوتی اور تھرتھراتی پرچھائیں کو دیکھ کر اس پر اپنا چاقو گھونپ دیا جس سے سنکارا زمین پر آرہا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔

جزائر بینک میں بعض عجیب قسم کے لمبوترے پتھر پائے جاتے ہیں' جنہیں "کھانے والے بھوت" کہا جاتا ہے' کیونکہ عام خیال کے بموجب ان میں بعض طاقتور اور خطرناک روحیں بستی ہیں۔ اگر کسی پتھر پر کسی شخص کا سایہ پڑ جائے تو بھوت اس کی روح کھینچ نکالے گا اور وہ شخص مرجائے گا۔ لہٰذا ایسے پتھر گھر میں حفاظت کے لئے رکھے جاتے ہیں اور وہ قاصد جسے گھر کے مالک نے کسی اور مقام سے گھر بھیجا ہو' مؤخرالذکر کا نام لے کر پکارتا ہے کہ کہیں پتھر کا بھوت یہ سمجھ کر کہ وہ کسی بری نیت سے آیا ہے' اس کے ساتھ کوئی شرارت نہ کر بیٹھے۔ چین میں جب کسی میت کے تابوت کو ڈھانکا جاتا ہے تو مرنے والے کے قریبی رشتہ داروں کے سوا باقی جتنے لوگ وہاں کھڑے ہوتے ہیں' چند قدم پیچھے ہٹ جاتے ہیں بلکہ کسی علیحدہ کمرے میں چلے جاتے ہیں کیونکہ اگر کسی شخص کا سایہ تابوت میں بند ہوجائے تو اس کی صحت خطرے میں پڑ جاتی ہے اور جب تابوت قبر میں اتارا جانے لگتا ہے تو اکثر لوگ کچھ فاصلے پر ہٹ جاتے ہیں کہ کہیں ان کی پرچھائیں قبر میں نہ پڑ جائیں اور اس طرح انہیں نقصان نہ پہنچ جائے۔ رمال اور اس کے نائب قبر کی اس جانب کھڑے ہوتے ہیں جو آفتاب کے رخ پر ہو' اور گورکن اور تابوت بردار کپڑے کی پٹیوں سے اپنی کمریں کس لیتے ہیں تا کہ ان کا سایہ جسموں سے لگا رہے یا پھیلنے نہ پائے۔ لیکن صرف انسان ہی اپنے سایوں کی بدولت جوکھوں میں نہیں ہوتے' بلکہ جانوروں کو بھی اسی طرح خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ ایک قسم کے چھوٹے سے گھونگے کے متعلق جو پیراک میں چونے کی پہاڑیوں کے آس پاس اکثر نظر آتا ہے یہ اعتقاد پایا جاتا ہے کہ وہ مویشیوں کے سایوں کے ذریعے ان کا خون چوسا کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جانور سوکھنے لگتے ہیں اور بعض وقت خون کی کمی سے مرجاتے ہیں۔ اگلے زمانے کے لوگوں کا خیال تھا کہ عرب میں اگر کوئی چرغ کسی آدمی کے سایہ پر پاؤں رکھ دیتا ہے تو وہ گویائی سے محروم ہوجاتا ہے اور اس میں چلنے پھرنے کی سکت باقی نہیں رہتی اور چاندنی میں کسی گھر کی چھت پر کھڑے ہوئے کتے کی پرچھائیں زمین پر پڑ رہی ہو اور اسے چرغ روند جائے تو کتا یوں نیچے آرہے گا جیسے اسے رسی سے کھینچ لیا گیا ہو۔ ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں سایہ اگر انسان یا جانور کی روح کے برابر نہیں تو کم از کم اس کی حیات کے ایک

ایسے جزو کی حیثیت ضرور رکھتا ہے کہ اگر اسے کوئی گزند پہنچے تو اس کو انسان یا جانور اس طرح محسوس کرے جیسے وہ گزند خود اس کے جسم کو پہنچا ہو۔

دوسری طرف اگر سائے کی حیثیت انسان یا جانور کے جزو حیات کی ہے تو بعض حالات میں اس کا کسی سے چھو جانا اسی طرح خطرناک ہوگا جس طرح خود انسان یا جانور کا مس کرجانا۔ اسی وجہ سے وحشی اصولاً ایسے اشخاص کے سائے سے بچتا ہے، جن کے اثرات مختلف اسباب کی بنا پر خطرے کا باعث سمجھے جاتے ہوں۔ اسی قسم کے خطرناک لوگوں کے زمرے میں بالعموم سوگوار اشخاص اور عورتیں اور بالخصوص ساس کی ذات آتی ہے۔ امریکہ کے شواپ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی شخص پر ایسے آدمی کا سایہ پڑ جائے جو کسی کا سوگ منا رہا ہو تو مقدم الذکر علیل ہوجائے گا۔ وکٹوریا کی کرنائی قوم میں لڑکوں کو ان کی رسم بلوغ پر متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اوپر کسی عورت کا سایہ نہ پڑنے دیں، ورنہ اس کے اثر سے وہ لاغر، کاہل اور کودن ہوجائیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک آسٹریلوی وحشی پر جو ایک درخت کے نیچے سو رہا تھا، اس کی ساس کا سایہ پڑ گیا اور اس پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ اس کا دم نکلتے نکلتے رہ گیا۔ غیر مہذب انسان کے دل و دماغ پر ساس کی جو ہیبت چھائی رہتی ہے وہ انسیات (Anthropology) کی ایک عام حقیقت ہے۔ نیوساؤتھ ویلز کے یون قبیلے میں کسی شخص کا اپنی ساس سے رسم و راہ رکھنا سخت ممنوع تھا۔ وہ ساس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا اور جو کہیں داماد پر ساس کا سایہ پڑ جاتا تو یہ چیز طلاق کا موجب بن جاتی اور ایسی صورت میں اسے اپنی بیوی کو چھوڑ دینا پڑتا جو میکے واپس چلی جاتی۔ نیوبرٹن کے وحشیوں کا ذہن اس بات کا اندازہ کرنے سے بھی قاصر ہے کہ داماد کا اتفاقاً" ساس سے بات کرلینا کیسی کیسی شدید مصیبتیں لاتا ہے۔ غالباً" ایسے شخص اور اس کی بیوی کے لئے خودکشی کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا۔ ان وحشیوں کے ہاں بڑی سے بڑی قسم اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے: "جناب اگر میں سچ نہیں بول رہا ہوں تو اپنی ساس سے مصافحہ کروں۔"

جہاں انسان کے سائے سے اس کی زندگی کا رشتہ اس قدر گہرا ہو کہ اس کے معدوم ہوجانے سے وہ نحیف و نزار ہو کر رہ جائے یا مرجائے وہاں یہ خیال پیدا ہونا قدرتی بات ہے کہ کسی کے سائے کا گھٹنا تشویش کی نظر سے دیکھا جاتا ہو اور قویٰ کے انحطاط کی علامت سمجھا جاتا ہو۔ چنانچہ جزائر ایمبونیا اور یولیس میں جو خط استواء کے قریب واقع ہیں اور جہاں

نصف النہار کو کوئی سایہ نہیں ہوتا' لوگوں نے اپنا یہ اصول بنا رکھا ہے کہ دوپہر کو گھر سے باہر نہ نکلیں' کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں آدمی کی روح کا زیاں ہے۔ منگائیا (بحرالکاہل کا ایک جزیرہ) والے اپنے ایک ہیرو توکے تاوا کا قصہ سناتے ہیں' جس کا زور اس کے سائے کے ساتھ ساتھ گھٹتا رہتا تھا۔ صبح کو جب اس کا سایہ سب سے زیادہ لمبا ہوتا اس کی طاقت بھی اپنے نقطہ عروج پر ہوتی' لیکن جیسے جیسے دن چڑھتا جاتا اس کا سایہ گھٹتا جاتا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی طاقت بھی' یہاں تک کہ ٹھیک دوپہر کو وہ انتہا درجے کم ہوجاتی۔ کسی سورمانے توکے تاوا کی طاقت کا یہ راز معلوم کرلیا اور عین دوپہر کو اس کا سر قلم کر ڈالا۔ جزیرہ نمائے ملایا کے بے سی سس نامی وحشی دوپہر کو اپنے مردے گاڑتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس وقت ان کے سائے کے گھٹاؤ کے مشارک اثر سے ان کی عمریں کم ہوجاتی ہیں۔

جان اور سائے کے برابر ہونے کے متعلق جو عقیدہ پایا جاتا ہے' اس کی سب سے نمایاں مثال شاید وہ دستور ہیں جو جنوب مشرقی یورپ میں جاری ہیں۔ یونان جدید میں یہ دستور ہے کہ جب کسی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جاتا ہے تو مرغ' بکرا یا مینڈھا مار کر اس کا خون سنگ بنیاد پر بہا دیا جاتا ہے اور پھر اسی کے نیچے قربانی کے اس جانور کو دبا دیا جاتا ہے۔ اس قربانی سے عمارت کی پائے داری اور استواری مقصود ہے۔ لیکن بعض صورتوں میں مکان بنانے والا جانور کی قربانی کرنے کی بجائے کسی آدمی کو بہلا پھسلا کر سنگ بنیاد کے پاس لے آتا ہے اور اس کی لاعلمی میں اس کے جسم کے کسی حصے یا سائے کو ناپ کر سنگ بنیاد کے نیچے دفن کردیتا ہے۔ خیال ہے کہ وہ آدمی ایک سال سے زیادہ نہیں جیتا۔ ٹرانسلوینیا کے رومانوی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ شخص جس کا سایہ اس طرح محبوس ہوجائے۔ چالیس دن کے اندر اندر مرجاتا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کو جو کسی زیر تعمیر عمارت کے پاس سے گزرتے ہوں' یہ صدا سنائی دیتی ہے: "خبردار! کہیں وہ تیرا سایہ نہ لے لیں۔" کچھ عرصہ پیشتر تک اس علاقے میں ایسے لوگ موجود تھے جو سایوں کی تجارت کیا کرتے تھے اور دیواروں کو پائے دار بنانے کے لئے معماروں کو سائے بہم پہنچاتے۔ ان صورتوں میں سائے کا ناپ خود سائے اور ناپ کا دفن کرنا آدمی کی جان یا روح کے دفن کرنے کے مساوی سمجھا جاتا ہے' اور جو آدمی یوں اپنی روح سے محروم ہوجاتا ہے' اس کی موت یقینی ہوتی ہے۔ اس طرح یہ رواج زندہ آدمی کو دیواروں میں چننے یا کسی عمارت کے سنگ بنیاد کے نیچے دفن کردینے کے اس قدیم دستور کا

بدل ہے' جس کا مقصد عمارت کو استوار اور پائیدار کرنا تھا۔ یا زیادہ واضح لفظوں میں' مذکورہ بالا دستور سے بظاہر مقصود یہ تھا کہ اس آدمی کی غضبناک روح جو اس طرح محبوس کر دی گئی ہو' عمارت میں منڈلاتی رہے اور اسے دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رکھے۔

جس طرح بعض قوموں کے نزدیک آدمی کی روح اس کے سائے میں داخل و شامل ہوتی ہے' اسی طرح بعض دوسری قوموں (یا انہیں قوموں) کے عقیدے کے بموجب وہ پانی یا آئینے میں آدمی کے عکس سے عبارت ہے۔ چنانچہ "انڈمانی اپنے سائے کی بجائے (آئینے میں) اپنے عکس کو اپنی روح تصور کرتے ہیں۔" نیوگنی کے ماتوموتای لوگوں نے جب آئینے میں پہلی مرتبہ اپنا عکس دیکھا تو انہوں نے اسے اپنی روح سمجھا۔ نیو کیلے ڈونیا کے بوڑھوں کے نزدیک کسی آدمی کی روح پانی یا آئینے میں اس کے عکس سے عبارت ہے۔ لیکن نوجوان' جنہوں نے کیتھولک پادریوں سے تعلیم پائی ہے' یہ رائے رکھتے ہیں کہ آدمی کا عکس ویسا ہی ہے جیسے پانی میں کھجور کے درخت کا عکس اور بس۔ عکسی روح کو جو آدمی کے باہر ہوتی ہے وہی کچھ خطرے لاحق ہوتے ہیں' جو سائے والی روح کو ہوتے ہوں۔ زولو کسی تاریک گڑھے میں نہیں جھانکتے کیونکہ ان کے خیال میں اس کے اندر ایک جانور بند ہوتا ہے جو آدمیوں کے عکس کو کھینچ لے جاتا ہے اور وہ مرجاتے ہیں۔ باسوتو کہا کرتے ہیں کہ مگرمچھ کے اندر آدمی کے سائے کو اس صورت سے گھسیٹ کر لے جانے اور اسے ہلاک کرنے کی قوت ہوتی ہے۔ جب ان میں سے کسی کی موت اچانک واقع ہوجائے اور اس کا بظاہر کوئی سبب نہ ہو تو اس کے عزیز وثوق کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ اس کے عکس کو کسی وقت اس کے ندی پار کرتے میں کوئی مگرمچھ کھینچ کر لے گیا ہے۔ جزیرہ ساؤل (ملینیشیا) میں ایک جوہڑ ہے' "جس میں اگر کوئی دیکھ لے تو مرجائے۔" اس جوہڑ کی خبیث روح جھانکنے والے کے عکس کے وسیلے سے اس کی جان اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا ہے اس کے پیش نظر یہ سمجھنا آسان ہوجاتا ہے کہ قدیم عہد کے ہندوستانی اور یونانی اصولاً پانی میں اپنا عکس دیکھنے سے کیوں گریز کیا کرتے تھے اور یونانیوں کے ہاں خواب میں کسی شخص کا پانی کے اندر اپنا عکس دیکھ لینا اس کی موت کا شگون کیوں سمجھا جاتا تھا۔ انہیں یہ خوف تھا کہ آبی روحیں آدمی کو مرنے کے لئے بے روح چھوڑ کر اس کے عکس کو پانی میں گھسیٹ لے جاتی ہیں۔ یہی چیز غالباً "حسین نارسی سس (یونانی صنمیات کی

رو سے یہ دریائی دیوتا سے فی سس اور لاریوپے پری کا حسین و جمیل بیٹا تھا۔ اسے چشمے میں کہیں اپنا عکس نظر آگیا' جسے وہ چشمے کی پری سمجھ کر اس پر سوجان سے فریفتہ ہوگیا اور اسے حاصل کرنے کی سعی لاحاصل میں غم کھا کھا کر مرگیا۔ مرنے کے بعد اس نے اس پھول یعنی نرگس کی صورت اختیار کرلی جو آج اسی کے نام سے موسوم ہے) والی کلاسیکی کہانی کی اصل ہے' جو پانی میں اپنا عکس دیکھتا دیکھتا گھل گھل کر مرگیا۔

نیز اب اس عام دستور کی وضاحت بھی ممکن ہے جس کے مطابق اگر گھر میں کوئی مر جائے تو آئینوں پر پردے ڈال دئے جاتے ہیں' یا انہیں دیوار کی طرف گھما دیا جاتا ہے۔ لوگوں کو یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں زندہ آدمی کی جان کو جو اس کا عکس بن کر آئینے پر پڑتی ہے' متوفی کی روح اپنے ساتھ لے کر نہ چلی جائے' جو ان کے خیال میں میت کی تدفین تک گھر کے آس پاس موجود رہتی ہے۔ یہ دستور بعینہٖ ویسا ہی ہے جیسے آرو والا وہ دستور' جس کے مطابق لوگ اس اندیشے سے گھر میں سویا نہیں کرتے تھے کہ زندہ آدمی کی روح کی ملاقات' جو خواب میں اس کے جسم سے نکل آتی ہے' کسی پریت سے نہ ہوجائے اور موخرالذکر اسے اپنے ساتھ لے کر نہ چلا جائے۔ بیماروں کو جو آئینہ دیکھنے سے منع کیا جاتا ہے اور بیمار کے کمرے کے آئینے کو جو ڈھانپ دیا جاتا ہے اس کا سبب بھی واضح ہے۔ بیماری میں خاص طور پر' جب کہ روح آسانی سے پرواز کرسکتی ہے' آدمی کی روح کا عکس بن کر جسم سے نکلنا اور آئینے پر پڑنا خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ بعض قوموں کے اس قاعدے کے بعینہٖ مشابہ ہے جس کی رو سے بیماروں کو سونے نہیں دیا جاتا' اس لئے کہ نیند میں روح جسم سے باہر نکل آتی ہے اور ہمیشہ یہ خطرہ رہتا ہے کہ وہ شاید لوٹ کر نہ آئے۔

سایوں اور عکسوں پر جو بات صادق آتی ہے وہی تصویروں پر بھی آتی ہے۔ ان کے متعلق بھی بسا اوقات یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان میں اس شخص کی روح مضمر ہوتی ہے جس کی تصویر کھینچی گئی ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں' اپنی شبیہ اتروانے سے گریز کرتے ہوں گے' اس لئے کہ اگر تصویر اس شخص کی روح یا کم از کم جزو حیات ہے جس کی وہ شبیہ ہو' تو وہ جس کسی کے قبضے میں ہوگی وہ اس شخص کو اپنے اثر سے ہلاک کرسکتا ہے چنانچہ آبنائے بیرنگ کے اسکیموؤں کا عقیدہ ہے کہ جو لوگ سفلی فن سے شغف رکھتے ہیں وہ آدمی کا سایہ اڑا سکتے ہیں اور وہ اس کے بغیر گھل گھل کر مرجاتا ہے ایک

دفعہ دریائے یوکون کے نچلے علاقے کے کسی گاؤں میں ایک سیاح نے کیمرا لگایا کہ گھروں کے آس پاس چلتے پھرتے لوگوں کی تصویر لے۔ وہ اپنے آلے کا فوکس درست کر رہا تھا کہ گاؤں کا سردار اس کے پاس آیا اور پردے میں منہ ڈال کر جھانکنے پر اصرار کرنے لگا جس کی اس کو اجازت دے دی گئی۔ اس نے لمحہ بھر کے لئے زمین کش عدسے پر حرکت کرتے ہوئے پیکروں کو بغور دیکھا' پھر پردے میں سے منہ باہر نکال لیا اور اپنے لوگوں سے چیخ چیخ کر کہنے لگا "شاید اس نے تم سب کے سائے اس ڈبے میں بند کر لئے ہیں۔" یہ سننا تھا کہ وہ سب بدحواس ہو کر بھاگے اور افتاں و خیزاں اپنے اپنے گھروں میں گھس گئے۔ میکسیکو کے ٹے پے ہوانوں کا کیمرے سے دم نکلتا تھا' انہیں تصویر کھنچوانے پر آمادہ کرنے کے لئے پانچ دن تک جھک جھک کرنی پڑی اور خدا خدا کر کے جب وہ راضی ہوئے تو ان کی اشکال سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی گردنیں ماری جانے والی ہیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ فوٹوگرافر ان کی روحیں کھینچ کر لے جاسکتا ہے اور انہیں ہڑپ کرسکتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ جس وقت ان کی تصویریں فوٹوگرافر کے ملک میں پہنچیں گی تو ان کا خاتمہ ہو جائے گا یا ان پر کوئی افتاد پڑ جائے گی۔ جب ڈاکٹر کتاٹ اور ان کے چند ساتھی مدغاسکر کے مغربی ساحل پر علاقہ بارا کی دریافت کی مہم میں مصروف تھے تو لوگ دفعتاً" ان کی مخالفت پر اتر آئے۔ پچھلے دن ہی یہ سیاح شاہی خاندان کی تصویریں لینے کے مرتکب ہوئے تھے' گو اس میں انہیں دشواری ضرور پیش آئی تھی۔ اور اب ان پر یہ الزام تھا کہ وہ لوگوں کی روحیں لئے جاتے ہیں تاکہ فرانس پہنچ کر انہیں فروخت کر دیں۔ انہوں نے اپنی صفائی میں بہت کچھ کہا سنا مگر بے سود۔ مجبوراً" ملک کے دستور کے بموجب ان وحشیوں کی روحوں کو پکڑ کر ایک ٹوکری میں رکھا گیا اور ڈاکٹر کتاٹ کے حکم سے انہیں اپنے اپنے مالک کو لوٹا دیا گیا۔

سکم کے بعض دیہاتیوں کے آگے جب کبھی کیمرے کا عدسہ یا بقول ان کے "ڈبے کی چشم بد" پھیری گئی تو وہ بڑے خوفزدہ ہوئے اور منہ چھپانے لگے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ آلہ ان کے عکس کے ساتھ ان کی روحیں بھی کھینچ کر لے جاتا ہے' اور اس طرح تصویروں کے مالک کے لئے ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ ان پر جادو ٹونا کرے۔ نیز ان کا دعویٰ تھا کہ کسی منظر کی تصویر کشی سے وہاں کی زمین خراب ہو جاتی ہے۔ سیام کے پچھلے بادشاہ کے عہد حکومت تک سیاہی سکے پر بادشاہ کی تصویر کبھی نقش نہیں کی جاتی تھی' "اس لئے کہ اس زمانے میں تصویر کشی کے خلاف سخت تعصب پھیلا ہوا تھا' خواہ اس کا ذریعہ کچھ ہی ہو۔ وہ یورپی جو سفر کرتے

ہوئے جنگلوں میں پہنچتے ہیں اپنے کیمرے کا رخ بھی مجمع کی طرف کردیں تو وہ منتشر ہو جاتا ہے۔ جب کسی شخص کی تصویر کھینچ لی جائے تو اس کی جان کا ایک جزو بھی اس کے ساتھ کھینچ نکلتا ہے۔ بادشاہ کے لئے، بجز اس کے کہ وہ عمر خضر لے کے آیا ہو، سکوں کے ساتھ ملک میں اپنی جان کے بٹوارے کی اجازت دینی مشکل تھی۔"

اس قسم کے عقائد یورپ کے مختلف حصوں میں آج بھی پائے جاتے ہیں۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا، یونان کے جزیرہ کارپتھیس میں چند بوڑھیوں کی شبیہ اتاری گئی تو وہ بہت برافروختہ ہوئیں کہ اس کے نتیجے میں وہ گھل گھل کر مرجائیں گی۔ مغربی اسکاچستان میں کچھ اشخاص ہیں "جو اس خوف سے اپنی شبیہ کھنچوانے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ ان پر کوئی افتاد نہ پڑ جائے۔ وہ اپنے متعدد دوستوں کی مثالیں دیتے ہیں جن کے فوٹو لئے جانے کے بعد ایک دن بھی ان کی صحت اچھی نہیں رہی۔"

CamScanner

بائیسواں باب

روح کی وراثت

قرون اولیٰ میں غیر مہذب نسلوں کی معیاری بادشاہت اور شاہ کشی کے نظریے پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اگر اس قسم کا کوئی دستور واقعی جاری رہا ہوتا تو شاہی خاندان نیست و نابود ہو جاتے۔ اس اعتراض کا ایک جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ بادشاہت اکثر و بیشتر کسی ایک خاندان تک محدود نہیں ہوتی' بلکہ باری باری کئی خاندانوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اکثر صورتوں میں یہ منصب موروثی نہیں ہوتا اور اس پر کسی بھی خاندان کے افراد بلکہ وہ غیر ملکی بھی فائز ہوسکتے ہیں' جو ضروری شرائط پوری کرسکیں' جیسے کسی شاہزادی کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا یا بادشاہ وقت کو میدان کار زار میں شکست دینی۔ تیسرے یہ کہ اگر اس دستور سے خانوادہ شاہی کے خاتمے کا امکان بھی تھا تو اس چیز کی ان لوگوں کی نظر میں کیا اہمیت ہوسکتی تھی' جو ہماری طرح نہ عاقبت اندیش تھے اور نہ جن کی نظر میں انسانی زندگی کی وہ وقعت تھی جو ہماری نظر میں ہے۔ بہت سے افراد کی طرح بہت سی نسلیں بھی ایسے رسوم و رواج کی پابند رہی ہیں' جن سے انجام کار ان کا صفحہ ہستی سے مٹ جانا ناگزیر ہو۔ چنانچہ پولیشیائی عالیا" اپنے بچوں کے ایک ثلث کو باضابطہ قتل کردیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مشرقی افریقہ کے بعض حصوں میں پیدائش پر بچوں کے قتل کا یہی تناسب ہے اور صرف وہی بچے زندہ رہنے دیئے جاتے ہیں' جو خاص شکل و شباہت لے کر آئے ہوں۔ انگولا کے ایک جارح و جنگ جو قبیلے جاگا کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں بلا کسی استثناء کے تمام بچے مار دیئے جاتے تھے' تاکہ کوچ کرتے وقت عورتوں پر ان کا بوجھ نہ رہے۔ یہ جاگا تیرہ یا چودہ سال کے ایسے لڑکوں اور لڑکیوں کو متبنٰی کرکے اپنی جمعیت میں بھرتی کرلیا کرتے تھے' جن کے ماں باپ کو وہ موت کے گھاٹ اتار کے کھا گئے ہوں۔ جنوبی امریکہ کی ایم بایا قوم کی عورتیں آخری بچے یا اس بچے کے سوا' جسے انہوں نے آخری

سمجھ لیا ہو، قتل کردیتی تھیں۔ اگر ان میں کسی عورت کے ہاں اس بچے کے بعد کوئی اور اولاد ہوتی، تو وہ اسے ٹھکانے لگا دیتی۔ لہٰذا یہ امر چنداں باعث تعجب نہیں کہ مذکورہ بالا دستور کی وجہ سے اس قوم کی پوری ایک شاخ کا بیج مر گیا، جس نے برسوں اہل ہسپانیہ کے دانت کھٹے کررکھے تھے۔ گران چاکو کے لنگواؤں کو عیسائی مبلغوں نے ایک ایسے دستور کا پابند پایا، جو انہی کے الفاظ میں "اسقاط حمل اور دوسری صورتوں سے طفل کشی کے ذریعے نسل کشی کا ایک سوچا سمجھا منظم طریقہ" تھا۔ لیکن وحشی قبیلے ایک طفل کشی ہی کے ذریعے خودکشی نہیں کرتے، اس کا ایک اسی قدر موثر طریقہ بے گناہی کے ثبوت میں زہر خوری بھی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا ایک چھوٹا سا قبیلہ، جس کا نام اویت تھا، مغربی افریقہ میں اپنے پہاڑی علاقے سے اتر کر دریائے کالا بار کی بائیں جانب آباد ہوگیا۔ جب مسیحی مبلغ پہلے پہل اس مقام پر پہنچے تو انہیں وہاں خاصی آبادی نظر آئی، جو تین قریوں میں بٹی ہوئی تھی۔ اس وقت سے متواتر آزمائشی زہر خوری کے سبب اب اس قبیلے کا قریب قریب خاتمہ ہوچکا ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ساری کی ساری آبادی نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے زہر کھا لیا۔ اس میں آدھے آدمی اسی وقت مر گئے۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں جو باقی رہ گئے ہیں، وہ ابھی تک اس متوہمانہ دستور کے پابند چلے آتے ہیں اور جلد ہی ان کا بھی خاتمہ ہونے والا ہے۔ ان مثالوں کے پیش نظر ہمیں یہ مانتے ہوئے ہچکچانا نہیں چاہیے کہ جو دستور کسی ایک خاندان کے مٹنے کا موجب ہو، اس کی پابندی متعدد قبیلے بے تامل یا بے جھجک کرتے رہے۔ ایسے جاہلی رسم و رواج کے معاملے میں کسی قسم کے اخلاقی تذبذب کو وحشیوں سے منسوب کرنا انہیں یورپی تہذیب کے معیار پر جانچنا ہے اور یہ ایک ایسی غلطی ہے جو ہمیشہ دہرائی جاتی ہے۔ اگر قارئین میں سے کسی کا یہ خیال رہا ہو کہ ساری انسانی نسلیں تعلیم یافتہ انگریزوں ہی کی طرح سوچتی اور عمل کرتی ہیں تو باطل عقائد اور متوہمانہ رسم و رواج کے متعلق اس کتاب میں جو شواہد یک جا کئے گئے ہیں، ان سے اس کی یہ شدید غلط فہمی دور ہوجانی چاہیے۔

یہاں انسانی خداؤں کے قتل کے دستور کی جو توجیہہ پیش کی گئی ہے، اس میں یہ بات مسلم ہے یا کم از کم اس سے ہم آہنگ ضرور ہے کہ وحشی کے خیال میں مقتول دیوتا کی روح اس کے جانشین میں منتقل ہوجاتی ہے۔ روح کے انتقال کے اس تصور کی میرے پاس

شاہوں کی ایک مثال کے سوا اور کوئی صریحی شہادت موجود نہیں' جن کے ہاں مقدس بادشاہ کے قتل کی ریت ایک مخصوص صورت میں ملتی ہے اور جن کا یہ جزو ایمان ہے کہ ان کے سلاطین کے سلسلے کے بانی دیوتا کی روح اس کے ہر مقتول جانشین کی ذات میں جاری و ساری رہتی ہے۔ لیکن اگر اس قسم کے عقیدے کے ثبوت میں صرف یہی ایک حقیقی مثال پیش کی جاسکتی ہے تو نظائر کی بنا پر یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ دوسری صورتوں میں بھی عام خیال کے بموجب مقتول دیوتا کی روح اس کے جانشینوں میں اسی طرح منتقل ہوتی رہتی ہے' گو روح کے اس فرضی انتقال کی کوئی بین شہادت موجود نہیں۔ چنانچہ کسی دیوتا کے ایک انسان کے روپ میں قضا کرنے کے بعد دوسرے انسان کی صورت میں تشکل و ظہور پر اعتقاد کی کیفیت پہلے ہی بیان کی جاچکی ہے۔ اور اگر انسان دیوتا کی طبیعی موت کی صورت میں ایسا ہو سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں جو ہلاکت کی صورت میں بھی اسی طرح اس کا تناسخ واقع نہ ہو۔ جاہل اقوام یقیناً" انسان کے انتقال روحانی کے اس تصور سے پوری طرح آشنا ہیں۔ نیاس کے دستور کی رو سے سرداری کے منصب پر باپ کے بعد اس کا بڑا بیٹا فائز ہوتا ہے' لیکن اگر وہ کسی ذہنی یا جسمانی نقص کے سبب سرداری کا اہل قرار نہ پائے تو باپ اپنی زندگی ہی میں کسی اور بیٹے کو اپنا جانشین نامزد کر دیتا ہے۔ تاہم جس لڑکے کو باپ اس طرح منتخب کرے' اسے لازم ہے کہ اپنا حق وراثت منوانے کے لئے باپ کے مرتے وقت اس کے آخری سانس اور آخری سانس کے ساتھ اس کی روح کو اپنے منہ یا کسی تھیلی میں پکڑ لے' اس لئے کہ ہر وہ شخص جو سردار کے آخری سانس پکڑ لیتا ہے اس کے مقررہ جانشین کا ہم سر بن جاتا ہے۔ اسی لئے اس نامزد وارث کے دوسرے بھائی' بلکہ غیر لوگ بھی' سردار کی روح کو قفس عنصری سے پرواز کرتے وقت پکڑنے کے لئے اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ نیاس میں مکان ستونوں پر زمین سے اٹھا کر تعمیر کئے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ اتفاق سے سردار دم نزع فرش پر اوندھا پڑا ہوا تھا' ایک امیدوار نے جھٹ فرش میں چھید کر کے اس کے آخری سانس کو بانس کی نلکی کے ذریعے منہ میں کھینچ لیا۔ اگر سردار کے کوئی لڑکا نہ ہو تو اس کی روح کو ایک تھیلی میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ یہ متوفی کی ایک مورتی سے باندھ دی جاتی ہے اور پھر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اس کی روح مورتی میں منتقل ہو گئی ہے۔

بعض صورتوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ اور اس کے پیش رووں کے درمیان

روحانی رشتہ مؤخرالذکر کے کسی نہ کسی ایسے جسمانی جزو کی بنا پر قائم ہوتا ہے، جس پر بادشاہ کا قبضہ ہو۔ جنوبی سیلیبیز میں راج پاٹ کے لوازم عموماً متوفی راجاؤں کے اجزائے جسم پر مشتمل ہوتے ہیں، جنھیں تبرکات کے طور پر بڑی حفاظت سے رکھا جاتا ہے اور انہی کی بدولت راجا گدی کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اسی طرح جنوبی مڈغاسکر کے ساکالاؤں میں متوفی بادشاہ کا منکا، ناخن اور بالوں کی ایک لٹ مگرمچھ کے دانت میں سلاطین سلف کے ایسے ہی دوسرے آثار کے ساتھ بڑی احتیاط سے ایک علیحدہ مکان میں رکھے جاتے ہیں۔ تخت و تاج کا استحقاق انہی تبرکات کے قبضے پر موقوف ہوتا ہے۔ اگر سلطنت کا جائز وارث ان سے محروم ہوجائے تو رعایا پر اس کا کوئی اختیار نہیں رہتا اور جو شخص انہیں ہتھیا لے، وہ بے چون و چرا بادشاہ تسلیم کرلیا جاتا ہے۔ مغربی افریقہ میں جب سلطنت ایوکوتا کا بادشاہ ایک قضا کرتا ہے تو وہاں کے سربرآوردہ لوگ اس کا سرتن سے جدا کردیتے ہیں اور اسے مٹی کے ایک کشادہ برتن میں رکھ کر نئے بادشاہ کے حوالے کرتے ہیں۔ یہ سر بادشاہ کے لئے ایک جبرک فیتش کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے۔ بعض صورتوں میں نئے بادشاہ کو اپنے پیش رو کے مردہ جسم کا کوئی حصہ کھانا پڑتا ہے، جس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے اس کے اندر شاہی نسل کی سحری اور دوسری خصوصیات کے منتقل ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ چنانچہ ایوکوتا میں نہ صرف متوفی بادشاہ کا سر اس کے جانشین کو پیش کیا جاتا ہے بلکہ اس کی زبان بھی کاٹ کر مؤخرالذکر کو دی جاتی ہے کہ وہ اسے کھا جائے۔ اسی لئے جب اس ملک کے لوگوں کو یہ کہنا ہوتا ہے کہ بادشاہ حکومت کرتا ہے تو وہ اس بات کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں: "اس نے بادشاہ کو کھالیا ہے۔" اسی قسم کا ایک دستور مغربی افریقہ میں لاگوس کے ایک شہر لبوان میں آج تک جاری ہے۔ جب یہاں کا فرمانروا مرتا ہے تو اس کا سر کاٹ کر ملک کے رسمی حاکم اعلیٰ لویو کے الافین کو بھیج دیا جاتا ہے، جو سرزمین یوروبا کا شہنشاہ ہے، لیکن اس کا دل اس کا وارث کھا جاتا ہے۔ چند ہی سال ہوئے کہ نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے موقع پر یہ رسم ادا کی گئی تھی۔

مندرجہ بالا تمام شواہد کے پیش نظر یہ فرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ جب مقدس بادشاہ یا مذہبی پیشوا کو قتل کیا جاتا ہے تو عام عقیدے کی رو سے اس کی روح اس کے جانشین میں منتقل ہوجاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سفید نیل کے علاقے کے شلوکوں کے ہاں، جو اپنے مقدس

سلاطین کو باضابطہ قتل کیا کرتے ہیں' ہر بادشاہ کو ایک رسم ادا کرنی پڑتی ہے' جس کی غرض و غایت یہ معلوم ہوتی ہے کہ نئے بادشاہ میں اس کے پیش رووں کی مقدس روح پھونک دی جائے۔

CamScanner

تیسواں باب

بدروحوں کا اخراج

خبیث یا بدروحوں کا تصور بھی تقریباً" تمام تہذیبوں میں پایا جاتا ہے اور ان مختلف النوع روحوں سے نجات کے لئے کئی قسم کے وسائل اختیار کئے جاتے رہے ہیں' جن کے کارن سارے سماج کی جان غضب میں ہو۔ بیک وقت کسی قوم کے مجموعی آلام و مصائب دور کرنے کی ایسی کوشش کم یاب نہیں بلکہ اس کے برعکس یہ کوششیں بہت سے ملکوں میں کی گئی ہیں جن کی نوعیت شروع شروع میں اتفاقی ہوتی ہے اور ان کی تہہ میں جو ذہنی کیفیت کارفرما ہوتی ہے' ہماری سمجھ میں مشکل سے آئے گی۔ اصل میں ہماری ذہنی تربیت ایسے فلسفے کی مرہون منت ہے جس کی رو سے فطرت شخصی عنصر سے قطعی معرا ہے اور ان اثرات کی علت نامعلوم سے عبارت ہے' جو ایک ترتیب کے ساتھ ہمارے حواس پر مسلسل مرتب ہوتے رہے ہیں۔ لہٰذا ہمارے لئے انسان کی اس وحشیانہ حالت کا اندازہ وقت طلب ہے' جس میں ہمارے یہی حسی تاثرات روحوں کا روپ دھار کے سامنے آتے ہیں' یا روحوں کی کارستانی نظر آتے ہیں۔ روحوں کا لشکر جو کبھی ہمارے بالکل قریب تھا' سائنس کے معجزوں کی بدولت صدیوں سے پسپا ہوتا چلا جارہا ہے۔ گھر' کھنڈر' ویران عمارتیں' جنگل' تالاب وہ بھٹے پھٹے سیاہ بادل جن سے بجلیاں لپک لپک کر نکلتی ہیں "اور وہ دلکش بدلیاں جو چاند کے رو پہلے سر کے لئے تکیہ بن جاتی ہیں یا جن کے سرخ سرخ گالوں سے شام کی رنگینیوں کو چار چاند لگ جاتے ہیں' خالی ہو گئی ہیں۔ بلکہ وہ لشکر آسمان میں اپنے آخری مورچے کو بھی چھوڑ گیا ہے جس کا گنبد نیلگوں اب فقط بچوں کو ایک ایسا پردہ معلوم ہوتا ہے جو بنی آدم کی نگاہوں اور عالم ملکوت کے درمیان حائل ہو۔ ہاں کبھی کبھی شاعر کے سپنوں یا وفور جذبات میں کسی خطیب کی پرواز تخیل میں اس بھاگتے ہوئے لشکر کے پرچم کی جھلک دکھائی دے جاتی ہے۔ اس کے سیاہ کی پروں کی پھڑپھڑاہٹ میں طنز آمیز قہقہے کی گونج یا ملکوتی موسیقی کی لہر سنائی دے جاتی ہے۔ لیکن وحشی کے لئے صورت حال مختلف ہوتی ہے۔ اس کے خیال میں

عالم ہنوز ان گوناگوں اور بوقلموں ہستیوں سے بھرا پڑا ہے جنہیں معقولات نے اپنے دائرہ فکر سے خارج کردیا ہے۔ پریاں' بھوت پریت اور ارواح خبیثہ ابھی تک سوتے جاگتے اس کے آس پاس منڈلاتی ہیں۔ وہ اس کے ساتھ سائے کی طرح لگی رہتی ہیں' اس کے حواس مختل کردیتی ہیں' اس کے اندر حلول کرجاتی ہیں یا سر پر سوار ہوجاتی ہیں اور بے شمار طریقوں سے اسے ہراساں کرتی' فریب دیتی اور آزار پہنچاتی رہتی ہیں۔ اسے جو حادثے پیش آتے ہیں' نقصان برداشت کرنے اور دکھ اٹھانے پڑتے ہیں انہیں اگر وہ اپنے دشمنوں کے جادو سے منسوب نہیں کرتا تو روحوں کے بغض' غصے یا تلون مزاجی کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ آٹھوں پہر ان کی موجودگی اس کے لئے مصیبت بن جاتی ہے اور ان کے پیہم عناد سے اسے غصہ آجاتا ہے۔ اس کا جی بری طرح چاہتا ہے کہ ان سے کسی طرح اس کی جان چھوٹے اور کبھی کبھی جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوجاتا ہے تو وہ بصد غیظ و غضب اپنے ان موذی دشمنوں پر پلٹ پڑتا ہے اور جان پر کھیل کے ان کے سارے غول کو اپنے ملک کی سرزمین سے نکال باہر کرنے کی کوشش کرتا ہے' تاکہ وہ کم از کم وقتی طور پر اطمینان کا سانس لے سکے اور بے خوف آزادی سے چل پھر سکے۔ یہی وجہ ہے جو جاہل اور غیر متمدن لوگوں کی دفع مصائب کی کوششیں عموماً" شیاطین یا ارواح خبیثہ کی تلاش اور اخراج عام کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ ان کم بخت موذیوں سے پیچھا چھڑالیں تو انہیں نئی زندگی مل جائے گی' مسرتوں سے پر اور گناہوں سے پاک' عدن اور ست جگ (سنہری دور) کے قصے حقیقت بن جائیں گے۔

بلاؤں کا ہنگامی اخراج

لہٰذا ہمارے لئے یہ سمجھنا چنداں دشوار نہیں کہ مصیبت کے دفع عام کی رسمیں جو وحشی وقتاً" فوقتاً" ادا کرتا ہے بھوتوں کے جبری اخراج کی شکل کیوں اختیار کرلیتی ہیں۔ ان خبیث روحوں میں دور جاہلیت کے انسان کو اپنی بیشتر نہیں تو بہت سی مصیبتوں کا اصل سبب نظر آجاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اگر ان سے چھٹکارا حاصل کرلے تو حالات اس کے موافق ہوجائیں گے۔ سارے سماج کے مجموعی مصائب کے اخراج کی اجتماعی کوششوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ان میں ایک کا تعلق ان خارج شدہ مصائب سے ہے جو غیر مرئی یا غیرمادی ہوں اور دوسری کا ان مصائب سے جنہوں نے کسی جسمانی یا مادی وسیلے کی صورت

اختیار کرلی ہو یا جو صدقے کے بکرے پر مشتمل ہوں۔ اول الذکر کو فوری یا براہ راست اخراج مصائب سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور موخرالذکر کو بالواسطہ اخراج سے یا کسی صدقے کے بکرے کے ذریعے۔

جزیرہ روک میں جو نیوگنی اور نیوبرٹن کے درمیان واقع ہے' جب کوئی آفت آتی ہے تو سب لوگ مل کے چیختے چلاتے کونے دیتے اور ہوا میں لکڑیاں چلاتے ہوئے دوڑتے ہیں کہ اس بھوت کو مار بھگایا جائے جو ان کے خیال میں باعث آفت ہوتا ہے۔ اس مقام سے جہاں وہ آفت آئی ہو' وہ اسے قدم بہ قدم ہانکتے سمندر تک لے جاتے ہیں۔ ساحل پر پہنچ کر اس بلا کو جزیرے کی حدود سے نکال باہر کرنے کے لئے ان کی چیخوں اور لکڑیوں کی ضربوں کا زور دگنا ہوجاتا ہے۔ بھوت عموماً" سمندر یا جزیرہ لوٹن میں چلا جاتا ہے۔ جزیرہ نیو برٹن کے دیسی بیماری' خشک سالی' فصلوں کی خرابی' غرض کہ جملہ مصائب کو بدروحوں کے اثر سے منسوب کرتے ہیں۔ چنانچہ جس وقت لوگوں کی بڑی تعداد بیمار ہوکر مرجاتی ہے' جیسا کہ بارش کے آغاز پر ہوتا ہے' کسی ضلع کے تمام باشندے سونٹوں اور درختوں کی شاخوں سے لیس ہو کے چاندنی رات میں کھیتوں پر پہنچتے ہیں' جہاں وہ بری طرح چیختے ہوئے زمین کو پیٹتے اور اس پر پیر پٹختے رہتے ہیں۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ اس کارروائی سے بھوت بھاگ جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نیوکیلی ڈونیا کے دیسیوں کے عقیدے کے بموجب اصل ابلیات ایک طاقتور اور شریر روح ہے' لہٰذا اس روح سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے وہ وقتی" فوقی" ایک گڑھا کھودتے ہیں جس کے گرد قبیلے کے تمام افراد جمع ہوجاتے ہیں۔اس بدروح پر تبرا بھیجنے کے بعد وہ اس گڑھے میں مٹی ڈال دیتے ہیں۔ اس کارروائی کو خبیث روح کا دفنانا کہا جاتا ہے۔ وسطی آسٹریلیا کے ڈائری قبیلے میں جب کسی پر شدید مرض کا حملہ ہوتا ہے تو طلسم گر کوچی یا بھوت کو قبیلے کے پڑاؤ کے اندر اور باہر کانگرو کی بھس بھری دم زمین پر مار مار کے خارج کردیتا ہے' یہاں تک کہ وہ بھوت پڑاؤ سے دور بھاگ جاتا ہے۔

جب کسی گاؤں پر تابڑ توڑ آفات نازل ہوتی رہی ہوں یا جو شدید وبا کا شکار رہا ہو تو سیلبیز کے منہاسا اس کے لئے ان شیاطین کو مورد الزام قرار دیتے ہیں جن کی گاؤں میں ریل پیل ہوگئی ہو اور جنہیں گاؤں سے نکال باہر کرنا لازمی ہو۔ چنانچہ ایک دن علی الصبح تمام لوگ' عورتیں مرد اور بچے سب گھر چھوڑ کے اور اپنا مال و اسباب ساتھ لے کے ان عارضی جھونپڑیوں میں سکونت اختیار کرلیتے ہیں جو گاؤں کے باہر بنائی جاتی ہیں۔ یہاں وہ کئی دن

قربانیاں دیتے اور آخری رسم کی تیاری کرتے ہوئے گزار دیتے ہیں۔ آخرکار بستی کے مرد' جن میں کچھ مصنوعی چہرے لگائے' کچھ اپنے چہروں پر کالک ملے' اور کچھ دوسرے روپ بھرے لیکن سب کے سب تلواروں' بندوقوں' نیزوں یا جھاڑیوں سے لیس دبے پاؤں اس اجاڑ گاؤں میں گھس جاتے ہیں اور پھر مذہبی پیشوا کے ایک اشارے پر وہ گھروں کے اندر اور گلی کوچوں کے نیچے (کیونکہ وہ زمین سے بلندی پر تودوں کے اوپر بنے ہوتے ہیں) دوڑے پھرتے اور دیواروں' دروازوں اور کھڑکیوں کو پیٹتے چیختے چلاتے جاتے ہیں تاکہ شیاطین کو مار بھگائیں۔ پھر مذہبی پیشوا اور باقی لوگ متبرک آگ لئے پہنچتے ہیں اور اسے لئے لئے نو دفعہ ہر گھر کے اطراف چکر کاٹتے ہیں اور تین دفعہ اس سیڑھی کے گرد جو گھر پر چڑھنے کے لئے لگی ہوتی ہے۔ پھر وہ آگ باورچی خانے لے جائی جاتی ہے' جہاں تین دن متواتر اس کا جلتا رہنا ضروری ہے۔ اس کے بعد گاؤں شیاطین سے پاک ہوجاتا ہے اور وہ سب لوگ خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔

ہلماہیرا کے الفور وبائی امراض کو اس بھوت سے منسوب کرتے ہیں جو انہیں لے جانے دوسرے گاؤں سے آیا ہے۔ چنانچہ جادوگر اس بھوت کو مار بھگاتا ہے تاکہ انہیں وبا سے نجات ملے۔ سارے گاؤں والے مل کے اسے بیش قیمت پوشاک دیتے ہیں۔ اسے وہ ان چار برتنوں میں ڈال دیتا ہے جنہیں لے کے وہ جنگل پہنچتا ہے اور اس مقام پر رکھ دیتا ہے اور پھر تمسخرانہ انداز میں بھوت سے کہتا ہے کہ وہ اس جگہ کو چھوڑ جائے۔ نیوگنی کے جنوب مغرب میں جزیرہ کائی پر خبیث روحوں کا ایک زبردست لشکر موجود ہے' جو مردوں کی روحوں یا پرچھتوں سے بالکل ممیز ہیں اور ایک زبردست غول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قریب قریب ہر درخت اور ہر غار ان میں سے کسی نہ کسی بھتنے کا مسکن ہے' نیز یہ روحیں بڑی تنگ مزاج واقع ہوئی ہیں اور ذرا سے اشتعال پر اڑ جاتی ہیں۔ ان کا غضب' بیماری اور دوسرے مصائب کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔ اس لئے وبا جیسی کسی آفت عام کی صورت میں جس کے علاج کی تمام تدبیریں ناکام ہوجائیں بستی کے تمام لوگ مذہبی رہنما کی پیشوائی میں ایک ایسے مقام پر پہنچتے ہیں جو گاؤں سے کچھ فاصلے پر ہو۔ یہاں سورج ڈوبتے وقت دو کھمبے گاڑ دیے جاتے ہیں جن کے درمیان ایک آڑی بلی باندھ دی جاتی ہے' جس سے چاول کی بوریاں' لکڑی کی گھومتی بندوقیں' گھنٹیاں گھنٹے وغیرہ لگا دیے جاتے ہیں۔ پھر جب ان کھمبوں کے پاس ہر شخص اپنی اپنی جگہ جا پہنچتا ہے اور موت کی سی خاموشی چھا جاتی ہے تو مذہبی پیشوا کی آواز

بلند ہوتی ہے' جو روحوں کو ان کی اپنی زبان میں یوں مخاطب کرتا ہے: "ہو! ہو! ہو! اے خبیث روحوں جو درختوں میں بستی ہو' غاروں میں رہتی ہو' زمین میں بسیرا کرتی ہو' ہم تمہیں یہ گھومتی بندوقیں یہ گھنٹیاں وغیرہ پیش کرتے ہیں' بیماری ختم ہوجائے اور بہت سی جانیں بچ جائیں۔" اس کے بعد ہر شخص اپنی پوری رفتار سے گھر واپس بھاگ جاتا ہے۔

جزیرہ نیاس میں جب کسی مریض کی حالت نازک ہو اور علاج کی دوسری تمام تدبیریں ناکام ہوگئی ہوں تو جادوگر اپنے عمل سے اس بھوت کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے جو مرض کا باعث ہو۔ مکان کے سامنے ایک کھمبا گاڑ دیا جاتا ہے اور اس کھمبے کی انی سے بندھی کھجور کے پتوں سے بٹی ہوئی ایک رسی گھر کی چھت پر پھیلا دی جاتی ہے۔ پھر وہ جادوگر ایک سور لئے چھت پر چڑھ جاتا ہے اور وہاں سور کو ہلاک کرکے اسے نیچے زمین پر لڑھکا دیتا ہے۔ بیماری کا بھوت سور کو حاصل کرنے کے لئے آؤ دیکھتا ہے نہ تاؤ جھٹ کھجور کی رسی کے سہارے نیچے اتر آتا ہے اور ایک نیک روح' جسے جادوگر دہائی دے کر بلاتا ہے' بھوت کو دوبارہ اوپر چڑھنے سے روک دیتی ہے۔ اگر یہ علاج کارگر نہ ہو تو یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ گھروں میں ضرور کچھ اور بھوت چھپے ہونگے۔ چنانچہ سب مل کے ان کی تلاش شروع کردیتے ہیں۔ ایک سقفی دریچے کے سوا گھر کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بھیڑ دی جاتی ہیں۔ مرد جو گھر میں بند ہوتے ہیں' گھنٹوں کی جھنکار اور ڈھولوں کی دھما دھم میں اپنی تلواریں دائیں بائیں چلانی شروع کردیتے ہیں۔ اس حملے سے خوفزدہ ہو کے بھوت سقفی دریچے سے بچ نکلتے ہیں اور کھجور کے پتوں کی رسی پر سے پھسل کر چمپت ہوجاتے ہیں۔ چونکہ چھت والے دریچے کے سوا گھر کے سارے دروازے اور کھڑکیاں بند ہوتی ہیں' لہذا بھوت پھر گھر میں داخل نہیں ہوسکتے۔ وبا کی صورت میں بھی کچھ اسی قسم کی کارروائی کی جاتی ہے۔ گاؤں کے سارے گیٹ بند کردئے جاتے ہیں' سوائے ایک کے۔ ہر شخص چیخنا شروع کردیتا ہے ساری گھنٹیاں اور ڈھول بجنے لگتے ہیں اور ہر تلوار گھومنے لگتی ہے۔ اس طرح بھوتوں کو گاؤں سے نکال باہر کردیا جاتا ہے اور ان کے پیچھے وہ آخری گیٹ بھی بند کردیا جاتا ہے۔ اس کے بعد آٹھ دن تک گاؤں کا محاصرہ کیا جاتا ہے اور کسی کو اس میں جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

جب برما کے کسی گاؤں میں ہیضہ پھوٹ پڑتا ہے تو کچھ صحیح الجسم مرد گھر کی چھتوں پر ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چڑھ جاتے ہیں اور ان پر بانس اور جلانے کی لکڑیاں لئے لیٹ

جاتے ہیں' جب کہ بستی کے دوسرے سارے پیر و جوان بچے کھڑے ڈھول پیٹتے' سنکھ بجاتے بری طرح چیختے چلاتے فرش' دروازوں' ٹین کے پراتوں اور ہر چیز کو پیٹتے ہوئے ایک ہنگامہ بپا دیتے ہیں۔ اس شور کا متواتر تین راتوں تک مچایا جانا بیٹھے کے بھوتوں کو نکالنے کی موثر تدبیر سمجھا جاتا ہے۔ جنوب مشرقی ہند کے کومیوں نے جب پہلی مرتبہ چیچک کو دیکھا تو یہ سمجھے کہ یہ اراکان سے آیا ہوا بھوت ہے۔ متاثرہ گاؤں کا محاصرہ کر لیا گیا اور ان میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ ایک بندر زمین پر پٹخ کر مارا گیا اور اس کی لاش گاؤں کے دروازے پر ٹانگ دی گئی۔ اس کے خون میں دریائی سنگ ریزے ڈبو ڈبو کر اس کے چھینٹے تمام مکانوں پر اڑائے گئے۔ ہر گھر کی دہلیز کو اس بندر کی دم سے جھاڑا گیا اور بھوت کی منتیں کی گئیں کہ وہ چلا جائے۔

جب مغربی افریقہ کے گولڈ کوسٹ پر کسی وبا کا زور ہو تو کبھی کبھی لوگ بدروحوں کو مار بھگانے کے لئے ڈنڈوں اور مشعلوں سے لیس ہو کے نکل آتے ہیں۔ مقررہ اشارے پر بستی کے تمام لوگ ایک ساتھ چیختے چلاتے گھروں کے کونے کونے پر ڈنڈے مارتے ہیں اور مشعلیں ہلاتے اور ہوا میں ڈنڈے چلاتے گلی کوچوں میں دیوانہ وار دوڑتے ہیں۔ یہ ہنگامہ اسی طرح بپا رہتا ہے حتیٰ کہ کوئی شخص یہ خبر سناتا ہے کہ مرعوب اور خوفزدہ شیاطین قصبے یا گاؤں کے کسی دروازے سے بچ نکلے ہیں۔ لوگوں کا ایک ہجوم ان کے پیچھے نکل پڑتا ہے۔ جنگل میں کچھ دور تک ان کا تعاقب کیا جاتا ہے اور انہیں تنبیہہ کی جاتی ہے کہ وہ پلٹ کر نہ آئیں۔ بھوتوں کے اخراج کی اس رسم کے بعد گاؤں یا قصبے کے تمام مرغوں کا قتل عام شروع ہو جاتا ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی بے وقت کی بانگوں سے بستی سے نکلے ہوئے ان بھوتوں کو اس سمت کا پتہ نہ چل جائے' جدھر جانے سے وہ اپنے پرانے گھروں کو لوٹ سکتے ہوں۔ جب ہیورانوں (ایک امریکی الاصل قوم) کے ایک گاؤں میں بیماری پھیلی ہوئی تھی اور علاج کی تمام صورتیں ناکام ہو گئی تھیں تو اس قوم نے ایک رسم ادا کی تھی: "ان کا کہنا ہے کہ یہ رسم گاؤں یا قبیلے سے ان بھوتوں یا خبیث روحوں کو نکالنے کی خاص ترکیب اور سب سے موزوں ذریعہ ہے' جو ان کی تمام ذہنی یا جسمانی علتوں کا سبب ہیں۔" چنانچہ ایک شام مرد گاؤں میں دیوانوں کی طرح دوڑنے لگے اور وگ واموں (شمالی امریکہ کے دیسیوں کا خیمہ یا جھونپڑی جو کھالوں یا درخت کی چھال وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے) میں جو کچھ ان کے سامنے آیا اسے توڑ دیا یا الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ گلیوں میں انھوں نے انگارے

اور جلتی لکڑیاں بکھیر دیں اور تمام رات مسلسل گاتے اور چیخیں مارتے دوڑتے رہے۔ پھر وہ دل ہی دل میں چند چیزوں کی خواہش کرتے' جیسے چاقو' کتا' کھال یا کچھ اور۔ پھر جب صبح ہوتی تو گھر گھر تحفے مانگتے پھرتے' جنہیں وہ بڑی خاموشی سے وصول کر کے چلے جاتے اور جب انہیں کسی جھونپڑی سے وہ خاص شے مل جاتی جو انہوں نے خواب میں دیکھی تھی تو خوشی کے نعرے لگاتے اور حاضرین کی مبارکباد کے شور میں وہاں سے بھاگ جاتے۔ ان کے عقیدے کے بموجب اس شخص کو جسے اپنی تصور کردہ شے مل جائے اس کی صحت و تندرستی یقینی ہو جاتی اور جو شخص اس سے محروم رہے اس کی قسمت کا فیصلہ ہو چکتا ہے۔

بعض وقت گھروں سے بیماری کے بھوتوں کو مار بھگانے کی بجائے وحشی انہیں اپنی جگہ پر سکون کے ساتھ چھوڑ دینا پسند کرتے ہیں اور خود وہاں سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ ان کا تعاقب نہ کرنے پائیں۔ چنانچہ جب پیٹاگونیا والوں پر چیچک کا حملہ ہوتا' جسے وہ کسی خبیث روح کی شرارت سمجھتے تو بیماروں کو چھوڑ کر ہوا میں اپنے ہتھیار چلاتے اور پانی کے چھینٹے اڑاتے بھاگ جاتے تاکہ بھوت ان کا تعاقب چھوڑ دے اور جب کئی دن کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ ایک ایسے مقام پر پہنچتے جو ان کی دانست میں بھوت کی رسائی سے باہر ہو تو از راہ احتیاط اپنے تمام کاٹنے والے ہتھیار زمین میں گاڑ دیتے' اس طرح کہ ان کی دھاروں کا رخ اس سمت رہتا جدھر سے وہ آئے ہوں' جیسے وہ دشمن کے رسالے کے دستے کا حملہ روک رہے ہوں۔ اسی صورت سے جب گران چیکو کے لولیوں اور لونوکوئیوں پر کسی وبائی مرض کا حملہ ہوتا تو وہ باظابطہ اس سے بچ نکلنے کی کوشش کرتے۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے وہ ہمیشہ پر پیچ راستہ اختیار کرتے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایسا کرنے سے جب بیماری ان کا پیچھا کرے گی تو راہ کے موڑ اور پیچ و خم اسے تھکا کر چور کر دیں گے۔ اور وہ انہیں نہ پا سکے گی۔ جب نیو میکسیکو کے قدیم باشندوں کی ایک معتدبہ تعداد چیچک یا کسی اور وبائی مرض کا شکار ہو جاتی تو وہ ہر روز اپنی جائے سکونت بدل دیا کرتے اور پہاڑوں کے نہایت سنسان اور چن چن کے سب سے خاردار کنج ہائے عزلت میں پناہ لیتے۔ انہیں یہ توقع ہوتی کہ چیچک اپنے کھرچے جانے کے ڈر سے کانٹوں میں ان کا پیچھا کرتی ہرگز نہ جائے گی۔ رنگون کی چین قوم کے لوگوں پر اپنے برما کے دوران سفر میں ہیضے کا حملہ ہوا تو انہوں نے ننگی تلواریں سونت لیں اور گشت کرنا شروع کر دیا کہ وبا کا بھوت ڈر کے بھاگ جائے۔ نیز وہ کچھ دن جھاڑیوں میں دبکے رہے کہ بھوت انہیں نہ پا سکے۔

CamScanner

بلاؤں کا معیادی اخراج

کبھی کبھی دفع مصائب ہنگامی سے معیادی حیثیت اختیار کرلیتا ہے اور کسی مقررہ مدت کے اختتام پر' عموماً" سال میں ایک مرتبہ ارواح خبیثہ سے نجات عام ضروری خیال کی جانے لگتی ہے تاکہ لوگ ان مضر اثرات یا قوتوں سے محفوظ ہو کر ایک نئی زندگی شروع کردیں جو ایک عرصے سے جمع ہوتی رہی ہوں۔ بعض آسٹریلوی وحشی ہر سال اپنے علاقے سے مردوں کی ارواح کو نکالا کرتے تھے۔ اس کی رسم تقدس رڈلے نے دریائے باروان کے کنارے دیکھی تھی: "کوئی بیس آدمیوں کا ایک طائفہ جس میں پیر و جوان شامل تھے' اپنے بوم رینگ (آسٹریلویوں کا چوبی ہتھیار جو پھینکنے والے کے پاس واپس آجاتا ہے) بجا بجا کے گا رہا تھا۔ اچانک چھال کے ایک ٹکڑے میں سے ایک آدمی نکل پڑا جس کے جسم پر سفید مٹی (جس کی دمیاں بنائی جاتی ہیں) ملی ہوئی تھی اور سر اور چہرے پر زرد اور سرخ لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔ پروں کا ایک گچھا ایک چھوٹی سی لکڑی کے سہارے اس کی چندیا سے کوئی دو فٹ اونچا بندھا ہوا تھا۔ وہ آسمان پر نظریں گاڑے کوئی بیس منٹ تک بالکل چپ چاپ کھڑا رہا۔ ان میں ایک شخص نے جو میرے قریب کھڑا تھا' مجھے بتایا کہ وہ آدمی پریتوں کو دیکھنے کی کوشش کررہا ہے۔ آخرکار وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا اور پھر ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر پوری رفتار سے دوڑنا شروع کردیا' ساتھ ہی وہ ایک ٹہنی بھی اس طرح گھماتا جاتا تھا جیسے کچھ غیر مرئی دشمنوں کو مار بھگاتا ہو۔ میں سمجھا کہ یہ خاموش تماشا اب ختم ہوا جاتا ہے' لیکن اسی وقت کیا دیکھتا ہوں کہ دس اور آدمی اسی صورت سے آراستہ اچانک درختوں کے پیچھے سے نمودار ہوئے اور ان کی ساری جماعت پراسرار حملہ آوروں کے ساتھ مصروف پیکار ہوگئی۔ کچھ واقعات سلسلہ وار بڑی تیزی سے پیش آگئے جن کے مظاہرے میں انہوں نے اپنا سارا زور صرف کر ڈالا۔ آخرکار انہوں نے اپنی وحشیانہ سرگرمی کے بعد جو رات بھر اور دن نکلنے کے بعد بھی کچھ گھنٹے جاری رہی' آرام کیا۔ انہیں اطمینان ہوچکا تھا کہ ان کی اس کارروائی سے سال بھر کے لئے روحیں دفع ہوچکی ہیں۔ یہی رسم دریا کے کنارے جگہ جگہ ادا کی جارہی تھی اور مجھے بتایا گیا کہ یہ ایک سالانہ دستور ہے۔"

بعض سالانہ موسم ایسے ہیں جو قدرتی طور پر شیاطین کے اخراج کے لئے موزوں نظر آتے ہیں۔ ایسا ایک موسم قطب شمالی کی سردیاں ہیں جن میں آفتاب ہفتوں اور مہینوں غائب

رہنے کے بعد افق پر نمودار ہوتا ہے۔ چنانچہ پائنٹ بارو کے مقام پر' جو الاسکا اور قریب قریب امریکہ کا بھی منتہائے شمال ہے' اسکیموؤں نے ظہور آفتاب کو اپنے گھروں سے خبیث روح ٹونا کے اخراج عام کا وقت قرار دے رکھا ہے۔ اس رسم کو ممالک متحدہ امریکہ کی قطب جو مہم کے وفد کے ارکان نے دیکھا تھا جنہوں نے سردیاں پائنٹ بارو پر گزاری تھیں۔ چنانچہ اس میں کونسل گھر کے سامنے ایک انگیٹھی بنائی گئی اور ہر گھر کی دہلیز پر ایک ایک بڑھیا متعین کر دی گئی۔ مرد کونسل گھر کے گرد جمع ہو گئے' جب کہ جوان عورتیں اور لڑکیاں اس خبیث روح کو نکالنے کے لئے تختوں اور ہرن کی کھالوں کے نیچے بری طرح چھڑیاں مارنے لگیں' جس کے ساتھ وہ ٹونا سے کہتی جاتی تھیں کہ وہ دفع ہو جائے۔ جب انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ روح گھر کے ایک ایک کونے اور سوراخ سے نکالی جا چکی ہے تو چیختے چلاتے اور دیوانوں کی سی حرکتیں کرتے اور اسے فرش سے دھکے دیتے ہوئے گھر کے باہر لے گئے۔ اس دوران میں ہر گھر کے دروازے پر متعین بوڑھی عورت ہوا میں ایک لمبا چھرا ہلاتی رہی تاکہ ٹونا لوٹ کے نہ آنے پائے۔ اس طرح ہر جماعت ٹونا کو باہمی انگیٹھی کی طرف لے گئی اور اسے کہتی گئی کہ وہ آگ میں چلی جائے۔ اس مرحلے پر سب لوگ ایک نیم دائرے کی صورت میں آگ کے گرد صف بستہ ہو گئے اور ان کے بہت سے رہنماؤں نے روح پر کچھ الزام لگائے' جن میں ہر ایک اپنی تقریر کے بعد اپنے کپڑوں پر برش پھیرتا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ روح سے کہتا جاتا کہ اسے چھوڑ کر آگ میں چلی جائے۔ اس کے بعد دو آدمی رائفلیں لئے' جن میں خالی کارتوس بھرے تھے' آگے بڑھے اور ایک تیسرا شخص پیشاب سے بھرا ہوا برتن لایا اور اسے آگ پر انڈیل دیا' ساتھ ہی اول الذکر آدمیوں سے ایک نے آگ پر بندوق داغ دی۔ جوں ہی اس سے دھواں اٹھا' دوسرا فائر ہوا جس سے ان کی دانست میں کچھ عرصے کے لئے ٹونا کا قصہ پاک ہو گیا۔

خزاں کے موسم میں جب زمین پر طوفانوں کا زور ہوتا ہے اور ان سے وہ برفانی زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں جن سے ابھی سمندر پوری طرح مستفید نہیں ہوتا' جب برف کی سلیں کھسک کھسک کے ایک دوسرے سے ٹکراتی اور کڑکتی ہوئی پاش پاش ہو جاتی ہیں اور جب برف کے ٹکڑوں کے بے ترتیب انبار لگ جاتے ہیں تو جزیرہ بافن لینڈ کے اسکیمو یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں ان روحوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں جو شر آلود فضا میں بستی ہیں۔ پھر مردوں کی روحیں بری طرح جھونپڑیوں کے دروازوں کو کھٹکھٹانے لگتی ہیں' جن میں وہ داخل نہیں

ہو سکتیں۔ ہائے وہ بدنصیب کہ جسے وہ پکڑ لیں! وہ بہت جلد بیمار ہو کے مرجاتا ہے۔ پھر ایک مہیب اور بے بال کتے کا سایہ حقیقی کتوں کا پیچھا کرتا ہے جسے دیکھتے ہی ان پر ایسا لرزہ طاری ہوتا اور تشنج کے دورے پڑتے ہیں کہ ان کا کام تمام ہو جاتا ہے۔ ساری ارواح خبیثہ کا نڈی دل اس وقت باہر نکل آتا ہے اور بیماری اور موت' خراب موسم اور شکار میں ناکامی سارے مصائب اسکیموؤں پر توڑ دیتا ہے۔ ان تمام بلاؤں میں سب سے زیادہ خوفناک خاتون عالم اسفل سیڈنا اور اس کا باپ ہے جن کے حصے میں مردہ اسکیمو آتے ہیں۔ جب کہ دوسری روحیں پانی اور ہوا میں بستی ہیں' وہ زمین کے نیچے سے نکلتی ہیں۔ یہ موسم جادوگروں کی مصروفیت کا موسم ہے۔ اس وقت ہر گھر سے ان کا گانا اور دعائیں سنائی دیں گی جس کی پشت پر ٹمٹماتے چراغ کی روشنی میں ایک پر اسرار اداسی کے عالم میں بیٹھے وہ روحوں کی منتیں کرتے ہیں۔ سب سے مشکل کام سیڈنا کا نکالنا ہے اور یہ کام سب سے طاقتور جادوگر کے لئے مخصوص ہے۔ اس غرض سے کسی کشادہ جھونپڑی کے فرش پر رسی کی ایک کنڈلی اس طرح بنا دی جاتی ہے کہ اس کے اوپر سیل کی ناک کے چھید سے ملتا جلتا ایک سوراخ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ دو جادوگر اس کے برابر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان میں ایک اس طرح نیزہ پکڑے کھڑا ہوتا ہے جیسے سیل کی تاک میں ہو اور دوسرا ایک ہارپون کی رسی تھامے۔ ایک تیسرا جادوگر جھونپڑے کی پشت پر جادو کے بول الاپتا رہتا ہے۔ تاکہ اس سے سیڈنا کھنچی چلی آئے۔ پھر جھونپڑی کے فرش کے نیچے کچھ آواز سنائی دیتی ہے' جیسے وہ آن پہنچی ہو اور لمبے لمبے سانس لے رہی ہو۔ اس کے بعد وہ کنڈلی کے چھید پر برآمد ہو جاتی ہے اور اسے ہارپون کی ضرب لگا دی جاتی ہے۔ اس پر وہ غصے کی حالت میں جلدی سے نیچے چلی جاتی ہے اور اپنے ساتھ ہارپون کو بھی گھسیٹ کر لے جاتی ہے۔ ادھر دو آدمی اپنی پوری قوت سے ہارپون کی رسی کو تھامے رہتے ہیں۔ یہ کش مکش بڑی سخت ہوتی ہے لیکن انجام کار وہ زچ ہو کے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے آپ کو چھڑا لیتی ہے اور ایڈلی ون میں اپنے مسکن کو لوٹ جاتی ہے۔ جب ہارپون کو اس چھید میں سے نکالا جاتا ہے تو اس پر خون کے چھینٹے نظر آتے ہیں اور اسے جادوگر بڑے فخر سے اپنی شجاعت کے ثبوت کے طور پر سب کو دکھاتے ہیں۔ اس طرح آخر سیڈنا اور دوسری بد روحوں کو نکال باہر کیا جاتا ہے اور اگلے دن جوان بوڑھے سب مل کے اس کی خوشی میں ایک بڑا تیوہار مناتے ہیں۔ انہیں اب بھی محتاط رہنا پڑتا ہے اس لئے کہ زخمی سیڈنا غضب ناک ہوتی ہے اور جھونپڑی کے باہر جو بھی مل جائے اسے پکڑ لیتی ہے' چنانچہ سب

لوگ اپنی کلائیوں پر حرز باندھے رہتے ہیں تاکہ اس سے بچے رہیں۔ یہ حرز ان کپڑوں کی دھجیوں پر مشتمل ہوتے ہیں جو پیدائش کے بعد انہیں پہنائے گئے ہوں۔

اراکوئی قوم (امریکہ کے متعدد جنگ جو قبائل کا مشہور اتحاد) ہورانیوں کے اس تیوہار کے سے ایک "خوابوں کے جشن" کے ساتھ جو خاص موقعوں پر منایا جاتا تھا' اپنے نئے سال کا آغاز جنوری' فروری یا مارچ میں (اس کا وقت بدلتا رہتا تھا) کیا کرتے تھے' اس جشن کی رسمیں جن کی شکل ایک ہنگامہ عیش و نشاط کی سی تھیں' دنوں بلکہ ہفتوں جاری رہتیں۔ مرد اور عورتیں بھانت بھانت کے بھیس بدلے گھر گھر پہنچتے اور جو کچھ ان کے ہاتھ لگتا اسے اٹھا اٹھا کر پھینکتے۔ ان ایام میں ہر ایک شخص کو آزادی تھی کہ جو جی چاہے کرے اور لوگوں کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے ہیں اور اس لئے دوران جشن میں وہ اپنے اعمال کے ذمہ دار نہیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ناپسندیدہ اشخاص کی بری گت بناتے: انہیں پیٹا جاتا' یخ سے ٹھنڈے پانی میں نہلایا جاتا اور ان پر گندگی یا گرم گرم راکھ ڈالی جاتی۔ اس پہلے شخص پر' جس سے اس آمنا سامنا ہوتا۔ بعض دوسرے لوگ جلتی لکڑیاں یا انگارے اٹھا اٹھا کے پھینکتے۔ ان اذیت دھندوں سے بچنے کی صرف ایک صورت تھی اور وہ یہ کہ اس چیز کا خیال کیا جائے جس کا انہوں نے خواب دیکھا ہو۔ ایام جشن میں ایک دن گاؤں سے ارواح خبیثہ کے اخراج کی رسم ادا کی جاتی تھی۔ اس میں مرد جانوروں کی کھالیں اوڑھے ڈراؤنے مصنوعی چہرے لگائے اور ہاتھوں میں کچھوؤں کے خول پہنے خوفناک چیخیں مارتے جھونپڑی جھونپڑی پہنچتے۔ گناہوں کا اعتراف عام جو اس جشن سے پہلے عمل میں آتا ہو' غالبا" برے اثرات سے نجات عام کی تیاری یا تمہید کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ لوگوں کو اپنے اعمال بد کے بار سے سبکدوش کرنے کی ایک صورت تھی تاکہ ان اعمال کو اکٹھا کر کے پھینک دیا جائے۔

ستمبر میں پیرو کے انکا ایک تیوہار مناتے تھے جو ستوا یا چوا کے نام سے موسوم تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مملکت کی راج دھانی اور اس کے مضافات سے ہر قسم کی مصیبت اور بیماری کو دفع کیا جائے۔ یہ تیوہار ستمبر میں اس لئے آتا تھا کہ اس زمانے میں برسات شروع ہوتی تھی۔ پہلا چھینٹا اپنے ساتھ بالعموم بیماری لے کر آتا۔ اس کی تیاری میں لوگ اعتدال خریفی کے بعد چاند کی پہلی تاریخ کو روزہ رکھتے۔ دن بھر کے روزے کے بعد جب شام آتی تو مکی کی کاڑھی لپٹی پکائی جاتی۔ یہ لپٹی دو قسم کی پکتی' ایک سادہ اور ایک ایسی کہ جس کا آٹا

پانچ سے دس سال کے بچوں کے خون سے گوندھا جاتا' جو ان کے دونوں ابروؤں کے بیچ سے لیا جاتا۔ دو قسم کی یہ پیٹیں الگ الگ پکائی جاتیں اس لئے کہ ان کے دو الگ الگ مصرف تھے۔ ہر خاندان کے افراد جشن منانے کے لئے سب سے بڑے بھائی کے گھر جمع ہوتے اور جن کا کوئی بڑا بھائی نہ ہوتا وہ اپنے کسی ایسے بزرگ کے گھر جو ان کا قریبی رشتہ دار ہو۔ اس رات وہ تمام لوگ جنھوں نے دن میں روزہ رکھا ہو' غسل کرتے اور ذرا ذرا سی خون والی لپٹی' اپنے سر' چھاتی' کندھوں' بازوؤں اور ٹانگوں پر ملتے۔ اس کارروائی سے ان کا مقصد یہ تھا کہ لپٹی کے اثر سے ان کی ساری کمزوریاں دور ہو جائیں۔ اس کے بعد صدر خاندان یہ لپٹی گھر کی دہلیز پر ملتا اور اسے اس بات کی نشانی کے طور پر وہیں چھوڑ دیتا کہ اہل خانہ رسم طہارت ادا کر کے اپنے جسم پاک کر چکے ہیں۔ اس دوران میں ادھر پیشوائے اعظم سورج کے مندر میں انہیں رسموں کی انجام دہی میں مصروف ہوتا۔ جوں ہی سورج نکلتا تمام لوگ اس کی پوجا کرتے اور اس سے ملتجی ہوتے کہ وہ تمام بلاؤں کو شہر سے دور کر دے۔ پھر وہ اس لپٹی سے روزہ کھولتے جس میں خون کا جزو شامل نہ ہوتا۔ پوجا اور روزہ کشائی کے بعد جو وقت مقررہ پر عمل میں آتی تاکہ سب لوگ شخص واحد کی حیثیت سے سورج دیوتا کی پرستش کریں' شاہی خاندان کا ایک انکا سورج دیوتا کا ایلچی بنا' پر تکلف پوشاک زیب تن کئے' عبا کو جسم سے کس کے لپیٹے اور ہاتھ میں برچھی لئے قلعے سے نمودار ہوتا۔ برچھی پھل سے دستے تک رنگا رنگ پروں سے سجی ہوتی' نیز اس سے سونے کے چھلے بندھے ہوتے۔ وہ قلعے سے اپنی برچھی گھما گھما کے دوڑتا ہوا اترتا اور بڑے چوک کے بیچوں بیچ پہنچ جاتا' جہاں ایک مطلا سنہری مرتبان فوارے کی شکل کا رکھا ہوتا' جو مکئی کے جوش کردہ عرق کی نذر کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہاں شاہی خاندان کے چار اور انکا ہاتھوں میں برچھیاں لئے اس پر منتظر ہوتے' ان کی عبائیں کسی ہوتی تاکہ وہ اچھی طرح دوڑ سکیں۔ ایلچی اپنی برچھی سے ان چاروں کی برچھیوں کو چھوتا اور انہیں سورج دیوتا کا حکم سناتا کہ وہ اس کے قاصدوں کی حیثیت سے شہر کو بلاؤں سے پاک کر دیں۔ پھر متذکرہ چار انکا علیحدہ ہو جاتے اور ان چار شاہی سڑکوں پر دوڑنے لگتے جو شہر سے نکل کر دنیا کے چاروں سمت جاتی ہیں۔ جب یہ رواں دواں چلے جاتے تو تمام لوگ' کیا چھوٹے کیا بڑے' سب اپنے اپنے مکانوں کے دروازوں پر آجاتے اور خوشی کے نعروں کے ساتھ اس طرح اپنے کپڑے جھٹکنے لگتے جیسے ان کی خاک جھاڑ رہے ہوں اور ساتھ ہی چیخ چیخ کر یہ کہتے جاتے: "بلائیں دفع ہوں! ہمیں اس تیوہار کے

کیسے کیسے ارمان تھے۔ اے خالق کل! ہمیں ایک اور سال تک جی لینے دے' تاکہ ہم ایسا ہی دوسرا جشن دیکھ سکیں!" کپڑے جھٹکنے کے بعد وہ اپنے سروں' چہروں' بازوؤں اور ٹانگوں پر اس طرح ہاتھ پھیرتے جیسے غسل کرتے ہوں۔ یہ سب بلاؤں کو گھروں سے نکالنے کے لئے کیا جاتا تاکہ سورج دیوتا کے قاصد انہیں شہربدر کردیں۔ یہ صرف انہیں جگہوں میں نہیں کیا جاتا تھا جن میں سے انکا دوڑتے ہوئے گزرتے' بلکہ شہر کے ایک ایک گوشے میں یہی کارروائی کی جاتی۔ سورج دیوتا کا ایلچی' نیز وہ سب مل کے رقص کرتے' جس میں انکا بھی شامل ہو جاتا اور دریاؤں اور چشموں پر یہ کہتے ہوئے نہاتے کہ ان کے تمام مصائب ان سے خارج ہو جائیں گے۔ پھر وہ کچھ مشعلیں لے کے' جو پوال پر ڈوریاں لپیٹ کے تیار کی جاتیں' انہیں جلاتے اور ایک دوسرے کو ان سے مار مار کے تھماتے جاتے اور اس کے ساتھ یہ کہتے جاتے "ساری مصیبت دور ہو۔" اس دوران میں دوڑنے والے قاصد اپنی برچھیاں لئے شہر کے باہر کوئی ربع فرسخ تک دوڑتے' جہاں انہیں چار اور انکا تیار مل جاتے۔ یہ ان سے برچھیاں لے کے ان کی جگہ خود دوڑنے لگتے۔ اس طرح تیز رو قاصد ان برچھیوں کو دست بدست کوئی پانچ یا چھ فرسخ تک لے جاتے اور اس کے بعد وہ دریا میں نہاتے اور اپنی اپنی برچھیاں اس سرحد کے نشانات کے طور پر گاڑ دیتے جن میں دفع شدہ بلائیں لوٹ کر نہ آسکیں۔ گنی کے حبشی ہر سال بھوت کو مقررہ ایام میں بڑی دھوم دھام سے اپنی ساری بستیوں سے نکالا کرتے ہیں۔ گولڈ کوسٹ میں ا۔بکسم کے مقام پر اخراج بلیات کی اس سالانہ رسم سے پہلے آٹھ دن تک ایک جشن منایا جاتا ہے جس کے دوران میں بڑی رنگ رلیاں منائی جاتی ہیں۔ اچھل کود ناچ گانا ہوتا ہے اور ہجو بازی کی پوری پوری آزادی ہوتی ہے۔ برائیوں کو خوب اچھالا جاتا ہے۔ لوگ بے خوف سزا بلکہ بغیر کسی مزاحمت کے اپنے سے برتر اور غیر اشخاص کی خطاؤں' بدمعاشیوں اور جعل و فریب کی ہجویں گاتے ہیں۔ آٹھویں دن وہ بھوت کو ایک اندوہ گیں شور کے ساتھ ڈھونڈ نکالتے ہیں اور اسے رگیدتے ہوئے اس پر لکڑیاں' پتھر اور ہر وہ چیز جو ان کے ہاتھ لگ جائے' برسا دیتے ہیں۔ جب وہ اسے شہر سے خاصی دور نکال پہنچتے ہیں تو سب کے سب لوٹ آتے ہیں۔ نیز اس بات کا یقین کرنے کے لئے کہ وہ گھروں میں لوٹ کر نہ آئے۔ عورتیں اپنے سارے لکڑی کے برتن مانجھتی اور دھوتی ہیں تاکہ انہیں ہر قسم کی نجاست اور بھوت سے پاک کیا جائے۔"

گولڈ کوسٹ ہی میں بمقام کیپ کوسٹ کاسل یہ رسم ایک انگریز نے 19 اکتوبر 1844ء کو

دیکھی تھی، جس کا حال اس نے یوں قلم بند کیا ہے: "آج رات خبیث روح ایبان سام کو دفع کرنے کی رسم ادا کی گئی۔ جوں ہی قلعے میں آٹھ بجے کی توپ چلی، لوگوں نے بھوت کو ڈرانے کی غرض سے اپنے گھروں میں بندوقیں داغنی شروع کر دیں۔ سارا ساز و سامان اٹھا اٹھا کے گھروں سے باہر پھینکنے لگے۔ لکڑیوں وغیرہ سے کمروں کے ایک ایک کونے کو پیٹنا شروع کر دیا اور گلے پھاڑ پھاڑ کے چیخنے لگے۔ جب ان کے خیال میں خبیث روح گھروں سے نکال جاچکی تو وہ مشعلیں پھینکتے، چیختے چلاتے، لکڑیاں بجاتے، پرانے برتن کھنکھناتے اور نہایت خوفناک شور مچاتے گلیوں میں نکل آئے، تاکہ اسے شہر سے سمندر کی طرف نکال دیں۔ اس رسم سے قبل چار ہفتوں تک مکمل خاموشی ہوتی ہے جس کے دوران میں بندوق داغنی، ڈھول پیٹنا، آپس میں معاملے کی کوئی بات کرنا قطعی ممنوع ہے۔ اگر ان ہفتوں کے دوران میں دو دلی کسی بات پر متفق نہ ہوں اور شہر میں غل مچانے لگیں تو بادشاہ کے حضور لے جایا جاتا ہے اور ان پر بھاری جرمانہ کردیا جاتا ہے۔ اگر کوئی کتا یا سور، بھیڑ یا بکری گلیوں میں پھرتی مل جائے تو اسے کوئی بھی مار سکتا ہے یا اس پر قبضہ کر سکتا ہے۔ اس کا پہلا مالک اس کے لئے کوئی ہرجانہ طلب کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اس خاموشی سے ایبان سام کو دھوکہ دینا مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ اطمینان سے اپنے محافظوں سے علیحدہ ہوجائے اور اچانک اس پر یورش کردی جائے، اور وہ اس مقام سے مارے ڈر کے نکل جائے۔ اگر زمانہ سکوت میں کوئی مرجائے تو جب تک اس پر چار ہفتے گزر نہ لیں اس کے رشتہ داروں کو رونے نہیں دیا جاتا۔"

بعض اوقات شیاطین کے سالانہ اخراج کی تاریخ زراعتی موسموں کے لحاظ سے مقرر کی جاتی ہے۔ چنانچہ مغربی افریقہ میں ٹوگولینڈ کے ہاسوں میں اخراج شیاطین کی رسم فصل کے نئے یام کھانے سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔ اس وقت سردار مذہبی رہنماؤں اور جادوگروں کو طلب کرکے انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ شہر کو پاک اور بلاؤں کو دور کر دیں۔

جنوب مشرقی نیوگنی میں کری وینا کے مقام پر جب یاموں کی نئی فصل اٹھائی جاچکتی ہے تو لوگ اس موقع پر کئی ہفتے تک جشن مناتے، رقص کرتے اور ایک چبوترے پر جو اس غرض سے تعمیر کیا جاتا بازو بندوں، دلی سکہ وغیرہ کی قسم کے بہت سے مال کی نمائش کی جاتی۔ جب رنگ رلیاں ختم ہوجاتیں تو سب لوگ روحوں کو دفع کرنے کے لئے اکٹھے ہوجاتے۔ جس کے لئے چیخا چلایا جاتا، گھروں کے کھمبوں کو پیٹا جاتا اور ہر اس چیز کو الٹ

دیا جاتا جس میں چالاک روح کے چھپے ہونے کا احتمال ہو۔

شمال مشرقی ہند کی ہاس قوم میں سال کا بڑا تیوہار فصل کا تیوہار ہے جو جنوری میں منایا جاتا ہے' جب کہ تمام کھیت اناج سے بھرے ہوتے ہیں اور لوگوں پر شیطان غالب ہوتا ہے۔ "وہ اس عجیب و غریب وہم میں مبتلا ہیں کہ اس وقت مرد و زن سب پر برائی کا بھوت سوار ہوتا ہے اور کسی شخص کی سلامتی کے لئے یہ انتہا درجے ضروری ہے کہ گرمی خارج کرنے کے لئے کچھ عرصے تک جی کھول کے اپنی خواہشات پوری کرلے۔" تیوہار کی رسموں کا آغاز ایک مرغا اور دو مرغیاں' جن میں ایک سیاہ ہونی چاہیے' گاؤں کے دیوتا پر بھینٹ چڑھانے سے ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ پلاس کے کچھ پھول' چاول کے آٹے کی روٹی اور تل بھی نذر کئے جاتے ہیں۔ یہ بھینٹ اور نذریں گاؤں کا پجاری چڑھاتا ہے جو یہ پرارتھنا کرتا ہے کہ نئے سال کے دوران میں وہ اور ان کے بچے تمام آفتوں اور بیماریوں سے محفوظ رہیں اور ان کے ہاں وقت پر بارش اور فصلیں اچھی ہوں۔ بعض مقامات پر مردوں کی روحوں کے لئے دعا مانگی جاتی ہے۔ خیال ہے کہ اس زمانے میں اس مقام پر ایک بدروح کا عمل ہوتا ہے اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے عورتیں' مرد اور بچے ہاتھوں میں لکڑیاں لئے جلوس کی صورت میں گاؤں کے اطراف اور اس کے گوشے گوشے میں ایک گیت الاپتے اور بری طرح ہنگامہ مچاتے اس طرح گھومتے ہیں جیسے شکار کو ہانکا دینے نکلے ہوں' یہاں تک کہ انہیں یقین آجاتا ہے کہ یہ بدروح بھاگ گئی ہے۔ پھر وہ ضیافت اڑاتے ہیں تاآنکہ وہ اس عیاشی اور بدمستی کے قابل ہوجاتے ہیں جس کی نوبت اس کے بعد آتی ہے۔ اس مرحلے پر مذکورہ بالا "تیوہار رنگ رلیوں اور بدمستیوں کی شکل اختیار کرلیتا ہے جس کے دوران میں ملازم اپنے آقاؤں کا احترام بھول جاتے ہیں۔ مرد عورتوں کا لحاظ اور عورتیں شرم و حیا اور تہذیب و شائستگی کو بالائے طاق رکھ دیتی ہیں۔ وہ سب کی سب باخوس کی جوگنیں بن جاتی ہیں۔" ہاس عموماً" کم آمیز ہوتے اور عورتوں کے ساتھ بڑے تکلف اور شائستگی کے ساتھ پیش آتے ہیں لیکن اس ہنگامہ عیش و نشاط میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فطرتیں عارضی طور پر بدل جاتی ہیں۔ "اولاد والدین کے ساتھ اور والدین اولاد کے ساتھ انتہائی بدکلامی کرتے ہیں۔ مرد و زن اپنی آتش ہوس ٹھنڈی کرنے کے لئے جانور بن جاتے ہیں۔" منڈاری بھی جو ہاس قوم کے پڑوسی اور رشتے دار ہیں' یہ تیوہار کچھ اسی صورت سے مناتے ہیں "یہ سائرنیلیا (قدیم اطالوی تیوہار جو سائرن دیوتا کے نام پر منایا جاتا تھا اور جس میں جی بھر کے داد عیش دی جاتی

تھی) سے ہو بہو مشابہت رکھتا ہے۔

ان ہاس اور منذاری قوموں کی طرح ہندوکش کے علاقے کے بعض قبائل میں بھی فصل کی کٹائی کے بعد شیاطین کا دفع عام عمل میں آتا ہے۔ جب خریف کی آخری فصل کٹ کے آچکتی ہے تو کھیتوں کو ارواح خبیثہ سے پاک کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اس موقعے پر ایک قسم کا دلیہ کھلایا جاتا ہے اور صدر خاندان اپنی توڑے دار بندوق گھر کے فرش میں چلا دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ باہر نکل آتا ہے اور بندوق بھر بھر کے فائر پر فائر کرنا شروع کر دیتا ہے، حتیٰ کہ اس کے سینگ کا بارود ختم ہو جاتا ہے۔ اس دوران میں اس کے تمام پڑوسی بھی اس کارروائی میں لگے رہتے ہیں۔ دوسرے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ چترال میں یہ تیوہار دفع شیطان کہلاتا ہے۔ دوسری طرف ہندوستان کے کھونڈ کٹائی کے بجائے بوائی کے وقت بھوتوں کو دفع کرتے ہیں۔ اس زمانے میں وہ پیٹری پینو کی پوجا کرتے ہیں جو افزائش و منفعت کا دیوتا ہے، خواہ اس کی صورت کچھ بھی ہو۔ تیوہار کے پہلے دن کچھ لکڑیوں پر ایک ٹوکری رکھ کے ایک بھدی سی گاڑی تیار کی جاتی ہے اور پہیوں کی جگہ اس سے دو بیلن باندھ دیے جاتے ہیں۔ پجاری یہ گاڑی لے کے پہلے قبیلے کے وارث اعلیٰ کے گھر جاتا ہے، جس کو زراعت کی جملہ رسموں میں سب پر تقدم حاصل ہوتا ہے۔ یہاں اس پجاری کو ہر قسم کے کچھ بیج اور کچھ پر ملتے ہیں۔ پھر وہ اس گاڑی کو لے کے گاؤں کے دوسرے گھروں پر پہنچتا ہے اور ہر گھرانے بیج اور پروں کا اپنا اپنا حصہ دیتا ہے۔ آخر میں گاڑی گاؤں کے باہر لے جائی جاتی ہے جس کے ساتھ قبیلے کے تمام نوعمر ہو لیتے ہیں، جو لمبی لمبی لکڑیوں سے ایک دوسرے کو بری طرح پیٹتے چلتے ہیں۔ جس بیج کو اس طرح نکالا جاتا ہے "بیج کو خراب کرنے والی روح خبیثہ" کا حصہ کہلاتا ہے۔ خیال ہے کہ یہ روحیں گاڑی کے ساتھ نکل جاتی ہیں اور جب گاڑی اور اس میں موجود ساز و سامان ان کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے تو لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ روحوں کے لئے باقی بیج پر دست درازی کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہا۔

جاوا کے مشرق میں ایک جزیرہ بالی کے لوگوں کے ہاں مقررہ میعاد کے اختتام پر بڑے پیمانے پر شیاطین کے دفع عام کا عمل میں آتا ہے۔ اس رسم کے لئے عام طور پر جو دن منتخب کیا جاتا ہے وہ نویں مہینے میں "تاریک چاند" کا دن ہوتا ہے۔ جب شیاطین ایک عرصہ بلا کسی آزار کے گزار لیتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ "ملک گرم" ہو چکا ہے اور بڑا پجاری حکم جاری کرتا ہے کہ انہیں زبردستی ملک سے نکال دیا جائے، مبادا سارا بالی ناقابل سکونت ہو کے رہ

جائے۔ مقررہ دن گاؤں یا ضلع کے لوگ بڑے مندر میں جمع ہو جاتے ہیں۔ یہاں ایک چوراہے پر بھوتوں کے لئے نذریں رکھ دی جاتی ہیں۔ جب پجاری پوجاپاٹ ختم کر چکتے ہیں تو قرنا پھونک کے ان بلایا جاتا ہے کہ وہ اس کھانے کو تناول کریں' جو ان کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کئی آدمی آگے بڑھتے ہیں اور اس مقدس چراغ سے اپنی مشعلیں روشن کر لیتے ہیں' جو مہا پجاری کے آگے جلتا رہتا ہے۔ اس کے بعد فوراً" وہ تماشائیوں کو اپنے پیچھے لئے مختلف سمتوں میں بکھر جاتے ہیں اور گلی کوچوں میں یہ چیختے پھرتے ہیں "دفع ہو! دور ہو!" یہ جہاں جہاں سے گزرتے ہیں وہاں وہ سب لوگ جو گھروں میں رہ گئے ہوں جھپٹ جھپٹ کے اپنے دروازے کھڑکیاں وغیرہ زور زور سے پیٹنے لگتے ہیں تاکہ شیاطین کے دفع عام میں حصہ لے سکیں۔ شیاطین گھروں سے نکل نکل کے دوڑتے ہیں کہ اس ضیافت میں شریک ہوں جس کا لوگوں نے ان کے لئے انتظام کر رکھا ہو۔ لیکن یہاں پجاری ان کا لعنتوں کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہیں اور یہ چیز ضلع سے ان کا بالکل منہ کالا کر دیتی ہے۔ جب آخری بھوت رخصت ہو چکتا ہے تو شور دب جاتا ہے اور موت کی سی خاموشی چھا جاتی ہے جو اگلے دن بھی جاری رہتی ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ بھوت اپنے پرانے گھروں میں لوٹنے کی فکر میں رہتے ہیں اور انہیں یہ باور کرانے کے لئے کہ بالی' بالی نہیں بلکہ کوئی اور ویران جزیرہ ہے' چوبیس گھنٹے تک کوئی اپنے گھر سے جنبش نہیں کر سکتا۔ گھر کے معمولی کام مع کھانے پکانے کے ترک کر دیئے جاتے ہیں۔ چوکیداروں کے سوا گلیوں میں کوئی نہیں نکل سکتا۔ تمام دروازوں پر کانٹوں اور پتوں کے ہار ٹانگ دیئے جاتے ہیں' تاکہ اجنبی متنبہ ہو جائیں اور گھروں میں داخل نہ ہوں۔ جب تک تیسرا دن نہ آ جائے یہ محاصرہ اسی طرح جاری رہتا ہے' بلکہ اس دن دھان کے کھیتوں میں کام کرنا یا بازار میں خرید و فروخت ممنوع ہے اور بیشتر لوگ گھروں ہی پر رہتے ہیں اور تاش اور جوئے میں اپنا وقت گزارتے ہیں۔

ٹانکوئن (مشرق بعید) میں تھیکیذا یا ارواح خبیثہ کے دفع عام کی رسم سال میں ایک مرتبہ ادا کی جاتی تھی' خاص کر جب آدمی پہ سالار کے اصطبل کے گھوڑے اور ہاتھی اور ملک کے مویشی بہ کثرت مرنے لگیں " جس کو ایسے آدمیوں کے پریتوں یا شریر روحوں کی کارستانی پر محمول کرتے ہیں جن کو غداری' بغاوت' بادشاہ' پہ سالار یا شہزادوں کے قتل کی سازش کی پاداش میں سزائے موت دی گئی ہو۔ وہ اس سزا کا بدلہ لینے کے لئے ہر چیز کو برباد

کرنے اور تشدد پر تلی رہتی ہیں۔ ان بلاؤں کے انسداد کے لئے لوگوں نے اپنے توہم کی بنا پر تھیکیڈا کی طرح ڈال دی' جو انہیں دفع شیاطین اور ملک کو ارواح خبیثہ سے پاک کرنے کا سب سے بڑا موثر ذریعہ نظر آیا۔" اس رسم کے لئے عموماً" پچیس فروری کا دن مقرر کیا جاتا تھا جو ان کے سال نو کے آغاز یعنی 25 جنوری کے ایک مہینے بعد پڑتا تھا۔ یہ سارا درمیانی مہینہ ضیافتوں' رنگ رلیوں اور ہر قسم کی بے اعتدالیوں کے لئے مختص تھا۔ اس کے دوران میں مہر سلطنت سر کے بل الٹی ایک صندوق میں بند کر دی جاتی اور قانون گویا تعطل کی حالت میں ہوتا۔ ساری عدالتیں بند کر دی جاتیں' قرض داروں کو پکڑا نہ جاسکتا۔ چھوٹے چھوٹے جرائم جیسے چوری' جھگڑے فساد کی کوئی سزا نہ تھی۔ صرف غداری اور قتل قاتل دست اندازی تھے' جس کی پاداش میں مجرموں کو اس وقت تک نظر بند رکھا جاتا' جب تک کہ مہر سلطنت کا عمل پھر نہ شروع ہو جاتا۔ اس ہنگامہ آزادی و نشاط کے خاتمے پر خبیث روحوں کا دفع کیا جاتا۔ جب پیادہ فوج اور توپ خانے کے زبردست دستے پرچم لہراتے ہوئے جنگی طمطراق کے ساتھ صف بستہ ہوجاتے تو "سپہ سالار جرائم پیشہ شیاطین اور خبیث روحوں کو (کیونکہ اسی طرح ان لوگوں کے ہاں پھانسی دینے سے پہلے مجرموں کو اچھی طرح کھلا پلا دیا جاتا ہے) کھانا پیش کرتا ہے اور انہیں دعوت دیتا ہے کہ وہ آن کر کھا پی لیں جس کے بعد ہی وہ ان روحوں کو حرفوں اور تصویروں کے ذریعے عجیب و غریب بولی میں ان پر نقص امن اور اپنے گھوڑوں اور ہاتھیوں کی جان لینے وغیرہ وغیرہ کے سلسلے میں ان متعدد جرائم کا الزام لگاتا ہے' جس کا انہوں نے ارتکاب کیا ہو۔ جن کی پاداش میں وہ ارواح خبیثہ از روئے انصاف گوشمالی اور ملک سے نکالے جانے کی مستوجب تھیں۔ اس پر بطور آخری اشارے کے تین بڑی توپیں چلا دی جاتی ہیں اور اس کے بعد ساری توپیں اور بندوقیں داغ دی جاتی ہیں' تاکہ ان کے دھماکوں اور خوفناک شور سے بھوت دفع ہو جائیں۔ اور وہ اس قدر ناسمجھ واقع ہوئے ہیں کہ انہیں اس بات کا پورا پورا یقین ہوتا ہے کہ وہ اس طرح واقعی بھوتوں کو نکال باہر کرتے ہیں۔"

بھوتوں چڑیلوں یا ارواح خبیثہ کے اخراج کی سالانہ رسمیں یورپ کے بت پرستوں میں عام رہی ہوں گی' جیسا کہ ان آثار و نقوش سے اندازہ ہوگا کہ جو ان کی موجودہ نسل کے رسم و رواج میں رہ گئے ہیں۔ چنانچہ مشرقی روس کی ووٹیاک نام کی ایک بت پرست فنی قوم میں سال کے آخری دن یا سال نو کے یوم آغاز پر گاؤں کی تمام نوعمر لڑکیاں ایک جگہ جمع

ہوتی ہیں۔ یہ ایسی لکڑیوں سے لیس ہوتی ہیں، جن کی انیاں تو جگہ سے بھی ہوتی ہیں۔ یہ وہ گھر کے ہر کونے اور صحن پر مارتی جاتی ہیں، جس کے ساتھ ساتھ یہ کہتی جاتی ہیں "ہم شیطان کو گاؤں سے نکال رہے ہیں۔" اور جیسے جیسے وہ ندی کے دھارے پر بہتی جاتی ہیں، شیطان بھی ان کے ساتھ ساتھ دوسرے گاؤں چلا جاتا ہے، جہاں سے اس کا اسی طرح دفع کیا جانا لازمی ہے۔ بعض گاؤں میں شیطان کے اخراج کی صورت اس سے مختلف ہے۔ وہاں کنواروں کو گاؤں کے ہر گھر سے کٹا ہوا دانہ، گوشت اور برانڈی دی جاتی ہے۔ انہیں لے کے وہ کھیتوں پر پہنچتے ہیں۔ صنوبر کے ایک درخت کے نیچے آگ جلا کے وہ دانہ ابالتے ہیں اور یہ الفاظ دہرا کے اپنے ساتھ لائی ہوئی چیزیں کھا لیتے ہیں "صحرا میں چلا جا، گھر میں نہ آ۔" اس کے بعد کنوارے گاؤں واپس ہوتے ہیں اور ہر اس گھر میں جاتے ہیں جہاں جوان عورتیں ہوں۔ ان عورتوں کو پکڑ کے وہ یہ کہتے ہوئے برف پر پھینک دیتے ہیں، "تمہیں بیماری کی بلائیں چھوڑ جائیں۔" پھر باقی ماندہ غلہ اور کھانے کی دوسری چیزیں ہر گھر کے چندے کے تناسب سے تمام گھروں میں تقسیم کر دی جاتی ہیں اور ہر خاندان اپنا اپنا حصہ کھا لیتا ہے۔ ضلع مالمیز کے ایک ووٹیاک کے بیان کے بموجب جو کوئی ان کے ہاتھ لگتا ہے اسے برف میں پھینک دیتے ہیں اور یہ کارروائی "دفع شیطان" کہلاتی ہے۔

عہد باطل پرستی کے دفع شر کے قدیم سالانہ دستور کے کچھ نقش جدید مسیحی یورپ میں موجود ہیں۔ چنانچہ کلا بریا (اٹلی) کے بعض گاؤں میں مارچ کے مہینے کا آغاز جادوگرنیوں یا چڑیلوں کے اخراج عام سے ہوتا ہے۔ یہ رسم رات کے وقت گرجا گھروں میں گھنٹوں کی گونج میں ادا کی جاتی ہے جس میں لوگ یہ چیختے ہوئے گلیوں میں دوڑتے ہیں "مارچ آن پہنچا!" ان کا کہنا ہے کہ جادوگرنیاں مارچ میں گھومتی پھرتی ہیں، اور یہ کارروائی اس مہینے کے دوران میں ہر جمعہ کی شب عمل میں آتی ہے۔ جیسا کہ خیال پیدا ہو سکتا ہے، عہد باطل پرستی کی یہ قدیم رسم اکثر صورتوں میں کلیسائی تیوہاروں کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہے۔ چنانچہ البانیہ میں ایسٹر کی رات نوعمر لوگ رال دار لکڑی کی مشعلیں جلائے انہیں گھماتے ہلاتے ہوئے جلوس کی صورت میں گاؤں سے گزرتے ہیں۔ آخر میں وہ ان مشعلوں کو اس نعرے کے ساتھ دریا میں پھینک دیتے ہیں "ہاکورے! ہم تمہیں ان مشعلوں کی طرح دریا برد دیتے ہیں کہ تم لوٹ کے نہ آؤ!" سی لیشیا کے دیہاتیوں کے عقیدے کی رو سے گڈ فرائی ڈے کو جادوگرنیاں گشت پر نکلتی ہیں اور ان میں آزار پہنچانے کی بڑی طاقت ہوتی ہے اسی لئے اسٹرے لٹس

کے قریب قصبہ اولس کے آس پاس لوگ اس دن پرانی جھاڑیوں سے مسلح ہو کے ہر گھر' باڑے اور تھان سے ایک ہنگامہ مچاتے اور کھڑبڑ کرتے جادوگرنیوں کو نکالتے ہیں۔

وسط یورپ میں جادوگرنیوں سے نجات عام کا پسندیدہ وقت یوم بہار یا مئی کی رات ہے یا بھی تھا۔ خیال تھا کہ اس وقت اس موذی مخلوق کی شرانگیز قوتیں شباب پر ہوتی ہیں۔ مثلاً ٹیرول میں نیز دوسرے مقامات پر اس دن دفع بلیات کو "جادوگرنیوں کا جلانا" کہا جاتا ہے۔ یہ رسم یوم بہار کو ادا کی جاتی ہے۔ لوگ دنوں پہلے اس کی تیاری میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ کسی جمعرات کی شب کوئی بارہ بجے رالدار لکڑی کی چھپٹیوں' سرخ و سیاہ دھویں والے شکران' کبر' روز میری اور آلوچہ کی ٹہنیوں کے گٹھے باندھ لئے جاتے ہیں وہ آدمی جنہیں کلیسا سے گناہوں کی مکمل معافی مل گئی ہو' انہیں اپنے پاس رکھتے اور یوم مئی کو جلاتے ہیں۔ اپریل کے آخری تین دن تک تمام گھروں کی صفائیاں ہوتی ہیں۔ اور انہیں ایک قسم کی صنوبری جھاڑی کے پھلوں اور سداب سے دھونی دی جاتی ہے۔ یوم بہار کے جھٹ پٹے میں جب شام کا گھنٹہ بج چکتا ہے تو "جادوگرنیوں کو جلانے" کی رسم شروع ہوتی ہے۔ بالغ مرد اور لڑکے چابکوں' گھنٹیوں' برتنوں اور پراتوں سے ایک بے پناہ شور مچا دیتے ہیں' عورتیں عودان لئے گھومتی ہیں۔ کتوں کی زنجیریں کھول دی جاتی ہیں جو بھونکتے پھرتے ہیں۔ جوں ہی گرجے کا گھنٹہ بجنا شروع ہوتا ہے' درختوں کی شاخوں کے مذکورہ بالا گٹھوں میں جو بیلیوں سے بندھے ہوئے ہوتے ہیں' آگ لگا دی جاتی ہے اور ان کی خوشبو پھیلنے لگتی ہے۔ پھر گھروں کے تمام فانوس' کھانے کی گھنٹیاں اور برتن بجا دیئے جاتے ہیں۔ کتے بھونکنے لگتے ہیں۔ ایسے میں ہر شخص کا غل مچانا لازمی ہے۔ اس غل غپاڑے میں سب لوگ گلے پھاڑ پھاڑ کے یہ الفاظ دہراتے ہیں "جادوگرنی بھاگ جا' یہاں سے بھاگ جا' ورنہ تیری خیر نہیں!" پھر وہ سات دفعہ مکانوں' باڑوں اور گاؤں کے طواف کرتے ہیں۔ اس صورت سے جادوگرنیوں کو ان کی کمین گاہوں سے دھونی دے دے کر نکالا اور دفع کیا جاتا ہے۔ یوم مئی کی رات جادوگرنیوں کے اخراج عام کا یہ دستور بوریا کے متعدد علاقوں اور بوہمیا کے جرمنوں میں آج تک جاری ہے یا چند سال پیشتر تک جاری تھا۔ چنانچہ کستان بوہمر والڈ میں کسی رات' بعد از مغرب گاؤں کے تمام نوعمر لوگ کسی بلند مقام خاص کر چوراہے پر جمع ہو جاتے ہیں اور کچھ دیر تک اپنی پوری قوت سے کوڑے بجاتے رہتے ہیں۔ اس سے جادوگرنیاں بھاگ جاتی ہیں' اس لئے کہ جہاں تک کوڑوں کی آواز سنائی دیتی ہے یہ مردم آزار ہستیاں کوئی گزند نہیں

پہنچا سکتیں۔ بعض مقامات پر جس وقت نوجوان چابک کھڑکاتے رہتے ہیں چرواہے اپنے اپنے نغمہ پھونکتے رہتے ہیں اور ان کے لمبے سر جو رات کی خاموشی میں دور دور تک سنائی دیتے ہیں، جادوگرنیوں کا بڑا مؤثر دفعیہ ہیں۔

ساحرات کے شر کا ایک اور زمانہ وہ بارہ دن ہیں جو کرسمس اور یوم ظہور مسیح کے درمیان پڑتے ہیں۔ اسی لئے سی لیشیا کے بعض علاقوں میں لوگ کرسمس سے پہلی جنوری تک رات رات بھر صنوبر کی رال جلاتے رہتے ہیں تاکہ جادوگرنیاں اس کے تیز دھوئیں کی تاب نہ لا کے مکان کی حدود سے نکل جائیں اور کرسمس اور یکم جنوری کی شب کھیتوں اور مرغزاروں پر جھاڑیوں اور درختوں میں بندوقیں داغی جاتی ہیں اور میوے کے درختوں کے اطراف پوال لپیٹ دی جاتی ہے تاکہ روحیں انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں۔ یکم جنوری کی شب جو سینٹ سل ویسٹر کے عرس کا دن ہے، بوہیمائی لڑکے بندوقوں سے مسلح ہو کے حلقے باندھے ہوائی فائر کرتے ہیں۔ یہ کارروائی "جادوگرنیوں کو گولی مارنے" کے نام سے موسوم ہے اور خیال ہے کہ اس سے وہ ڈر کے بھاگ جاتی ہیں۔ ان ایام مخفیہ کا آخری دن یوم ظہور مسیح یا بارھویں کی رات ہے اور اسے یورپ کے مختلف حصوں میں شرانگیز قوتوں سے نجات کے لئے بجا طور پر منتخب کیا گیا ہے۔ چنانچہ جھیل لوسرین کے کنارے برونین میں جنگل کی دو مونث روحوں اسٹروڈیلی اور اسٹرائیلی کو ڈرا کے بھگانے کے لئے لڑکے بارھویں کی رات مشعلیں لئے اور قرناؤں، گھنٹیوں، کوڑوں وغیرہ وغیرہ سے ایک شور مچاتے جلوس کی صورت میں نکلتے ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر انہوں نے شور مچانے میں کوتاہی کی تو اس سال پھل نہ ہوگا۔ نیز جنوبی فرانس کے ضلع لابرڈیر میں بارھویں کی رات لوگ گھنٹیاں بجاتے، کیتلیاں کھڑکھڑاتے اور ہر وہ حرکت کرتے جس سے ناگوار شور پیدا ہو، گلی کوچوں میں دوڑتے ہیں۔ پھر مشعلوں اور جلتی ہوئی لکڑیوں کی روشنی میں وہ ایک زبردست بلڑ اور ایسا غل مچاتے ہیں کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگتے ہیں۔ انہیں امید ہوتی ہے کہ ان کی اس کارروائی سے ساری جنگلی روحیں اور شیاطین خارج البلد ہو جائیں گے۔